بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسلسلہ چہاردہ صدسالہ یادگار شہادت حضرت بتول عذرا سلام اللہ علیہا

سیرت حضرت

فاطمۃ الزہرا

صلوٰۃ اللہ علیہا

مولفہ

جسٹس آغا محمد سلطان مرزا دہلوی طاب ثراہ

صاحب البلاغ المبین وغیرہ

ناشر

ادارۂ اصلاح

مسجد دیوان ناصر علی مرتضیٰ حسین روڈ۔ لکھنؤ

۲۲۶۰۰۳

فہرست مضامین کتاب سیرۃ فاطمۃ الزہراؑ

نام کتاب — سیرت حضرت فاطمۃ الزہراؑ
تالیف — آغا محمد سلطان مرزا دہلوی طاب ثراہ
طبع جدید — جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ ۔ جنوری ۱۹۹۱ء
ناشر — ادارۂ اصلاح لکھنؤ
منجانب — عالمی رابطۂ اہل بیت اسلامی و مجلس علماء و خطباء ہند
تصحیح کتابت — جعفر مرزا لکھنؤ
تعداد — ۱۰۰۰
طباعت — دہلی
زیر اہتمام — حجۃ الاسلام مولانا محبوب مہدی عابدی نوگانوی دہلی
قیمت — پینتیس روپے
صفحات — ۳۶۸

ملنے کا پتہ

دفتر اصلاح مسجد دیوان ناصر علی مرتضیٰ حسین روڈ لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳

دیباچۂ طبع اوّل

رسل و انبیاء کو چند آیات و معجزات دے کر بھیجنا ہمیشہ سے سنت الٰہی رہی ہے۔ اور وہ آیات و معجزات اُس رسول یا پیغمبر کے زمانہ کے لوگوں کی طرزِ معاشرت سے بہت کچھ نسبت رکھتے تھے۔ جس زمانہ میں کہ محض ظاہری محسوسات ہی پر عقل و منطق محدود ہوا کرتی تھی۔ اُس زمانہ میں معجزات بھی بظاہر ان سے ملتے جلتے ہوا کرتے تھے۔ پرانی دنیا میں جادو کا بڑا زور تھا۔ اور انسان ظاہری امور و محسوسات سے بہت مرعوب ہوا کرتا تھا لہٰذا پرانی دنیا کے رسل و انبیا کو بھی ایسے ہی معجزے دیے گئے جو ان کے سحر کو توڑ دیں۔ حضرت سلیمان کے تخت کا ہوا پر اُڑنا، بابل کے ماروت و ہاروت کے جادو کا مغلوب ہونا، حضرت موسیٰ کے معجزات عصا و ید بیضا یہ سب اسی قسم کے معجزے تھے جن کا مقابلہ سحر سے تھا۔ اور جنھوں نے ثابت کر دیا کہ سحر اور معجزہ میں کیا فرق ہے۔ نظربندی سے عصا کا سانپ معلوم ہونا تو بڑی بات نہیں اور یہ سحر ہے۔ لیکن سحر کی طاقت سے کسی چیز کا وجود غائب نہیں ہو سکتا حضرت موسیٰ کے عصا نے اصلی سانپ بن کر اور ساحروں کے سانپوں کو نگل کر اس فرق کو بالکل نمایاں کر دیا۔ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں اور اُن سے پہلے حکمت اور طبابت کا بڑا زور تھا۔ یونان کے حکماء کی ادویہ بڑے بڑے کام کرتی تھیں۔ لہٰذا حضرت عیسیٰؑ کو وہ معجزے دیے جو اُن لوگوں کی ادویہ کو عاجز کر دیں۔ پیدائشی اندھے اور برص والے کو اچھا کرنا۔ یہاں تک کہ مُردے کو جلانا یہ ایسے معجزے تھے جو بہترین حکماء اور نہایت تجربہ کار ڈاکٹروں کی طاقت سے باہر تھے۔

حضرت عیسیٰؑ کے زمانے سے نئی دنیا کا آغاز ہو چلا تھا جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ تقریباً ہمارے ہی زمانے سے ملتا جلتا تھا سوائے اس کے کہ اب معقولات ہی معقولات ہے۔ اور یہ بھی بات ہے کہ جناب رسولِ خدا ختم المرسلین ہیں۔ اب ان کے بعد کوئی اور رسول نہیں آئے گا۔ لہٰذا جناب رسولِ خداؐ کے پاس ایسے معجزے ہونے چاہئیں جو اس زمانے کے لوگوں کو بھی مغلوب کریں اور آیندہ قیامت تک جو حالت بھی عقل انسانی کی ہو وہ اُس پر غالب آسکیں۔

آں حضرتؐ کے زمانے میں فصاحت اور نبرد آزمائی کے ہُنر بہترین ہُنر سمجھے جاتے تھے۔ لہٰذا آں حضرتؐ کو قرآن اور آل ایسے معجزے دیے گئے جو اس زمانے میں اور آیندہ بھی ہمیشہ کے لیے لوگوں کو عاجز کر سکیں اور اِسی وجہ سے جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ قرآن اور میری عترت فقط یہی دو معدنِ ہدایت ہیں جب ان دونوں سے تمسّک رکھو گے گمراہ نہ ہو گے اور یہ دونوں قیامت تک ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے۔ اُس زمانے میں قرآن کی فصاحت و بلاغت اور حضرت علیؑ کی نبرد آزمائی نے معجزہ بن کر اس زمانے کے لوگوں کو مغلوب کیا اور آیندہ کی نسلوں کے لیے قرآن کے معانی اور آل محمدؐ کی روحانیت محیر العقول ہیں۔

تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ قرآن شریف اپنی بلاغت و فصاحت اور نیز اپنی تعلیم کی وجہ سے ایک معجزہ ہے۔ لیکن ہے تو فقط کتاب وہ ہستی بھی تو ایک معجزہ ہوگی جو اس کتاب کے تمام اصولوں پر، تمام احکام پر عمل کر کے دکھائے۔ بات کا کہہ دینا ایک بات ہے۔ اُس پر عمل کر کے دکھانا مشکل تر ہے۔ اگر محض بات ہی معجزہ ہے تو اُس پر عمل کرنے والا بھی تو معجزہ ہوا۔ قرآن شریف ہو یا فلسفہ مغربی ہو، سائنس ہو یا فقہ ہو۔ یہ سب ذرائع ہیں۔ ان سب کا واحد مقصد ہے۔ وہ مقصد مکمل انسان پیدا کرنا ہے۔ فلسفہ مغربی پر عمل کر کے جیسے انسان پیدا ہوئے وہ بھی آپ نے دیکھے سائنس نے جیسی عقل کے آدمی پیدا کیے وہ بھی دیکھے۔ ہر ایک مذہب کے فقہ پر عمل کرنے والوں کو بھی آپ نے دیکھا۔ ان سب کو دیکھنے کے بعد دنیا نے نتیجہ نکالا کہ ایسا مکمل انسان جس نے کبھی لغزش نہ کی ہو، کبھی گناہ نہ کیا ہو، کبھی ظلم نہ کیا ہو۔ غرضکہ بالکل معصوم ہو نہ پیدا ہوا ہے۔ اور نہ یہ ذرائع ایسا انسان پیدا کر سکتے ہیں۔ لہٰذا نتیجہ نکلا کہ اگر ہم ایسا مکمل انسان کہیں دکھا دیں تو پھر وہ تو معجزہ ہی ہو گا۔ یا نہیں ضرور معجزہ ہو گا۔ نہ یہ کہ وہ ہی معجزہ ہو گا بلکہ جس کتاب کے مطابق اُس نے عمل کیا ہے وہ بھی معجزہ ہو گی قرآن کی تعلیم کا نچوڑ اور مدعا یہ ہے کہ وہ ایسے انسان پیدا کرے جو کہہ سکیں ان صلواتی ونسکی ومحیایی ومماتی للہ رب العالمین یعنی میری نماز، میری قربانیاں، میری زندگی، میری موت سب خداوند تعالیٰ کے لیے ہے۔

اب فرمائیے کہ جس شخص کا ہر فعل خداوند تعالیٰ کے لیے ہو وہ کب اور کس طرح دوسرے پر ظلم کر سکتا ہے وہ کیوں خود غرضی کرے۔ کیوں فریب دے۔ کیوں یتیموں بیواؤں اور غریبوں کا مال کھائے۔ اگر وہ اپنے تئیں ایسا بنا سکے۔ اس اصول پر کاربند ہو سکے تو بس وہ ہی انسان کامل ہے۔

یہ فضیلت خداوند تعالیٰ نے جناب رسول خدا ہی کے لیے رکھی تھی کہ اُن کی آل سے محبت کرنی اُن کی رسالت کا اجر ہو اور اُن کی آل کی تعلیم و زندگی لوگوں کے لیے نمونہ ہو۔ جو مورخ کہ ان چہاردہ معصومینؑ کی سوانح حیات لکھنا چاہتا ہے۔ اُس کا فرض ہے کہ وہ اُن بزرگواروں کی تعلیم اور معاشرت کو نمایاں کر کے دکھائے تاکہ لوگوں کو راہِ راست اچھی طرح نظر آ جاوے اور دنیا کو معلوم ہو جاوے کہ واقعی یہ بھی ایک معجزہ تھے۔

دنیا کی گمراہی کی بہت سی صورتیں ہیں۔ لیکن جب اُن سب کا تجزیہ کیا جائے اور نظرِ غور سے دیکھا جاوے تو تمام گمراہیوں کی صرف دو قسمیں رہ جاتی ہیں۔ ایک وہ حالت کہ جب حق بالکل انسان کی نظروں سے اوجھل ہو جاوے اور وہ باطل میں اتنے منہمک ہو جاویں کہ اُنھیں خیال بھی نہ آئے کہ باطل کے سوا کوئی حق بھی ہے دوسری صورت وہ ہے کہ جب حق و باطل کی آمیزش ایسی ہو جاوے کہ لوگوں کو حق کا تخیل تو رہے لیکن یہ نہ آسانی سے فیصلہ ہو سکے کہ حق کون سا ہے۔ اور باطل کون سا ہے جب تک دنیا کی حالت صورت اوّل کی رہی انبیاء و مرسلین آتے رہے تاکہ وہ طبیعت و فطرت انسانی کو ڈر کے ذریعہ سے حق دکھلائیں۔ لہذا ان کو منذر کہتے رہے۔ ڈرانے والوں نے ڈرا دھمکا کر مرعوب کر کے باطل کے نقش کو مٹایا اور حق کا سکہ جمایا۔ ایسے منذرین میں جناب محمد مصطفےٰؐ سب سے آخر تھے۔ اب آپ کی تعلیم سے ایسا تو ہو گیا کہ دنیا کبھی صنم پرستی کی طرف نہیں جا سکتی۔ خدا کا تخیل ہمیشہ رہے گا۔ بت پرستیٔ محض کبھی عود نہیں کرے گی۔ جو مسلمان نہیں ہیں وہ بھی یہی نہیں کہ خدا کو مانتے ہیں بلکہ خدا کو واحد بھی جانتے ہیں۔ عیسائی باوجود اپنی تثلیث کے، اور برہمن باوجود اپنی صنم پرستی کے اب خدا کو ایک ہی کہتے ہیں۔ دُنیا کا پیدا کرنے والا، دنیا کا مالک ایک ہی ہے۔ جب

دنیا اس حالت پر آ گئی تو اب منذرین کی ضرورت نہیں رہی۔ لہذا انبیاء و مرسلین کا سلسلہ ختم کر دیا گیا چونکہ فطرت انسانی کے ضمیر میں فجور کی بھی آمیزش ہے۔ لہذا اس کا گمراہ ہونا ضروری ہے۔ اب جو گمراہی ہو گی وہ البتہ اس حق و باطل کی ہو گی۔ حق کا بھی تخیل رہے گا۔ اور باطل بھی حق نظر آنے لگے گا۔ حق سے باطل کو علیحدہ کر کے دکھانے کے لیے ہادیوں کی ضرورت ہوئی جن کو امام کہتے ہیں نبوت کے بعد امامت شروع ہوتی ہے۔ ان کا کام یہ ہے کہ صراطِ مستقیم پر جو گمراہیوں کی آندھی کی وجہ سے گرد جمع ہو کر اُس کو نظر سے اوجھل کر دے۔ اُس گرد و غبار کو ہٹا کر صراطِ مستقیم کو نمایاں کرتے رہیں۔ صراطِ مستقیم تو ایک دفعہ مکمل طور سے اور طرز زندگی و معاشرت و معیشت کے ہر شعبہ کے نقطۂ نظر سے دکھائی جا چکی ہے۔ اب تو اُس کو محض نمایاں کرتے رہنا۔ ان اماموں کا کام رہے گا۔

لیکن یہ بھی بڑا مشکل کام تھا۔ سب سے پہلے التباس حق و باطل یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ اصلی امام و نقلی امام اس طرح خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ بہت سے لوگوں کو یہ ہی نہیں معلوم ہوتا کہ اصلی امام کون ہے۔ وہ نقلی اماموں کی تقلید کر کے گمراہ ہو جاتے ہیں اصلی امام کی شناخت اور اُس کی پیروی ضروری ہے۔ جناب رسول خداؐ کی یہ مسلّمہ حدیث ہے کہ من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ یعنی جو شخص مر گیا اور مرتے دم تک اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا تو وہ کافر مرا۔ اس حدیث سے منجملہ دیگر امور کے یہ بھی ثابت ہوا کہ معرفت امام مشکل ہے۔ اگر یہی ہوتا کہ جو برسر حکومت آ گیا وہی امام ہے تو پھر تو اس حدیث کی ضرورت نہ تھی۔ ہر ایک بادشاہ کی معرفت اُس کی تلوار کرا دیتی ہے۔ جس چیز کی اہمیت ایسی تھی کہ اُس کے نہ ہونے کی وجہ سے کفر لازم آتا تھا تو اُس کا نہ بتانا اور امام کی شناخت نہ کرانا یہ بھی شان نبوت سے بعید تھا۔ لہذا جناب رسول خداؐ نے کئی نشانیاں بتا دیں اُن میں سے دو مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) قرآن اور میری عترت دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے اور قیامت تک ساتھ رہیں گے اگر تم ان دونوں سے تمسک رکھو گے۔ تو کبھی قیامت تک گمراہ نہ ہو گے۔

(۲) قرآن علی کے ساتھ ہے اور علی قرآن کے ساتھ ہے۔

قرآن شریف نے بھی متقین اور صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کی صفات، بیان کیں اور اُن کی نشانیاں بتائیں اسی طرح ائمۂ مضلین کی بھی صفات بیان کیں۔ تمام قرآن شریف کے مطالعہ سے ان دونوں قسم کے لوگوں کی بڑی بڑی صفات یہ معلوم ہوتی ہیں۔ متقین میں خوفِ خدا اور مصائب میں صبر اور مضلین میں حق سے اعراض اور ظلم۔ ظلم کی بُرائی پر جا بجا زور دیا گیا۔ یہ بھی فرمایا کہ تمھارا محض مُنہ سے کہہ دینا کہ ہم ایمان لائے کافی نہیں ہے۔ تمھارا امتحان مصائب و صبر سے کیا جائیگا نتیجہ نکلا کہ مصائب میں صبر کرنا، ظلم سے پرہیز، خوفِ خدا۔ یہ ہیں اصلی امام کی شناخت کرانے والی صفات۔

جناب رسولِ خداؐ کی ایک اور حدیث ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے بعد اسلام کے آخر زمانے تک اسلام میں بارہؑ امام ہوں گے[1] اور وہ سب میری عترت میں سے ہوں گے لیکن اہل سنت و جماعت کی کتب میں ہے کہ کلھم من قریش۔ قریش ہی سمجھ لو۔ اب فرمایئے وہ بارہؑ امام کون ہیں۔ فرقہ شیعہ کا تو بچہ بچہ جانتا ہے کہ وہ بارہؑ کون ہیں۔ لیکن دوسرے فرقوں میں سے کوئی فرقہ بھی وہ بارہ امام نہیں گنوا سکتا۔ کوئی اصول ہی نہیں قائم کر سکتا کہ جس سے وہ بارہ امام گنے جاسکیں۔ آسان پسند حضرات تو حضرت ابو بکر سے لے کر بارہؑ بادشاہ گنوا جاتے ہیں۔ درمیان میں حضرت یزید بھی آگئے لیکن عقل سلیم ان بارہ اماموں کے ماننے سے انکار کرتی ہے۔ بہر صورت ان کی گنتی کے مطابق خواہ کوئی سی ہو بارہ امام تو بہت جلد ختم ہوگئے۔ حالانکہ آں حضرتؐ کی حدیث کے مطابق اُن بارہ میں سے آخر کو قیامت تک چلنا تھا۔

ہم نے اصلی و نقلی امام کی شناخت پر بہت زور دیا ہے۔ کیونکہ وہ ضروری ہے ہم نے جب دنیا کی موجودہ حالت پر غور کیا تو یہ نتیجہ نکلا کہ دنیا جس عذاب میں آج کل پھنسی ہوئی ہے اُس کا واحد حل یہ ہے کہ صحیح اسلامی اصول سے تمام دنیا واقف

[1] مسند امام احمد حنبل الجزاء الخامس ص۸۷ و ص۸۸ و ص۸۹ و ص۹۰ و ص۹۲ تا ص۱۰۱ صحیح بخاری مطبوعہ مصر۔ الجزاء الرابع ص۱۶۵ کتاب الاحکام باب الاستخلاف صحیح مسلم مطبوعہ مصر الجزاء السادس ۳۳ وغیرہ وغیرہ۔

ہو جاوے۔ اور ہر ایک مسلمان جس نے ذرا بھی اس مسئلہ پر اور دنیا کی حالت پر غور کیا ہے وہ اسی نتیجہ پر پہنچا ہے لیکن سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ وہ صحیح تعلیم اسلام کہاں سے ملے۔ اسلام میں اتنے فرقے ہوگئے ہیں کہ اگر کوئی شخص تعلیم اسلام کی تلاش شروع کرنے نکلے تو ڈر ہے کہ کہیں پہلا ہی قدم دلدل میں نہ پھنس جائے اب ہمیں جناب رسول خداؐ کا کہنا یاد آیا کہ جس نے صحیح امام زمانہ کی معرفت حاصل نہیں کی وہ کافر مرا۔ صحیح امام ان ہی فرقوں میں سے ملے گا جن میں اسلام تقسیم ہوگیا ہے۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اگرچہ بظاہر اسلام میں بہت سے فرقے نظر آتے ہیں لیکن اصلی اور پہلی تقسیم صرف مسئلہ امامت سے ہوئی کہ امام کون سا ہو۔ آں حضرتؐ کے انتقال کے بعد ہی یہ سوال اُٹھا اور اسی وقت یہ دُو فرقے ہوگئے اور آخر تک یہی تقسیم رہی۔ باقی جو فرقے ہیں وہ انھیں کی شاخیں ہیں۔ ایک فرقہ کہتا تھا کہ آلِ رسولؐ میں سے رسولؐ کا مقرر کردہ امام ہو۔ دوسرا فرقہ کہتا تھا کہ اصحاب میں سے بذریعہ انتخاب امام مقرر ہونا چاہیئے[2] اور اس اصحاب کے زمرہ میں آلِ رسولؐ کو نہ شامل کیا جائے۔ سقیفہ میں جو سب سے پہلی مجلس قائم ہوئی۔ اُس میں عملاً یہ ہی اصول مقرر کیا گیا نہ آلِ رسولؐ کو اُس میں شامل کیا اور نہ بوقت انتخاب اُن کا ذکر کیا۔ حضرت عمر نے اپنے فریق کی صحیح ترجمانی کی جب فرمایا کہ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور امامت ہو[3] آخر تک یہ ہی اصول قائم رکھا گیا۔ شوریٰ میں حضرت علیؑ کو لے کر امیدواروں میں داخل کر لیا۔ لیکن اُس شوریٰ کے ایسے ممبر مقرر کیے اور ایسے شرائط عائد کیں، (پیروی سنت شیخین اُن میں سے ایک تھی) کہ نہ لینے کے برابر ہوگیا۔ حضرت عثمان کے قتل کے بعد جب کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا تو علیؑ کی طرف رجوع کیا لیکن اس طرح کہ اُن میں سے بعض سربرآوردہ لوگ بیعت کرتے وقت بھی دل میں علیؑ سے انحراف کرنے کے منصوبے

[2] مروج الذہب مسعودی الجزاء الاول ص۲۸، ص۶۱ شہرستانی۔ الملل والنحل برحاشیہ کتاب الفصل ابن حزم الجزاء الاول ص۱۹ لغایت ص۲۴ [3] تاریخ طبری الجزاء الخامس ص۳۰، ص۳۱، ص۳۲ ابن الاثیر تاریخ الکامل الجزاء الثالث ص۲۴، ص۲۵ - مولوی شبلی۔ الفاروق مفید عام آگرہ ۱۹۰۸ء حصہ اول ۲۰۴، ۲۰۵

سوچ رہے تھے۔ گویا دو جماعتیں ہوئیں۔ آل اور اصحاب اب جناب رسول خداؐ کی احادیث، قرآن شریف کی مقرر کردہ جانچ پرتال اور اپنی عقل سلیم کو کام میں لانا چاہیئے کہ صحیح اسلام کہاں ملے گا۔ آل کے پاس یا اصحاب کے پاس گھر کی بات گھر والے زیادہ جانتے اور سمجھتے ہیں یا باہر والے۔ کہنے والے کا مطلب و مقصد کون بہتر اور صحیح سمجھتا ہے۔ گھر والے یا غیر؟ ہمیشہ کون ساتھ رہتا ہے اپنے گھر والے یا غیروں کے گھروں میں رہنے والے۔ وہ شخص اسلام و رموز اسلام کو بہتر سمجھ سکتا ہے کہ جس نے آنکھ کھولی تو پیغمبر اسلام کا چہرہ دیکھا اور بچپن ہی سے آغوش پدر اسلام میں پرورش پائی۔ یا وہ جنھوں نے عمر کا بڑا اور بہترین حصہ بتوں کو پوجنے اور کذب کی پیروی کرنے میں گزارا۔ غور کرو۔ رسول خداؐ نے اس کے متعلق کیا فرمایا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے قرآن شریف میں اصلی ائمہ کی کیا شناخت مقرر کی ہے۔ اور پھر ان بزرگواروں کے سوانح حیات پر نظر ڈالو تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ صحیح اسلام کہاں تھا۔

اب یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ کیا ضرور ہے کہ ایک ہی کے پاس صحیح اسلام ہو۔ دونوں فریقین کے پاس کیوں نہ ہو۔ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر دونوں کے اسلام میں اختلاف ہے تو وہ کیا اختلاف ہے۔ انسانی زندگی پر اثر ڈالنے والا وہ کیا اختلاف ہے۔ صحیح عقائد یا مذہب میں اختلاف دو وجوہات سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک تو جہالت سے اصلی و صحیح رموز و اصول نہ معلوم ہونے کی وجہ سے دوسرے ارادے سے۔ یعنی عمداً صحیح عقائد کو توڑ مروڑ کر اپنے مطلب کے مطابق کرنے سے۔ اب ہم کو پھر تاریخ سے مدد لینی پڑے گی اور ان بزرگواروں کے سوانح حیات پر غور کرنا ہوگا۔ یہ تو ہم ابھی بتا چکے ہیں کہ جہالت یعنی صحیح و اصلی بات کے نہ معلوم ہونے کا امکان کہاں زیادہ ہو سکتا ہے اگر چاہو تو جناب رسول خداؐ کی حدیث سے بھی مدد لے لو آپ فرمایا کرتے تھے کہ انا مدینۃ العلم وعلیٌ بابھا۔ من اراد العلم فلیات الباب۔ میں علم کا شہر ہوں اور علی اُس کا دروازہ ہے۔ جو علم حاصل کرنا چاہتا ہے اُسے چاہیئے کہ دروازے پر آوے۔ یعنی علیؑ سے حاصل کرے۔ اگر جناب محمد مصطفیٰؐ کو

سچا نبی و رسول جانتے ہو اور دل سے جانتے ہو۔ تب تو فیصلہ ہو ہی گیا۔ لیکن اگر اُن کی نبوت ہی میں شک ہے۔ اُن کی نیک نیتی پر شبہ ہے تو یہ پھر دوسری بات ہے۔ جہاں تک ارادے کا تعلق ہے ہم کو تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک فریق نے کوشش سے لوگوں سے ساز باز کر کے ایک خاص طریقہ سے حکومت حاصل کی۔ حکومت کے حاصل کرنے اور اُس کے قائم رکھنے میں جو جو کام کیے اُن اپنے افعال و کردار کو اسلام کے مطابق و موافق دکھانے میں اسلام کے اصول کو توڑنے اور مروڑنے کی ضرورت ہوئی۔ خود مولوی شبلی فرماتے ہیں کہ :-

"اختلاف عقائد کے اگرچہ یہ سب اسباب فراہم تھے لیکن ابتدا پالٹیکس یعنی ملکی ضرورت سے ہوئی۔ بنوامیہ کے زمانے میں چونکہ سفاکی کا بازار گرم رہتا تھا طبیعتوں میں شورش پیدا ہوئی لیکن جب کبھی شکایت کا لفظ کسی کی زبان پر آتا تھا تو طرفداران حکومت یہ کہہ کر اُس کو چُپ کر دیتے تھے کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی مرضی سے ہوتا ہے۔ ہم کو دَم نہیں مارنا چاہیئے۔ امنا بالقدر خیرہ و شرہ۔

مولوی شبلی :- علم الکلام حصہ اول ص۱۷

اس عبارت کے حاشیہ پر لکھا ہوا ہے :- "اختلاف عقائد کی بنیاد پالٹیکس سے ہوئی" بنوامیہ ہوں یا کوئی اور ہو۔ ایک امر واقعہ تو معلوم ہوا کہ وہ حکومت جو آں حضرتؐ کے بعد قائم ہوئی عقائد اسلام میں دست اندازی کر کے اُسے اپنی منافع و غرض کے مطابق توڑا مروڑا کرتے تھے۔ حضرت عمر نے عبداللہ ابن عباس سے دورانِ گفتگو میں ایک دفعہ فرمایا:-

"اے ابن عباس یہ تو درست ہے کہ جناب رسولِ خداؐ کا یہی ارادہ تھا کہ خلافت علی کو ملے لیکن جناب رسولِ خدا کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے جب خدا نے نہ چاہا۔ اور خدا کی مراد جاری ہو گئی۔ رسولِ خداؐ کی خواہش پوری نہ ہوئی۔ دیکھو۔ رسول خداؐ نے بہت چاہا کہ ان کا چچا ایمان لائے لیکن وہ ایمان نہ لایا۔ کیونکہ خدا نے نہ چاہا کہ وہ ایمان لائے۔ رسول خدا نے تو یہ بھی چاہا تھا کہ مرض موت میں خلافت کی وصیت علی کے نام کر دیں لیکن میں نے فتنہ و امر اسلام کی پراگندگی کے خوف سے

روک دیا۔ رسول اللہ بھی میرے دل کی بات سمجھ گئے اور رُک گئے۔ اور اللہ نے جو مقدر کیا تھا وہ ہی ہوا۔[۵۴]

دیکھیے یہ کتنا غلط مسئلہ تقدیر کا ہے جو اسلام میں محض جوازیت کارروائی سقیفہ بنی ساعدہ کے لیے اختراع کیا گیا ہے۔ اور بھی ایسے بہت مسائل ہیں جو اس غرض کے لیے اسلام میں داخل کیے گئے۔ مثلاً مسئلہ تقدیر جس کا ذکر اوپر ہوا۔ تجزیہ نبوت یعنی آں حضرتؐ کے احکام کی تقسیم کی گئی۔ وہ احکام جو دائرۂ نبوت کے اندر تھے وہ احکام جو دائرۂ نبوت سے باہر تھے۔ حضرت علیؑ کے تقرر کو دائرۂ نبوت سے باہر رکھنا مطلوب تھا تاکہ مسلمان رہتے ہوئے اُس حکم کی مخالفت کی جا سکے۔ امور مذہب میں قیاس کو دخل دینا۔ اور قیاس کو اپنی عقل کے تابع کرنا۔ امامت و خلافت کو لوگوں کی مرضی پر منحصر کرنا رسول خدا کے نظریہ حکومت کو بدل دینا۔ اغراض جہاد میں تغیر و تبدل۔ لوگوں کی نکتہ چینی سے بچنے کے لیے اُنھیں باہر لڑائیوں پر بھیجنا۔ یہ ابتدا تھی اُس ہوس توسیع مملکت کی جس کو آج کل امپیریلزم کہتے ہیں لوگوں کے درجات کو اُن کی دولت و ثروت کی بناء پر مقرر کرنا، امراء کو محض اُن کی دولت و ثروت کی وجہ سے مقرب سلطانی بنانا وغیرہ وغیرہ یہ ہیں وہ امور جن کو اسلام میں داخل کر کے اسلام کو بالکل مسخ کر دیا ہم نے اس مضمون پر مفصل بحث اپنی کتاب التفریق والتحریف فی الاسلام میں کی ہے۔ اس تغیر و تبدل کا نتیجہ وہ ہی ہوا جو ہونا تھا جس اسلام کو تمام ادیان پر غالب ہو کر رہنا اور تمام دنیا پر چھا جانا تھا وہ مغلوب ہو کر ایک گوشہ میں چلا گیا۔ اور اب خود اُس کے مقلدین سمجھنے لگے کہ اسلام زمانۂ حال کی ضرورتوں کے لیے ناکافی ہے۔ لہذا اسلام کو چھوڑ کر زمانۂ حال کے رہنماؤں کی تقلید کرنی چاہیئے۔ جب اپنے یہ سمجھنے لگے تو غیر تو جتنا بھی اسلام کو بے سود اور مضر سمجھیں سمجھ سکتے ہیں۔

لہذا ضرورت اس بات کی ہوئی کہ اصلی ائمہ اور رہنماؤں کا تعارف موجودہ مضطرب الحال دنیا سے کرایا جائے۔ اصلی اسلام کی اشاعت کی جائے اور لوگوں کو اُس کی طرف دعوت دی جائے۔ اس غرض کے لیے کوئی فلسفۂ اسلام کی کتاب

[۵۴] ابن ابی الحدید۔ شرح نہج البلاغۃ الجزء الثالث ص۱۱۴

اتنا کام نہیں کر سکتی جتنا خود ان ائمہ کے سوانح حیات پر غور و فکر کرنا اور اُن کے طرز عمل کی پیروی کرنی۔ اس غرض کے لیے ہم نے یہ سلسلہ جاری کیا ہے۔ خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے ارادے میں برکت دے اور ہم چہاردہ معصومینؑ کی سوانح حیات لکھ سکیں۔ ہم ہر ایک امام و معصومینؑ کی سوانح حیات میں مندرجۂ ذیل امور کے بیان کرنے کی کوشش کریں گے:۔

(۱) امام کے سوانح حیات۔

(۲) ناظرین کی توجہ اُس صحیح اسلامی تعلیم کی طرف دلانی جو امام کے اقوال و طرز عمل سے نمایاں ہوئی ہے۔

(۳) امام کے زمانے میں عام دنیا کی حالت۔

(۴) امام کے زمانے میں عالم اسلام کی حالت۔

(۵) دنیائے اسلام پر امام کی تعلیم کا اثر۔

جناب رسولِ خداؐ کی رحلت کے بعد ہی فوراً بلکہ اُسی دن سے اُمت نے اہل بیت رسولؐ سے کشمکش شروع کر دی۔ اور اُن سے انحراف کرنے کو اپنی حیات کا مقصد بنا لیا۔ اس سیاست اس کشمکش و ظلم کی آل رسولؐ میں سے پہلی شہیدہ ظلم جناب فاطمۃ الزہرا علیہا السلام ہیں لہذا ہم اس سلسلۂ مبارکہ کو اُن ہی کے سوانح حیات سے شروع کرتے ہیں۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْم

محمد سلطان مرزا
دہلوی

سنی سائڈ بلڈنگ
مکان نمبر ۱۰۔ آرٹلری میدان نمبر ۳
کراچی نمبر ۱

باب اوّل

تمہید

ایسی گہری مذہبی اور اخلاقی پستی میں گرے ہوئے ملک میں کہ جیسا اُس زمانہ میں عرب تھا۔ حضرت فاطمہ جیسی فخرِ مریم کا پیدا ہونا ایک معجزہ تھا جس کے ذریعہ سے خداوند تعالیٰ کو رسالت محمدیہ کی تصدیق کرانی تھی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جن کو رسالت محمدیہ کی تصدیق مطلوب ہے اور جو آں حضرتؐ کے دعویٰ کی صداقت کا ثبوت چاہتے ہیں اُنھیں چاہیئے کہ محمدؐ کے قرآن اور محمدؐ کے اہلبیتؑ کا غور کے ساتھ مطالعہ کریں تکمیل اسلام اس طرح کی جاتی ہے کہ ان میں سے ایک (قرآن) تو اسلام کے اصول بتاتا ہے اور دوسرا (اہلبیتِ محمدؐ) اُن اصولوں پر عمل کر کے اُن کو امت کے ذہن نشین کراتا ہے۔ اب دیکھو کہیں اصولوں میں کجی ہے؟ یا کہیں عمل میں کمی ہے اگر نہیں تو محمدؐ کو رسول اللہ ماننے میں اور کیا درکار ہے؟ عرب جیسی فصیح و بلیغ قوم کے سامنے جناب رسول خداؐ یہ دعویٰ پیش کرتے ہیں کہ یہ قرآن خداوند تعالیٰ کی طرف سے الہام کی ہوئی کتاب ہے۔ اگر تم کو شک ہے تو اس کی ایک ہی آیت جیسی تم آیت تو پیش کرو۔ تم کو اجازت ہے کہ دنیا کے تمام فصحاء و بلغاء کی مدد حاصل کرو۔ لیکن تم نہیں لاسکوگے۔ دعوت ذی العشیرہ کے اعلان کے وقت حضرت علیؑ کی کیا عمر تھی مشکل سے دس سال کے ہوں گے۔ خداوند تعالیٰ کی طرف سے جو علم غیب آپ کو عطا ہوا تھا اُس کی بناء پر آں حضرتؐ اعلان کرتے ہیں کہ یہ علی میرا وزیر و خلیفہ ہے۔ تم اس کی اطاعت کرو۔ ابھی تو جنگ بدر و اُحد و خیبر بہت دُور تھے۔ کس کو سوائے خدا کے معلوم تھا کہ علیؑ کیسے ہوں گے لیکن رسولؐ نے اعلان کردیا

کہ علیؑ میں میری رسالت میں شریک اور میرا وزیر و خلیفہ ہونے کی اہلیت ہے۔ اگر اس میں تم کچھ بھی نقص پاؤ تو سمجھ لینا کہ وہ نقص مجھ میں ہے اور میں اپنے دعویٰ میں سچا نہیں۔ حضرت فاطمہؑ ابھی صغیر سنی ہی کی حالت میں رسولؐ کے پاس آتی جاتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ فاطمہ میرا ہی ایک ٹکڑا ہے یہ اُن چار عورتوں میں سے ایک ہے اور اُن سب میں افضل ہے۔ جو تمام جنت کی عورتوں کی سردار و سیدہ ہوں گی۔ حسنؑ ابھی انگلی پکڑ کر چلتے تھے اور حسینؑ گود میں رہتے تھے کہ آپ فرماتے ہیں کہ یہ سردارانِ جوانانِ جنت ہیں یہ سب پیشین گوئیاں ہیں اور نہایت عظیم الشان پیشین گوئیاں ہیں۔ ان کے اوپر جناب رسول خداؐ نے اپنی رسالت کی صداقت کا امتحان قائم کردیا۔ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ یہ لوگ معیار میں پورے نہ اُترتے۔ اُن کے اعمال ان پیشین گوئیوں کی تکذیب کرتے۔ اُس وقت ہر ایک شخص حق بجانب ہوتا کہ آں حضرتؐ کی رسالت کی صداقت سے انکار کردے لیکن جناب رسولِ خداؐ نے اتنی بڑی جرأت صرف اُس علم غیب کی بناء پر کی جو آں حضرتؐ کو ان حضرات کے متعلق خداوند تعالیٰ کی طرف سے القا کیا گیا تھا۔ ورنہ کیا اولادِ رسولؐ گمراہ نہیں ہوسکتی۔ قابیل اور پسر نوحؑ کے قصے سب کو معلوم ہیں حضرت یعقوبؑ کے گیارہ لڑکوں نے وہ کیا جو کیا خدا بخش دے یہ بات دوسری ہے۔ اُن کے عمل پر تصدیقِ رسالت کا تو انحصار نہیں ہوسکتا تھا۔ اور پھر یہی نہیں کہ اہلبیتِ محمدؐ کی زندگیاں آرام و چین سے گزری ہوں۔ نمازیں پڑھ لیں۔ روزے رکھ لیے۔ بس احکام اسلام پورے ہوئے۔ ایسے شخص کی یہ اولاد تھے جو پیغمبر بھی تھا اور بادشاہ بھی۔ انھیں کس چیز کی کمی ہوتی۔ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ امت ان کو اپنے نبی کی اولاد سمجھ کر آنکھوں پر رکھتی۔ ان کی عزت کرتی اور ان کی ہر خواہش کو پورا کرتی لیکن نہیں ایسا نہیں ہوا۔ ان کو ابتلائے عظیم میں سے گزرنا پڑا۔ اور پھر بھی ثابت قدم رہے۔ ہر طرح سے اور ہر پہلو سے ابتلاء نے اُن پر حملہ کیا۔ لیکن کسی حالت میں لغزش نہیں ہوئی۔ اُن کی یہ استقامت صداقتِ رسالت محمدیہ کا بہترین ثبوت ہے جس سے خداوند تعالیٰ کی حجت اُس کے بندوں پر پوری ہوئی۔

انبیاء سلف کے حالات جاننے والے جانتے ہیں کہ اب تک ہر ایک

نبی یا رسول کو تو ابتلائے عظیم میں سے گزرنا پڑا۔ علیٰ قدر مراتب مصائب و آلام سے ہر ایک نبی کو تو پالا پڑا ہے۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ کسی نبی کی امت اُس کی ذریت کی دشمن ہوگئی ہو اور دشمن بھی ایسی کہ جیسی محمدؐ کی امت اُن کی ذریت کی دشمن ہوئی۔ کبھی چین سے بیٹھنے ہی نہ دیا۔ ہمیشہ قتل و غارت سے پیش آئے۔ ہر ایک نبی نے اپنا جانشین مقرر کیا۔ اور اُن کی امت نے اُس کو تسلیم کیا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اپنے رسول کا جانشین خود امت نے مقرر کیا ہو۔ اور رسول کے مقرر کردہ جانشین کو نظر انداز کر دیا ہو۔ اور پھر اُس کی آل کے جانی دشمن ہوگئے ہوں آل بڑی چیز ہوتی ہے۔ تابوت کی بھی کچھ حقیقت ہوتی ہے۔ دیکھو حضرت موسیٰؑ کے تابوت کی اُن کی امت نے کتنی قدر کی ہے۔ اور تابوت میں تھا بھی کیا حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارون کے تبرکات یعنی عصا، عمامہ، جوتا وغیرہ۔ اور خود تابوت معمولی لکڑی کا صندوق تھا جس میں حضرت موسیٰؑ کی ماں نے اُن کو بند کرکے دریا میں ڈال دیا تھا۔ اس بکس اور حضرت موسیٰؑ و ہارون کے جوتوں اور کپڑوں کی بنو اسرائیل نے کتنی عزت کی اور اس نسبت سے ان چیزوں میں بھی اتنی برکت ہوگئی تھی کہ بنو اسرائیل کو ہر مشکل کے وقت اُن سے فائدہ ہی پہنچتا تھا۔ اور خدا نے بھی ان چیزوں کی تعظیم کو ضروری سمجھا۔ قرآن شریف تک میں تابوت موسیٰؑ کا ذکر ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے گدھے کا نعل اور اُس کے بال متبرک سمجھ کر لوگ لے جاتے تھے خداوند تعالیٰ نے بھی جتا دیا تھا کہ جس سے ہمارے نبی کی نسبت ہو جائے گی۔ اُس کی عزت اُس کی امت پر واجب ہوگی۔ تابوت موسیٰؑ میں بنو اسرائیل کے لیے تسکین و نصرت رکھی گئی۔ ناقہ صالحؑ ایک جانور ہی تو تھا۔ چونکہ حضرت صالحؑ سے اُس کی نسبت ہوگئی تھی لہذا اُن کی امت پر اُس کا احترام واجب کر دیا گیا تھا۔ کعبہ کیا ہے جناب ابراہیمؑ کا بنایا ہوا عبادت خانہ۔ چونکہ ایک نبی نے اینٹیں رکھیں اور نبی زادے نے گارا دیا اس نسبت سے وہ بیت اللہ کہلایا۔ اور اُس کا طواف واجب ہوگیا۔ چونکہ چند افعال حضرت ابراہیمؑ سے سرزد ہوئے تھے جو خدا نے پسند کیے وہ ارکان حج مقرر کر دیے گئے۔ خدا کی شان دیکھو۔ اینٹ، پتھر اور جانور تو شعائر اللہ ہو جائیں اور تعظیم کے مستحق ہوں۔ چونکہ اُن کی نسبت کسی نہ کسی نبی سے ہے

اور اس نسبت کی وجہ سے خدا نے ان کو اپنی طرف منسوب کر لیا۔ لیکن افضل ترین نبی کی اولاد کو ان کی اُمت کی طرف سے کیا تحائف و ہدایا ملتے ہیں؟ غصب، قتل و غارت۔ شعائر الٰہی کی تعظیم تو سنت الٰہیہ تھی۔ امت محمدیہ نے اپنی سنت آلِ محمدؐ کو ستانا قرار دی۔ اسلام کی صحیح تاریخ ابھی تک بے تعلق منصف مزاج لوگوں کے ہاتھ سے نہیں لکھی گئی جو اکثریت کے پروپاگنڈہ سے مُوثر نہ ہوں۔ اگر کبھی ایسا ہوا اور یہ غیر اسلامی عالموں ہی سے ممکن ہے تو اس کا سب سے زیادہ تعجب انگیز واقعہ آل محمدؐ سے اُمتِ محمدؐ کا سلوک ہوگا۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ سلوک تاریخ اسلام پر ہمیشہ سے بدترین دھبا رہا ہے۔ دولت عباسیہ کے زمانے کا بہانہ تو یہ ہو سکتا ہے کہ علوئین نے حکومت کے خلاف جہاد کیا تھا۔ اگرچہ وہ بھی برابر کی جنگ نہ تھی بلکہ تنگ آمد بجنگ آمد کا مظاہرہ تھا، علوئین پر اتنے ظلم ہوتے تھے کہ انھوں نے موت کو حیات پر ترجیح دی۔ اور موت وہ اختیار کی جو بہادروں کی موت ہو سکتی تھی اور یہ بھی ایک قلیل زمانے کی بات ہے۔ بہرصورت ان کو جانے دو۔ حضرت علیؑ و حضرت فاطمہؑ و حضرت امام حسنؑ و حضرت امام حسینؑ اور بعد کے ائمہ نے کیا کیا تھا جو ان کو ظلم کا نشانہ بنایا گیا۔ ان مظالم سے اتنا تو ضرور ہوا کہ اصلی ہادیوں کی شناخت ہوگئی اور نقلی ہادی علیحدہ معلوم ہونے لگے۔

جناب فاطمہ کی صحیح معرفت اور ان کی اعلیٰ صفات و خصائل کا صحیح اندازہ اس وقت ہی ہو سکتا ہے کہ جب ہمارے پیش نظر اس زمانے کے عرب کی حالت ہو اور جناب فاطمہؑ کے ماحول کا صحیح اندازہ کر سکیں عرب اور عرب کے لوگوں کا مفصل نقشہ تو ہم سیرۃ نبوی لکھتے وقت کھینچیں گے لیکن یہاں اس کی ذرا سی جھلک دکھا دینی ضروری ہے تاریخ کی ابتدا سے بہت پہلے کا ذکر ہے کہ عرب کے لوگ تجارت و زراعت نہ ہونے کی وجہ سے دوسروں کے مال پر تاخت و تاراج کرکے اپنا گزارہ کرتے تھے۔ اس طرح لوٹ مار اور دوسروں کا مال زبردستی لے لینا ان کی جبلت میں داخل ہوگیا تھا۔ مال تو مال عورتیں بھی یہ اسی طرح دوسرے قبیلوں سے لوٹ مار کرکے لایا کرتے تھے کیونکہ اپنی لڑکیاں تو زندہ زمین میں دفن کر دیتے تھے جو لوگ اپنی پلتی بالتی اولاد کو اس طرح جنگل میں دفن کرکے چلے آئیں اور پھر خیال بھی نہ کریں کہ ہم نے کیا کیا ان سے نفاست جذبات و رفعت تخیلات کی اُمید رکھنا بے وقوفی میں

داخل ہے انسان کی پستی کی اس سے زیادہ اور کیا حد ہوسکتی ہے۔ زن و مرد کے تعلقات
ان کی اس بربریت کے مطابق تھے۔ کسی اور کی منکوحہ عورت سے عشق و محبت کرنا
عام ہی نہ تھا بلکہ اُس پر فخر کیا جاتا تھا اور اشعاروں کے ذریعہ سے قبائل در قبائل مشتہر
کیا جاتا تھا سبعہ معلقات کے پہلے قصیدے کے سولھویں اور سترھویں شعر اس کا
بیّن ثبوت ہیں یہ ایک نوجوان عرب کا سب سے بڑا قابل فخر کارنامہ ہوا کرتا تھا۔
ابھی یہ معاملہ یہیں نہیں ختم ہوتا بلکہ اُس منکوحہ معشوقہ کے ان تعلقات کو اُس کا خاوند
سنتا تھا اور اپنی بیوی کے ان کارناموں سے خوش ہوتا تھا۔ ان کے صنف نازک
کی نزاکت یہ تھی کہ لڑائی میں مارے ہوئے دشمنوں کے جگر و دل کو کچا چبا جاتی تھیں۔
اور ان کے ناک کان اور عضو تناسل کا ہار اپنے گلے میں لٹکاتی تھیں۔ اسی رسم
کے بموجب ہندہ زوجۂ ابوسفیان نے حضرت حمزہ کا جگر و دل کچا چبایا تھا۔ یہ
وہی محترمہ تھیں جن کے خاوند ابوسفیان کی موجودگی میں ان کی عشق بازی کا چرچا
عام تھا۔ اور حضرت عباس اپنی جاہلیت کے زمانے میں اُن کے خوش نصیب
عشاق میں سے ایک تھے بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ ایک ہی طہر میں ایک
عورت نے کئی مردوں سے مقاربت کی۔ حمل رہ گیا۔ لیکن یہ نہ معلوم ہوسکا کہ نطفہ
کس کا ہے۔ وضع حمل کے بعد قیافہ شناسوں کو بلایا جاتا تھا اور وہ اپنے علم
قیافہ شناسی کے بموجب اس کے باپ کو معلوم کرتے تھے۔ اس عورت سے اُس
طہر میں مقاربت کرنے والوں کی ایک لائن ان کے سامنے لگ جاتی تھی قیافہ شناس
کبھی بچے کو دیکھتے تھے کبھی ان خوش نصیب عشاق کی لائن پر نظر ڈالتے تھے۔
اُن میں سے جس کے خط و خال کے ساتھ بچے کا بُشرہ مل جاتا تھا اسی کے حوالہ
وہ بچہ کر دیا جاتا تھا۔ حضرت عمرو بن العاص بھی ایسے ہی قیافہ شناسی کے ذریعہ
سے عاص کے سر چپکے گئے تھے۔ ایسے ہی ایک نمونے زیاد ابن ابیہ بھی تھے
جن کے باپ نامعلوم تھے۔ لیکن امیر معاویہ نے غالباً خاندانی روایات کی بنا پر
اُنھیں اپنے مردہ باپ ابوسفیان کی طرف منسوب کر دیا تھا۔ گواہان بھی پیش ہوئے
تھے جنھوں نے ابوسفیان اور والدہ زیاد کی مقاربت کی چشم دید شہادت دی تھی۔
معلوم ہوا کہ یہ فعل اُس زمانے میں ایسا معزز اور قابل فخر سمجھا جاتا تھا کہ

دو چار آدمیوں کو سامنے بٹھا کر کیا کرتے تھے ایسے ملک میں اور ایسے لوگوں میں
محمد و آل محمد کا ظہور اگر معجزہ نہیں تو اور کیا تھا۔ ان بزرگواروں کی ہستیوں پر،
ان کے کردار اور افعال پر اور ان کی ابتدائی زندگی سے آخر ایام حیات دنیا تک
کے سوانح حیات و واقعات پر نظر غائر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ
نبوت محمدیہ کے ایسے ہی تصدیق کرنے والے تھے کہ جیسا قرآن شریف تھا۔ یہ
دونوں برابر کے معجزے جناب رسالت مآب کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے عطا
ہوئے تھے۔ دونوں حجتِ الٰہیہ تھے اُس کے بندوں پر۔ یہی وجہ ہے کہ
ائمہ علیہم السلام میں سے ہر ایک کو حجۃ اللہ کہتے ہیں۔ جب ہی تو جناب رسول خدا
نے فرمایا کہ علی کے چہرے پر نظر ڈالنا عبادت ہے یہ نظر غور و فکر اور محبت والی
ہونی چاہیئے۔ ورنہ یوں تو آپ کے چہرے پر ابن ملجم نے بھی نظر کی اور آپ کے
دشمنوں نے بھی آپ کو دیکھا۔

اہلبیتِ رسالتؐ میں سے سب سے پہلی شہیدۂ ظلم جو اس امتحان صبر و
رضا میں سے گزر کر بارگاہِ الٰہی میں اُمت کے جور و ستم کی شکایت کرنے پہنچی
وہ جناب فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا ہیں ہم ان نفوس قدسیہ کے سوانح حیات
کے سلسلہ کو اسی پارۂ جگر رسولؐ کے واقعات سے شروع کرتے ہیں۔ اور تاریخی
شواہد و براہین سے ثابت کرتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک بزرگ، مرد ہو کہ
عورت، اپنی زندگی کا مقصد خدا کی اطاعت اور اس کے دین کی خدمت سمجھتے
تھے۔ خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے اِس حیاتِ مستعار میں اتنی مہلت دے
اور میرے قلم میں اتنی طاقت و روانی دے کہ ان چہاردہ ارکان اُمت اسلامیہ کے
سوانح حیات اور تعلیم کو باحسن اسلوب بیان کرسکوں۔ آمین۔
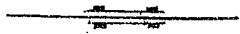
باب دوم

والدین

اب بیسویں صدی کے وسط میں جو سائنس کی ترقی کا نصف النہار ہے۔ اس بحث کو طوالت دینے کی ضرورت نہیں کہ والدین سے وراثت میں شرافت، نجابت، کردار اور اُن کے خصائل وصفات بھی اسی طرح ملتے ہیں جس طرح کہ مال و دولت یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہر حصہ میں کسی شخص کے خصائل و کردار معلوم کرنے کے لیے اس کے والدین کی نجابت و شرافت و کردار کو بہت اہمیت دی جاتی رہی ہے انسان تو انسان جانوروں کے لیے بھی یہی قاعدہ تھا۔ وجہ یہ ہے کہ قانونِ حیاتِ اجسام ہر ایک جاندار کی صورت میں ایک ہی طرح عمل کرتا ہے۔ جاندار تو جاندار بے جانوں کی بھی یہی صورت ہے۔ کبھی یہ نہیں دیکھا گیا کہ میٹھے آم کی گٹھلی سے کھٹے آم پیدا ہوں۔ یا میٹھے بادام میں کڑوے بادام لگیں۔

جناب فاطمہ کے والد بزرگوار جناب محمد مصطفےٰ ابن عبد اللہ ابن شیبۃ الحمد (عبد المطلب) ابن عمرو (ہاشم) بن مغیرہ (عبد مناف) بن زید (قصیٰ) ابن حکیم (کلاب) بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن قیس (النضر) بن کنانہ بن خزیمہ بن عامر (مدرکہ) ابن الیاس بن عمرو (مضر) بن نزار بن معد بن عدنان ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصیٰ ہیں۔ جناب رسول خداؐ سے چوتھی پشت میں ملتی ہیں۔ ماں کی طرف سے حضرت خدیجہ کا شجرۂ نسب یہ ہے۔ خدیجہ بنت فاطمہ بنت زائدہ بن الاصلم بن ہرم بن رواحہ بن حجر بن عبد بن معیص بن عامر۔ ماں کی طرف سے بھی حضرت خدیجہ کی نجابت مسلم ہے۔

حضرت خدیجہ کے والد خویلد قریش کے معزز رئیس تھے۔ بہت صاحب ثروت تھے۔ حضرت خدیجہ کی ولادت ۵۵۵ء میں ہوئی۔ بچپن ہی سے

عفت و بزرگی کے آثار ناصیہ سے ہویدا تھے۔ اس زمانۂ تاریکی میں بھی حضرت خدیجہ کو طاہرہ کا لقب دیا گیا تھا۔ اور بلحاظ سیادت و شرافت ان کو قریش سیدۃ النساء کہتے تھے۔ چونکہ ان کے والد خویلد ضعیف ہو گئے تھے۔ حضرت خدیجہ اپنے والد کے کاروبارِ تجارت کی منصرم تھیں۔ اور اسی سلسلہ میں جناب رسالت مآبؐ کی صفات وخصائل سے واقفیت ہوئی۔ لوگ کہتے ہیں کہ جناب محمد مصطفےٰؐ کی راست گوئی، دیانتداری، خوش معاملگی اور حسن انتظام سے متاثر ہو کر حضرت خدیجہ نے پیغام نکاح بھیجا۔ ممکن ہے کہ ایسا ہو۔ لیکن یہ بھی ضرور ہے اور موجودہ سائنس کی تحقیقات کا نتیجہ بھی یہی ہے کہ ہر ایک انسان کے اردگرد اس کا ایک مقناطیسی حلقۂ جذب و اثر ہوتا ہے اور یہ شخصی مقناطیس اثر پذیر ہوتا ہے اس شخص کی عادات، کردار، صفات اور خصائل سے یہ ظاہر ہے کہ ہم جنس کو ہم جنس سے اُنسیت ہوتی ہے۔ صدیوں کے تجربے کا نچوڑ ہے کہ کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔ یعنی ایک سی ہی عادت وخصائل کے لوگ آپس میں مل کر رہتے ہیں۔ اگر دو شخص ہیں جن کا مقناطیسی حلقۂ اثر ایک ہی رنگ یا تقریباً ایک ہی رنگ کا ہے وہ ایک دوسرے سے فوراً مل جائیں گے اور آپس میں محبت کرنے لگیں گے۔ ایک کا مقناطیسی حلقۂ اثر دوسرے کو اپنی طرف کھینچے گا۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ یہ جاذبیت پیدا ہوتی ہے ہم رنگی خصائل کی وجہ سے اگر ایک شخص ظالمانہ و بے رحمانہ عادتیں رکھتا ہے تو نہ تو اس کا رجحان رحمدل شخص کی طرف ہوگا۔ اور نہ رحمدل آدمی اس کی طرف رُخ کرے گا۔ مکار و فریبی ہمیشہ اپنے جیسے صاحب مکر و فریب سے انسیت کرے گا۔ مذہبی اور ملکی لیڈروں اور رہنماؤں کی تقلید بھی اسی اصول پر ہوتی ہے۔ اگر ایک شخص چالاک، عیار، اپنے مطلب حاصل کرنے میں ہوشیار اور اپنی اغراض کے آگے دین کو فراموش کرنے والا ہے تو وہ تمام لوگ جو یہ خاصیتیں رکھتے ہیں یا ان خاصیتوں کو اچھا سمجھتے ہیں وہ اس کی طرف جھکیں گے۔ اس کو اچھا سمجھیں گے صاحب سیاست و عقل کہہ کر اس کی تعریف کریں گے۔ برخلاف اس کے وہ لوگ جو حق کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ اپنی ذاتی اغراض پر حق و انصاف کو

ترجیح دیتے ہیں، خدا سے ڈرتے رہتے ہیں۔ کوشش کرتے ہیں کہ وہ کسی پر ظلم نہ کریں یہ لوگ اُن رہنماؤں کو اچھا نہ سمجھیں گے۔ اور ان کی طرف نہیں مائل ہوں گے۔ یہی اصول تاریخ عالم کے بڑے بڑے سیاسی و مذہبی رہنماؤں پر حاوی ہے جو صدیوں پہلے گزر چکے ہیں۔ اس زمانے میں ان گزرے ہوئے رہنماؤں کی تعریف کرنے والے اور ان کو اچھا سمجھنے والے وہی لوگ ہیں جو اُن جیسی خصائل رکھتے ہیں اور اُن خصائل کو پسند کرتے ہیں غرضکہ جناب خدیجہ اور محمد مصطفےٰؐ کی ہم رنگیٔ خصائل نے یہ مقناطیسی انسیت پیدا کر دی جس نے جناب خدیجہ کو آں حضرتؐ سے نکاح کرنے پر مائل کیا اور آں حضرتؐ نے بھی قبول فرمایا۔ یہ ہم رنگیٔ خصائل و صفات ہی تھی کہ آں حضرتؐ ابھی اپنی پہلی وحی کے حالات بیان کر رہے تھے کہ جناب خدیجہ نے کہہ دیا کہ مبارک ہو اور ایمان لے آئیں۔ اسی ہم رنگیٔ خصائل کا نتیجہ تھا کہ ساری ازدواجی زندگی آں حضرتؐ کے ساتھ نہایت محبت و الفت سے گزری۔ اور کبھی ایک دفعہ بھی کوئی ناگوار واقعہ نہ پیش آیا۔ اور یہ غیر جنسیت اور غیر طرحی خصائل ہی تھی کہ جس کی وجہ سے بعض ازواج سے آں حضرتؐ کی زندگی خوشگوار نہ گزری یہاں تک کہ قرآنی تنبیہ کی ضرورت ہوئی۔

نکاح کے وقت آں حضرتؐ کی عمر ۲۵ سال کی اور حضرت خدیجہ کی چالیسؔ سال کی تھی حضرت خدیجہ کے دوران حیات میں آں حضرتؐ نے دوسری شادی نہیں کی۔ آں حضرتؐ کو جناب خدیجہ کی موت سے نہایت رنج ہوا۔ آں حضرتؐ جناب خدیجہ کا ذکر نہایت محبت کے ساتھ کرتے تھے اور جب اُن کا خیال آتا تھا رونے لگتے تھے۔ حضرت خدیجہ کی کئی اولیات ہیں:۔

(۱) آپ رسولِ خداؐ کی سب سے پہلی بیوی ہیں۔

(۲) حلقۂ اسلام میں سب سے پہلے داخل ہوئیں۔

(۳) سب سے پہلے جناب رسول خداؐ نے اپنی بعثت کا تذکرہ خدیجہ سے کیا۔

(۴) سب سے پہلے حضرت خدیجہ نے جناب رسولِ خداؐ کی تصدیق کی۔

(۵) سب سے پہلی نماز خدیجہ نے جناب رسول خداؐ کے ساتھ پڑھی۔

(۶) حضرت علیؑ کی پرورش کرنے کا اعزاز ان کو حاصل ہوا۔

(۷) دنیا کی چار بہترین عورتوں میں سے ایک ہیں۔ اور ان کی صاحبزادی دوسری عورت ہیں۔

(۸) جدۂ ائمہ ہیں۔

حافظ ابن عبد البر الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں حضرت خدیجہ کے ذکر میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبد اللہ ابن عباس، انس بن مالک، حضرت علیؑ و دیگر صحابہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ فرمایا کرتے تھے کہ تمام دنیا کی عورتوں میں چار عورتیں بہترین اور افضل ترین ہیں یعنی خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمدؐ، مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم زوجۂ فرعون۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے کسی عورت پر اتنا رشک و حسد نہیں کیا جتنا خدیجہ پر۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جناب رسولِ خداؐ ان کا ذکر خیر اکثر کرتے رہتے تھے اور ہمیشہ اُن کو یاد کیا کرتے تھے۔ جب کبھی گھر سے باہر جاتے تھے تو پہلے خدیجہ کو یاد کر لیا کرتے تھے، اور تعریف کرتے تھے۔ ایک دفعہ مجھے بہت حمیت آئی۔ میں نے کہا کہ خدیجہ کیا تھی۔ ایک بڑھیا ہی تو تھی۔ خداوند تعالیٰ نے اس کے بدلہ آپ کو بہتر زوجہ دی۔ وہ بیوہ تھی۔ خدا نے آپ کو خوبصورت باکرہ عورت دی۔ اس پر آں حضرتؐ کو بہت غصہ آیا۔ اس قدر کہ غصہ سے آپ کے سر کے بال کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ نہیں قسم بخدا اس سے بہتر زوجہ مجھے نہیں ملی۔ وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائی کہ جب کوئی بھی ایمان نہ لایا تھا۔ اس نے میرے دعویٰ کی اس وقت تصدیق کی جب اور لوگ تکذیب کر رہے تھے۔ اس نے اپنے مال میں مجھے شریک کیا کہ جب سب لوگوں نے مجھے محروم کر دیا تھا۔ خدا نے مجھے اس سے اولاد دی درآنحالیکہ کسی اور میری زوجہ سے اولاد نہیں ہوئی۔ ختم ہوئی روایت۔ جناب خدیجہ بعثت کے ساتؔ سال بعد اور ہجرت سے پانچ سال قبل فوت ہوئیں [۵۵]

[۵۵] الاستیعاب الجزء الثانی ص۷۳۸ لغایت ص۷۴۴ ذکر خدیجہ بنت خویلد مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن مستدرک علی الصحیحین للحاکم الجزء الثالث ص۱۸۵، ص۱۸۶

باب سوم

برادران و خواہران

جناب خدیجہ کے بطن سے جناب رسول خدا کے دو فرزندان تھے، قاسم و عبداللہ۔ قاسم سب سے بڑے تھے۔ چلنے پھرنے لگے تھے کہ مکہ ہی میں انتقال ہوگیا۔ ان کی وجہ سے جناب رسول خداؐ کی کنیت ابو القاسم ہوئی۔ عبداللہ جن کا لقب طیب و طاہر تھا مکہ میں ظہور اسلام کے بعد پیدا ہوئے اور مکہ ہی میں انتقال ہوگیا۔ جناب رسول خداؐ کی نسل صرف جناب فاطمہؑ سے چلی۔ جناب فاطمہؑ کے علاوہ آں حضرتؐ کی اولاد میں سے کوئی اور آں حضرتؐ کی وفات کے وقت زندہ نہ تھا۔ آں حضرتؐ فرمایا کرتے تھے کہ میری نسل صلب علی ابن ابی طالب میں ودیعت کی گئی ہے۔ جناب فاطمہؑ کی حقیقی بہنوں میں اختلاف ہے۔ بعض کے خیال کے مطابق حضرت زینب، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم آں حضرتؐ کی صلبی لڑکیاں نہ تھیں لیکن مسلمانوں کی اکثریت اس طرف گئی کہ یہ تینوں مخدرات عصمت بھی آں حضرتؐ کی صلبی لڑکیاں تھیں۔ ہمارے خیال میں اس بحث کو طوالت دینے کی ضرورت نہیں یہ امر مسلّم ہے کہ یہ تینوں مخدرات عصمت کافر خاوندوں سے بیاہی گئی تھیں۔ رقیہ اور ام کلثوم۔ ابولہب جیسے دشمن خدا و رسولؐ کے بیٹوں سے بیاہی گئی تھیں انھوں نے بعد نزول سورۃ ابی لہب ان دونوں کو طلاق دے دیا۔ حضرت زینب اپنی عمر کے آخر حصہ تک کافر خاوند کے تحت میں رہیں۔ لہذا ان مخدرات عصمت اور جناب فاطمہؑ کی فضیلت میں زمین و آسمان کا فرق ہوا۔ حضرت فاطمہؑ کے متعلق آں حضرتؐ فرمایا کرتے تھے کہ اگر علی نہ ہوتے تو فاطمہؑ کا کوئی کفو ہی نہ ہوتا۔ ہمارے خیال میں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم کے مسلمان خاوند کو ذوالنورین کہنا مناسب نہیں۔ اگر ان کی وجہ سے ان کا خاوند ذوالنورین ہوا تو ان میں سے ہر ایک کا کافر خاوند ذوالنور تو ضرور ہوا۔ کیونکہ

نور تو ویسا کا ویسا ہی رہا۔ کافر خاوند ہونے کی وجہ سے عورت کے نور ہونے میں تو فرق نہ پڑا۔

چند امور ان لوگوں کے غور کے لیے پیش کرتا ہوں۔ جو کہتے ہیں کہ حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت زینب آں حضرتؐ کی صلبی لڑکیاں تھیں۔

(۱) حضرت خدیجہ اور آں حضرتؐ کی اولاد کی ترتیب پیدائش یہ بیان کی جاتی ہے:-

قاسم، پھر زینب، پھر عبداللہ، پھر ام کلثوم، پھر فاطمہ اور پھر رقیہ[۶]

(۲) آں حضرتؐ کی عمر تیس ۳۰ سال کی تھی جب حضرت زینب پیدا ہوئیں حضرت زینب کا نکاح کافر خاوند سے قبل بعثت ہوا۔[۸]

(۳) بعثت کے وقت آں حضرتؐ کی عمر چالیس ۴۰ سال کی تھی[۸]

(۴) گویا نکاح کے وقت حضرت زینب کی عمر دس ۱۰ سال سے کم تھی۔

(۵) آں حضرتؐ کی عمر تینتیس ۳۳ سال کی تھی جب حضرت رقیہ پیدا ہوئیں[۹]

(۶) حضرت رقیہ کا نکاح عتبہ ابن ابی لہب سے بعثت سے پہلے ہوا۔ بعثت پر تو اس نے ان کو طلاق ہی دے دی[۹]

(۷) نکاح کے وقت حضرت رقیہ سات ۷ سال سے کم عمر کی تھیں۔

(۸) اس عجلت کے ساتھ اتنی کم عمر میں کافر خاوندوں سے اپنی صلبی لڑکیوں کو بیاہ دینا جناب پیغمبر خدا سے خلاف قیاس معلوم ہوتا ہے جب تک اس کی حسب دلخواہ توجیہ نہ ہو جاوے ان لڑکیوں کا آں حضرتؐ کی صلبی اولاد ہونا قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔

---

۶ الاستیعاب الجزء الثانی ص۷۳۵، ص۷۳۹، ۷ الاستیعاب الجزء الثانی ص۷۵۳، ۸ سیرۃ النبی شبلی
۹ الاستیعاب الجزء الثانی ص۷۴۷

باب چہارم

از پیدائش تا ہجرت

۶۱۲ء یا ۶۱۵ء لغایت جون ۶۲۲ء

ولادت حضرت فاطمۃ الزہراؑ کی ولادت یوم جمعہ ۲۰ جمادی الآخر بعد بعثت ۵ سال اور ہجرت سے ۸ سال ۸ مہینے اور ۲۲ دن قبل ہے۔ یہ ہے مطابق ۶۱۵ء۔ یہ تاریخ پیدائش جناب امام محمد باقرؑ سے مروی ہے۔ اور یہ ہی قول ہمارے اصحاب میں معتبر ہے۔ حاکم نے مستدرک میں اور ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں لکھا ہے کہ جناب فاطمہ بعثت سے ایک سال بعد پیدا ہوئیں جب حضرتؐ کی عمر ۴۱ سال کی تھی۔ یہ ہی قول ابن حجر کا الاصابہ میں ہے بعض علماء اہل سنت کا قول ہے کہ جناب معصومہ بعثت سے ۵ سال قبل پیدا ہوئیں۔ یہ قطعاً غلط ہے۔ اور اس غلطی کی وجہ وہ روایت ہے کہ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت فاطمۂ بعثت سے ۵ سال بعد اس سال پیدا ہوئیں کہ جب قریش تعمیر کعبہ میں مشغول تھے۔ تعمیر کعبہ بعثت سے ۵ سال قبل ہوئی تھی۔ روایت کا پہلا حصہ نظر انداز ہو گیا یا لفظ "بعد" کو سہو سمجھا گیا اور روایت کے دوسرے حصہ کی بناء پر یہ مشہور ہو گیا کہ جناب معصومہ کی پیدائش بعثت سے ۵ سال قبل ہوئی۔

کنیت و القاب آپ کی کنیت ام الحسنؑ، ام الحسینؑ، ام الائمہ، ام السبطین اور ام ابیہا ہیں۔ غالباً اس آخری کنیت کے معنی عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں۔ یہاں 'ام' کے معنی مقصد کے ہیں۔ گویا اس کنیت کے معنی ہوئے "اپنے باپ کی امید" واقعی تبلیغ حق و انعقاد نسل وغیرہ امور میں آپ اپنے والد ماجد کی مطلوب امید تھیں۔

آپ کے القاب یہ ہیں:- البتول، الحصان، الحرہ، السیدہ، العذراء

الطاہرہ، زہرا، الزکیہ، المرضیہ وغیرہ وغیرہ۔ آپ کو بتول اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آپ کا کوئی نظیر حسن و جمال و صفات میں نہ تھا۔ اور آپ معمولی مستورات کے عوارض مثلاً حیض و نفاس سے مبرا تھیں۔

جناب فاطمہؑ کے مصائب و آلام قضائے الٰہی صادر ہو چکی تھی کہ جناب فاطمہؑ کا درجۂ فضیلت بہت اعلیٰ رکھا جاوے۔ لہذا اس سنت الٰہیہ کے مطابق جس نے درجۂ فضیلت اور درجۂ ابتلاء میں تناسب مستقل قائم کر دیا ہے۔ آپ کا درجۂ ابتلا بھی بہت سخت تھا۔ جب ہوش سنبھالا تو دیکھا کہ ساری قوم باپ کی دشمن ہے اور ان کے قتل کی درپے ہے۔ روز کی فضیحت و تذلیل سے تمام گھر پر رنج و غم کے بادل چھائے رہتے تھے۔ جب مدینہ آئے تو وہاں کی زندگی میں اس طرف سے تو اطمینان تھا لیکن اس عسرت کی زندگی میں خانہ داری اور بچوں کو پالنا بذات خود ایک ابتلا تھا۔ بہرصورت پھر بھی یہ زمانہ سکون و اطمینان کا تھا۔ والد ماجد زندہ تھے۔ لوگ عزت کرتے تھے۔ اور وحی الٰہی سے عسرت کی سختی خوشی میں مبدل ہو جاتی تھی لیکن آں حضرتؐ کی رحلت کے بعد تو یکایک مصائب کے پہاڑ آن پڑے۔ آپ نے صبر عظیم کیا لیکن پھر بھی مجبوراً کہنا پڑا کہ ؎

صبت علیّ مصائب لو انہا!!

صبت علی الایام صرن لیالیا!!

یعنی میرے اوپر ایسے مصائب کے پہاڑ آن پڑے ہیں کہ اگر یہ دنوں پر پڑتے تو وہ تاریکی میں مبدل ہو جاتے۔

مصائب و آلام کا مستقل سلسلہ رحلت رسولؐ سے شروع ہوتا ہے۔ ایک تو ایسے عزیز باپ کی موت ہی کافی رنج دہ تھی۔ پھر امت نے جس طرح اپنے پیغمبر کی پیاری اکلوتی لڑکی کو اُس کے باپ کا پرسا دیا وہ اس امت کے دامن پر ایک دائمی دھبہ ہے جس کو نہ تو منطق کی بھول بھلیاں اور نہ جمہوریت کی طفل تسلیاں مٹا سکتی ہیں۔ اس بے اعتنائی اور احسان فراموشی کا کچھ ٹھکانا ہے۔ اُن کے باپ کے جسد اطہر کو بے غسل و کفن چھوڑ کر اُن کے شوہر کے حقوق پر یلغار

کرنے کے لیے مدینہ کے اس دُور و دراز مقام پر چلے گئے جہاں رات کی تاریکی میں بیٹھ کر چور اور ڈاکو خلقِ خدا کو لوٹنے کے لیے منصوبے باندھا کرتے تھے سقیفہ بنی ساعدہ کے ظلم آمیز، ظلم انگیز، ظلم پرور فیصلہ کے خلاف جو احتجاجی خطبہ جناب فاطمہؑ نے دیا ہے وہ عربی علم ادب کا بہترین نمونہ، دل کے اندر بیٹھے ہوئے غم کا واضح ترین نقشہ اور امت کے فاسقانہ، ظالمانہ اور ظلمت و گمراہی کی تاریکیوں میں لیے ہوئے مستقبل کی پیشین گوئیوں کا خزینہ وہ آپ کے اوپر لکھے ہوئے شعر کی پوری تشریح ہے۔ آپ کے مصائب کا مفصل ذکر انشاء اللہ آیندہ آئے گا۔

حضرت علیؑ کی وزارت اور جناب ابوطالب کی حمایتِ رسولؐ

سنہ ۶۱۰ء میں جناب رسول خداؐ مبعوث برسالت ہوئے۔ تین سال تک تبلیغ اسلام مخفی کرتے رہے۔ پھر حسب منشاء آیت وانذر عشیرتک الاقربین علانیہ تبلیغ کی اجازت ملی تو حکم ہوا کہ پہلے وہ نزدیکی رشتہ داروں سے شروع کی جائے۔ یہ بھی قرابت رسولؐ کی عظمت تھی کہ سب سے پہلے علانیہ دعوتِ اسلام ان کو دی جائے جس طرح کہ مخفی دعوت اسلام بھی پہلے اقربین اولیٰ حضرت خدیجہ و حضرت علیؑ ہی سے شروع ہوئی تھی۔ اس حکم کے ملتے ہی آں حضرتؐ نے اس کی تعمیل کی تیاری اپنے وزیر و خلیفہ حضرت علیؑ سے کرائی۔ انھوں نے دعوت کا سامان کیا۔ بنی عبدالمطلب کو بلایا۔ پہلے روز تو ابولہب نے بولنے میں سبقت کی اور مجمع کو منتشر کر دیا۔ دوسرے روز پھر یہی حکم حضرت علیؑ کو ملا۔ اسی طرح تعمیل ہوئی۔ لوگ جمع ہوئے۔ دعوت کا انتظام ہوا۔ ضیافت کھائی۔ پھر آں حضرتؐ نے اپنے مشن کا ذکر کیا۔ اور پھر فرمایا کہ کون ہے تم میں سے جو اس امر رسالت میں میرا وزیر، خلیفہ و وصی ہووے۔ وہ تمام لوگ خاموش رہے۔ لیکن حضرت علیؑ نے جو سب میں چھوٹے تھے کہا کہ اے نبی اللہ میں آپ کا وزیر و خلیفہ بننے اور آپ کے بوجھ بٹانے کے لیے تیار ہوں پس آں حضرتؐ نے علیؑ کی گردن کو ہاتھ سے پکڑ کر کہا کہ اے لوگو! یہ میرا بھائی، میرا وزیر، میرا خلیفہ، میرا وصی ہے۔ پس تم اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو [۵۱]

---

۵۱ محمد بن جریر الطبری:۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الثانی صفحہ ۲۱۷ ابن الاثیر۔ تاریخ الکامل، الجزء الثانی صفحہ ۲۲

تاریخ اسلام کا یہ بہت بڑا واقعہ تھا۔ پہلی دفعہ علانیہ دعوت الی الحق کا اعلان ہوا۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ اس رسول کے کام کو آخر تک کون انجام دے گا۔ خاندان بنو ہاشم کے لیے کہ جن میں خداوند تعالیٰ نے رسالت و امامت کو ودیعت فرمایا یہ نہایت فخر و مباہات کا دن تھا جس کو انھوں نے خاندانی روایات کی طرح محفوظ رکھا اور اپنے بچوں کو سنایا۔ اس واقعہ نے جناب فاطمہؑ کے دل پر بہت گہرا اثر کیا۔ اور جبکہ اپنے ماں باپ کے خلاف ہر ایک طرف سے عناد و دشمنی کی آوازیں سن رہی تھیں حضرت علیؑ کی یہ ہمت و جرات سے بھری ہوئی محبت و امداد کی صدا نے حضرت فاطمہؑ کے دل میں حضرت علیؑ کی ہیبت و عزت بڑھا دی۔ حضرت علیؑ کے والد حضرت ابوطالب نے جس جانفشانی اور جرات سے آں حضرتؐ کی حفاظت کی اس کے دشمن بھی قائل ہیں۔ مولوی شبلی نعمانی لکھتے ہیں

"ابوطالب نے آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے جو جاں نثاریاں کیں اس سے کون انکار کر سکتا ہے؟ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پر نثار کرتے تھے۔ آپ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنا لیا۔ آپ کی خاطر محصور ہوئے۔ فاقے اٹھائے۔ شہر سے نکالے گئے۔ تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت، یہ جوش، یہ جاں نثاریاں سب ضائع جائیں گی" [۵۲]

آگے چل کر مولوی شبلی لکھتے ہیں:۔

"ابوطالب کی وفات کے چند ہی روز بعد حضرت خدیجہ نے بھی وفات کی بعض روایتوں میں ہے کہ انھوں نے ابوطالب سے پہلے انتقال کیا۔ اب آپ کے مددگار اور غمگسار دونوں اٹھ گئے صحابہ خود اپنی حالت میں مبتلا تھے یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶) ابن کثیر شامی:۔ البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ الجزء الثالث صفحہ ۴۰ ابن تیمیہ منہاج السنۃ الجزء الرابع صفحہ ۸۰ ابوالفداء۔ الجزء الاول صفحہ ۱۱۶۔ اردو ترجمہ ازالۃ الخفاء حصہ سوم صفحہ ۲۷۰

Gibbon Decline and Fall. vol II P. 499

Gilman:- History of saracens P. 83

۵۲ مولوی شبلی۔ سیرۃ النبی حصہ اول

اور خود آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سال کو عام الحزن (سال غم) فرمایا کرتے تھے"۔[۱۲]

حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ نے سنہ ۱۰ نبوی میں انتقال کیا مولوی شبلی کہتے ہیں:-

"ابوطالب اور خدیجہ کے اُٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا۔ اب وہ نہایت بے رحمی و بے باکی سے آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ستاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ راہ میں جا رہے تھے۔ ایک شقی نے آ کر فرق مبارک پر خاک ڈال دی۔ اسی حالت میں آپ گھر میں تشریف لائے آپ کی صاحبزادی نے دیکھا تو پانی لے کر آئیں آپ کا سر دھوتی جاتی تھیں اور جوش محبت سے روتی جاتی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ جانِ پدر رو نہیں۔ خدا تیرے باپ کو بچا لے گا"[۱۳]

وہ صاحبزادی یہی حضرت فاطمہ تھیں۔ حضرت ابوطالب کی خدمات اسلامیہ کے سلسلہ میں شعب ابوطالب کا ذکر ناگزیر ہے۔ جب قریش نے دیکھا کہ اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے اور ابوطالب پیغمبر اسلام کی حفاظت سے باز نہیں آتے تو انھوں نے آپس میں معاہدہ کیا کہ جناب رسول خدا اور آپ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے۔ آپس میں شرط کی کہ کوئی بنو ہاشم سے نہ قرابت کرے نہ اُن سے خرید و فروخت کرے۔ نہ اُن سے ملے۔ اور نہ اُن کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے۔ جب تک وہ محمد (صلعم) کو قتل کے لیے ہمارے حوالہ نہ کر دیں چنانچہ مجبور ہو کر حضرت ابوطالب ان سب کو اپنے شعب میں لے گئے اور وہاں پناہ گزین ہوئے۔ یہ واقعہ محرم سنہ ۷ نبوی میں واقع ہوا۔ تین سال تک بنو ہاشم نے اس محصوری و قید کی حالت میں بسر کی۔ جناب فاطمہ اور اُن کی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہ بھی اُن سب کے ساتھ تھیں۔ بسا اوقات بنو ہاشم کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا اور وہ درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ اس شعب میں

[۱۲] مولوی شبلی: سیرۃ النبی حصہ اول مجلد اول ص۱۸۲ [۱۳] مولوی شبلی: سیرۃ النبی حصہ اول مجلد اول ص۱۸۲

صرف بنو ہاشم تھے لیکن ابوجہل و ابولہب اور ان کی اولاد اس میں نہیں تھے وہ قریش کے ساتھ تھے۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر بھی باہر ہی آزاد تھے۔ وہ بھی آں حضرتؐ کی کچھ مدد نہ کر سکے اور نہ غلہ وغیرہ پہنچا سکے۔ ہاں کبھی حضرت خدیجہ کے رشتہ دار یا دیگر رحمدل قریش میں سے کوئی ذرا سا غلہ چوری چھپے پہنچا دیتا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد جو حضرت خدیجہ کا بھتیجا تھا اپنے غلام کے ساتھ گیہوں کا بار شعب ابوطالب میں بنو ہاشم کے لیے لے چلا۔ راستہ میں ابوجہل مل گیا۔ اس نے روکا اور کہا کہ بخدا تم یہ غلہ بنو ہاشم کے پاس نہیں لے جا سکتے اور اگر آگے بڑھے تو میں تم کو تمام قریش میں رسوا کروں گا۔ اتنے میں ابوالبختری بن ہشام بن الحارث وہاں آ گیا۔ ابوجہل نے اس سے شکایت کی۔ لیکن ابوالبختری نے حکیم بن حزام کی حمایت کی۔ آپس میں سخت کلامی ہوئی۔ ابوالبختری نے ابوجہل کے سر پر ڈنڈا مارا۔ اور وہ خوراک آں حضرتؐ کے پاس پہنچ گئی۔ یہ محاصرہ سنہ ۶۱۶ء سے ۶۱۹ء تک تین سال رہا۔ اس محاصرہ شعب ابوطالب کے مندرجۂ بالا واقعات کے لیے دیکھو[۱۴]

جناب فاطمۃ الزہراؑ کے اس زمانے کے حالات میں جناب ابوطالب کی اُن کارگزاریوں اور خدمات کا بیان غیر متعلق نہ ہو گا جو انھوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے حفاظت میں کی ہیں۔ بار بار قریش اپنے وفد کو ابوطالب کے پاس بھیجتے تھے اور استدعا کرتے تھے کہ یا تو محمد کو ہمارے حوالے کرو کہ ہم اُن کو قتل کر دیں یا ان کو روکو کہ وہ ہمارے خدا کو برا نہ کہیں۔ حضرت ابوطالب ان کو تو نرم الفاظ کے ساتھ واپس کر دیتے تھے۔ اور پھر جناب رسول خدا کو بلا کر کہتے کہ اے بھتیجے تم آزادی کے ساتھ جو کہنا چاہتے ہو کہتے رہو۔ بخدا میں کبھی تم کو نہ چھوڑوں گا۔[۱۵]

جب جناب رسول خداؐ نے قریش کی اذیتوں سے بچانے کے خیال سے اپنے چند اصحاب کو حبشہ بھیج دیا تو قریش نے شاہ حبش نجاشی کے پاس اپنے قاصد بھیجے اور استدعا کی کہ یہ مہاجرین ہمارے گنہگار ہیں۔ ان کو ہمارے پاس بھیج دو۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوطالب نے اپنا خاص قاصد بھی مع اسلحہ نجاشی کے پاس بھیجا

[۱۴] تاریخ طبری الجزء الثانی ص۲۲۵ [۱۵] تاریخ طبری الجزء الثانی ص۲۱۱، ۲۱۸، ۲۱۹

اور اس کو سارے حالات سے آگاہ کر کے کہا کہ ان مہاجرین کو اپنی حفاظت میں رکھنا اور قریش کے پاس نہ بھیجنا۔ نجاشی نے ابوطالب کا کہنا کیا۔ [۱۶]

جب شعب میں محصور ہوئے تو ابوطالب نے جناب رسول خداؐ کی حفاظت کے خیال سے یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ آں حضرتؐ کو ایک جگہ دو رات متواتر نہیں سُلاتے تھے۔ پہلے جہاں آں حضرتؐ سوتے تھے وہاں اپنے کسی لڑکے کو سُلا دیتے تھے اور دوسری جگہ آں حضرتؐ کو سُلاتے تھے۔ جب ہی تو مولوی شبلی نے اوپر کی عبارت میں یہ فقرہ لکھا ہے کہ "وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پر نثار کرتے تھے"۔

حضرت ابوطالب کے اسلام کے متعلق دیکھو اس کتاب سیرۃ فاطمہ کا صفحہ ۶۱

اگر حضرت ابوطالب نے اپنے اسلام کا اعلان نہ کیا تو اس کی وجہ یہی جناب رسول خداؐ کی حفاظت کا خیال تھا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر وہ اپنا اسلام بالکل علانیہ ظاہر کر دیتے تو پھر قریش اُن کے بھی دشمن ہو جاتے اور ان کا اثر و رسوخ جس کی وجہ سے وہ رسول خداؐ کی حفاظت کر رہے تھے جاتا رہتا۔ چنانچہ اس وجہ کا اظہار خود حضرت ابوطالب نے کیا۔ [۱۷]

جو عشق حضرت ابوطالب کو جناب رسالت مآبؐ سے تھا اور جس ہمت و جرأت کے ساتھ مخالفین کی موجودگی میں حضرت علیؑ نے رسول خدا کی نصرت کا وعدہ فرمایا اور ہجرت ہی کی رات سے اُس وعدہ کا ایفا بھی شروع ہو گیا اس کو دیکھتے ہوئے جناب فاطمہؑ کے اوپر نہایت گہرا اثر ہوا۔ اور آپ کا دل حضرت علیؑ کی طرف سے احسانمندی اور شکر گزاری کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ وہ دیکھتی تھیں کہ ساری دنیا کی مخالفت کے سامنے یہ ہی دو باپ بیٹے ایسے ہیں کہ جنہوں نے ایک لمحہ بھی میرے باپ کو نہ چھوڑا اور آخر تک اُن کی حفاظت کرتے رہے۔ حضرت علیؑ نے جو جانفشانی شب ہجرت کی تھی اس کا ذکر اب کرتے ہیں۔

---

[۱۶] سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر الجزء الاول صفحہ ۳۵۶

[۱۷] سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۷

باب پنجم

ہجرت

تاریخ اسلام کا عظیم ترین واقعہ ہجرت رسولؐ از مکہ تا مدینہ ہے۔ اس نازک ترین وقت میں جناب رسول خدا کے جان کی حفاظت ہی نہیں کہ اسلام کی حفاظت تھی۔ بلکہ تمام دنیا کے تہذیب اخلاق اس پر مبنی تھی۔ جناب رسول خداؐ کی تعلیم نے جو کچھ دنیا کو دیا ابھی آہستہ آہستہ لوگوں کو معلوم ہوتا جا رہا ہے مسلمان پُرانی تہذیب اور نئی تہذیب کے درمیان میں ایک سلسلہ ہیں اگر از منۂ وسطیٰ میں مسلمان یونان و روم کی تہذیب کو دنیا میں نہ پھیلاتے تو آج اہل یورپ کو یہ فخر نہ حاصل ہوتا کہ وہ فلاسفران یونان و حکمائے روم کے جانشین ہیں۔ بلکہ وہ پرانی تہذیب تو معدوم ہو جاتی اور پھر یورپ کو وہی جرمنی کے جنگلوں کی تہذیب ملتی۔ مسلمانوں نے وہ پُرانی تہذیب اور پرانی حکمت جوں کی توں ہاتھوں ہاتھ یورپ کو دے دی۔ کیا اچھا ہوتا اگر انھیں فتوحات و توسیع مملکت کی طرف اتنی توجہ نہ ہوتی بلکہ جو حاصل کرتے جاتے اُس کو اپنا کرتے جاتے اور اسلام میں رنگتے جاتے تو آج تمام دنیا پر اسلام چھایا ہوا ہوتا لیکن سرعت فتوحات کی وجہ سے ابھی خود ان میں اسلام اتنا راسخ نہ ہوا تھا کہ یونان کے فلسفے پر تنقید کر کے اسلام کے ڈھانچے میں ڈھال کر اسے آگے چلاتے۔ بہرصورت یورپ کی تہذیب جیسی بھی ہے وہ تمام کی تمام مسلمانوں کی ممنون احسان ہے۔ بہت سے یورپ کے علماء اس کو مانتے ہیں اور اگر وہ نہ بھی مانیں تو اس سے امر واقعہ تو نہیں بدل جاتا۔ جس طرح رسول یا جانشین رسول کو نہ ماننے سے ان کی رسالت اور جانشینیٔ رسالت پر تو کچھ فرق نہیں پڑتا۔ مسلمان ہجرت کی اس عظمت سے واقف تھے۔ چنانچہ جب ۱۶ھ ہجری میں حضرت عمر کے زمانے میں سوال پیدا ہوا کہ تاریخ کب سے چلانی چاہیئے تو تمام سربرآوردہ لوگ جمع ہوئے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ہجرت رسول سے تاریخ کا آغاز کرو

چنانچہ ان سب نے اس حکم کی معقولیت کو قبول کرکے سرِ تسلیم خم کیا۔[۱۹]

اس نازک ترین زمانے میں جناب رسول خداؐ کی جان کی حفاظت تین لوگوں نے کی ہے یعنی (۱) حضرت ابوطالب نے مکہ میں (۲) شب ہجرت حضرت علیؑ نے بستر رسولؐ پر دشمنوں کے نرغہ میں جناب رسول خداؐ کی نمایندگی کرکے دشمنوں کو آں حضرتؐ کے تعاقب سے باز رکھ کر (۳) اَبن انصار بیعت عقبہ اولیٰ وثانیہ نے جنھوں نے آپ کو مدینہ میں آنے کی دعوت دی۔ یہ امر مسلم ہے کہ کفار و یہود و نصاریٰ نے اسلام کی بڑھتی ہوئی رو کے آگے باکراہ اسلام قبول کرکے اور دائرہ اسلام میں داخل ہوکر اسلام کے ساتھ دشمنی کی اور ایسی تدابیر اختیار کیں جن سے مسلمانوں میں روز اوّل ہی سے پھوٹ پڑگئی جو آج تک نہیں گئی اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنی حکمت عملی اور چالاکیوں سے مسلمانوں کی اکثریت کو ایسا دھوکا دیا کہ ان تینوں محسنان اسلام کی قدر ان کی آنکھوں سے گرگئی اور ان کے دل میں ان کی طرف سے ایک قسم کی نفرت پیدا ہوگئی۔ حضرت ابوطالب کے لیے تو یہ مشہور کردیا کہ وہ کافر تھے اور کافر مرے۔ حضرت علیؑ کو خلافت سے محروم رکھا اور انصار کی نسبت اکثریت کے رہنماؤں نے یہ کہا کہ امر خلافت میں انصار کا کوئی حق نہیں ہے۔[۲۰]

حفاظت رسولؐ و خدمت اسلام کا کیا اچھا اجر دیا گیا۔ یہ شیطان اور اُن منافقین کا کام ہے کہ اکثریت کو اس راہ پر لگا لائے۔

حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ کے بعد جناب رسول خداؐ کا مکہ میں رہنا دشوار ہوگیا۔ آں حضرتؐ کا کوئی حمایت کرنے والا نہ رہا۔ اور قریش نڈر ہوگئے۔ اب انھوں نے تہیّہ کرلیا کہ ایک آخری اور فیصلہ کن تدبیر کی جاوے۔ اس صلاح و مشورہ کے لیے سب دارالندوہ میں جمع ہوئے۔ ہر قبیلہ کے لوگ وہاں موجود تھے اور اُن سب کے سرغنہ ابوسفیان تھے۔ بہت سی تدابیر پیش ہوئیں۔ آخر کار ابوجہل کا یہ مشورہ سب نے متفقہ طور پر منظور کرلیا کہ ہر ایک قبیلہ کا ایک ایک آدمی مل کر

---

[۱۹] طبری الجزء الرابع ص۱۸۵ الفاروق شبلی حصہ دوم مطبوعہ آگرہ سنہ۱۹۰۸ء ص۱۴۴ [۲۰] ابن قتیبہ، کتاب الامامت والسیاست الجزء الاول ص۲۲، ص۲۳ نیز وہ بحث ملاحظہ ہو جو سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوئی جس کی بنا پر انصار کو خلافت سے محروم کیا گیا۔

تلواروں سے آپ کا خاتمہ کردیں تاکہ بنو ہاشم کسی ایک قبیلہ سے قصاص نہ طلب کرسکیں اور سب سے قصاص لینا اُن کے لیے ناممکن ہو۔ اگر جمہوریت (ڈیموکریسی) کے اصول بذات خود مطابق عقل ہیں تو ان کی رو سے تو جناب رسول خدا (خاکم بدہن) واجب القتل ہوچکے تھے۔ کیا کوئی گمان کرسکتا ہے کہ اس اور ایسے ہی دیگر تجربات کے بعد بھی آں حضرتؐ اپنے اسلام میں جمہوریت کے اصول رائج کریں گے۔ غرضکہ قوم کے اس متفقہ فیصلے کے مطابق لوگ سرِ شام ہی سے آن کر آں حضرتؐ کے اردگرد جمع ہوگئے۔ ہاتھ میں ننگی تلواریں اور منہ غصہ سے لال۔ ادھر علّامُ الغیوب نے اپنے نبی کو اس جمہوریت کے فیصلے سے آگاہ کیا اور ہجرت کا حکم صادر فرمایا اور یہ بھی ارشاد خداوندی ہوا کہ علی کو اپنی جگہ اپنے بستر پر سُلا جاؤ۔ اپنی اس ہی تجویز کو خداوند تعالیٰ نے قرآن شریف میں مکر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جو کفار کے مکر کو توڑنے کے لیے معرض عمل میں لایا گیا۔

واذ یمکر بك الذین کفروا لیثبتوك اویقتلوك اویخرجوك و یمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔

پس جناب رسول خداؐ نے علی کو بلایا اور ان کو اس وحی سے آگاہ کیا۔ حضرت علیؑ نے دریافت کیا کہ کیا میرے آپ کے بستر پر سونے سے آپ کی جان بچ جائے گی رسول خداؐ نے فرمایا کہ ہاں۔ حضرت علیؑ خوشی کے مارے مسکرائے اور زمین پر سجدۂ شکر ادا کیا۔ اسلام میں یہ پہلا سجدۂ شکر تھا جو ادا کیا گیا۔ اور حضرت علیؑ پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے رخسارہ کو زمین پر رکھ کر سجدۂ شکر ادا کیا۔ پھر کہا کہ آپ تشریف لے جائیں، اور کچھ میرے لیے کیا حکم ہے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا "تم میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو جاؤ۔ خداوند تعالیٰ اپنے اولیا کا امتحان ان کے ایمان کے درجہ کے تناسب سے لیتا ہے۔ لہٰذا انبیا پر بہت سخت بلا کا امتحان ہوتا ہے۔ اس سے اُترتے ہوئے اوصیاء کا امتحان ہوتا ہے اور اسی طرح بقدر مراتب خدا نے میرا اور اے ابن عم تیرا امتحان اسی طرح کیا ہے کہ جس طرح ابراہیم خلیل اور اسمٰعیل ذبیح کا امتحان کیا تھا۔ نیکی کرنے والوں سے خدا کی رحمت قریب ہے جن جن لوگوں کی امانتیں میرے پاس ہیں وہ تم ان کو واپس دے دینا۔ صبح و شام وادیِ ابطح میں جاکر منادی کرنا کہ

جن جن کی امانتیں محمدؐ کے پاس تھیں وہ آن کر لے جائیں۔ تمام لوگوں کے سامنے علانیہ اس طرح تم امانتیں ادا کر دینا۔ کوئی شخص تم کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ میں اپنی بیٹی فاطمہ کی حفاظت تمھارے ذمہ کرتا ہوں اور تم دونوں کو خدا کی حفاظت میں چھوڑتا ہوں۔ فاطمہ اور دیگر بنو ہاشم اور دیگر اشخاص کے لیے جو ہجرت کرنا چاہیں۔ سواریاں خرید لینا اور جب تم وہ تمام کام کر لو جن کی ہدایت میں نے کی ہے تو میرے خط کا انتظار کرنا اور اس کے بعد فوراً خدا و رسول کی طرف ہجرت کرنا۔ پھر نہ ٹھہرنا۔

اس کے بعد آں حضرتؐ نے علیؑ کو سینے سے لگایا اور رونے لگے۔ حضرت علیؑ بھی رونے لگے۔ خداوند تعالیٰ نے جبرئیل و میکائیل کی طرف وحی کی کہ میں نے تم دونوں کے درمیان رشتۂ اخوت قائم کیا ہے پس تم دونوں میں سے کون ہے جو اپنے بھائی کے بدلے موت اختیار کرے۔ لیکن دونوں نے انکار کیا۔ خداوند تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ دیکھو کیا تم میرے ولی علی کی طرح نہیں ہو سکتے کہ میں نے اس کے اور اپنے رسول کے درمیان اخوت قائم کی۔ اور اب علی نے اپنی جان اپنے بھائی پر نثار کر دی۔ پس تم دونوں جاؤ اور اس کی حفاظت کرو۔ پس وہ دونوں آئے جبرئیل علی کے سرہانے اور میکائیل پیروں کی طرف بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ علی تم کو مبارک ہو کہ خداوند تعالیٰ تمھاری مثال دے کر اپنے ملائکہ پر مباہات کرتا ہے۔

حضرت علیؑ کی اس جاں نثاری کے صلہ میں ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ[۲۲]

آیت اذ یمکر بك الآیہ سے ظاہر ہے کہ علی کو بستر رسول پر سلانے کی تجویز خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہوئی تھی۔ حضرت ابوبکر کو آں حضرت کی اس ہجرت کا علم نہ تھا وہ اس رات کو جناب رسول خداؐ کے چلے جانے کے بعد آئے اور حضرت علیؑ سے پوچھا کہ آں حضرتؐ کہاں ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ غار ثور کی طرف گئے ہیں اگر تم کو اُن سے کوئی حاجت ہو تو تم وہاں چلے جاؤ۔ چنانچہ حضرت ابوبکر اُدھر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں آں حضرتؐ کو کسی کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی آپ نے

۲۲ تاریخ طبری الجزء الثانی ص۲۴۴ و ابن الاثیر۔ تاریخ کامل الجزء الثانی ص۳۸ و

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵)

تیزی کے ساتھ قدم اُٹھائے یہاں تک کہ آپ کے پیر لہولہان ہو گئے۔ حضرت ابوبکر نے دیکھا کہ اس طرح آں حضرتؐ کو تکلیف ہو رہی ہے۔ لہٰذا انھوں نے اپنی آواز بلند کی جس کو شناخت کر کے آں حضرتؐ ٹھہر گئے اور پھر یہ دونوں غار ثور میں داخل ہو گئے[۲۳]

ادھر صبح ہوتے ہی جب قریش کا وہ مجمع مکان کے اندر داخل ہوا۔ تو اپنے مطلوب محمد مصطفےٰؐ کو وہاں نہ پایا ان کی جگہ حضرت علیؑ کو دیکھ کر وہ بہت برافروختہ ہوئے اور تلواریں تان کر علیؑ سے پوچھا کہ محمدؐ کہاں ہیں۔ حضرت علیؑ نے نہایت متانت اور سنجیدگی سے سچا جواب دیا کہ کیا تم نے محمدؐ کو میرے حوالہ کیا تھا۔ جو اب اُن کو مجھ سے مانگتے ہو۔ حضرت علیؑ کے بے دھڑک جواب اور نڈر رویّہ سے قریش مرعوب ہو گئے۔ اور اس خیال سے کہ اب مزید گفتگو میں وقت ضائع ہو گا آں حضرتؐ کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔ کچھ آدمی تلاش کرتے کرتے غار ثور تک آن پہنچے تو حضرت ابوبکر خوف کے مارے رونے لگے اور کہا کہ ہم تو دو ہی ہیں۔ آں حضرتؐ نے تسکین دی اور فرمایا کہ نہیں تیسرا خدا بھی ہمارے ساتھ ہے۔ قرآن شریف میں اس واقعہ کا ذکر ہے۔ آں حضرتؐ اس غار میں تین دن رہے۔ جب وہاں سے نکلنے کا ارادہ ہوا تو آں حضرتؐ نے اپنے ربیب ہند ابن خدیجہ کو حکم دیا کہ دُو اونٹ خرید کر لے آؤ۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ میں نے دُو اونٹ تیار رکھے ہیں۔ آں حضرتؐ نے فرمایا میں اُن میں سے کوئی اونٹ نہ لوں گا جب تک قیمت ادا نہ کر دوں۔ اور آپ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ وہ قیمت ادا کر دیں چنانچہ حضرت علیؑ نے قیمت ادا کر دی۔ یہ وہ روایت ہے جو امالی میں شیخ ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی نے اسناد کے ساتھ بیان کی ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر نے کہا کہ ان دُو اونٹوں میں سے آپ ایک لے لیں۔ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ قیمت ادا کر کے لوں گا۔ ابوبکر نے یہ دُو اونٹ بنی قشیر سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴) تاریخ ابوالفدا۔ الجزء الاول ص۱۲۶ و روضۃ الصفا جلد دوم ص۹۶ و ابن ہشام سیرۃ النبی الجزء الثانی ص۹۵ و الحاکم۔ مستدرک الجزء الثانی ص۱۳۳ و شرح زرقانی الجزء الاول ص۳۲۲ و جلال الدین سیوطی۔ درالمنثور الجزء الثانی ص۸ در ذیل تفسیر آیہ اذ یمکر بك مسند امام حنبل الجزء الاول ص۳۴۸

۲۳ تاریخ طبری الجزء الثانی ص۲۴۴ و مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث ص۱۳۳ و جلال الدین سیوطی۔ درالمنثور الجزء الثالث ص۲۴۰

آٹھ سو درہم میں خریدے تھے۔ آں حضرتؐ نے قیمت ادا کر کے ایک لے لیا جس کا نام قصوا تھا۔ سیرۃ ابن ہشام میں ابن اسحٰق سے روایت ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ میں ہرگز اس اونٹ پر سواری نہ کروں گا جس کی میں نے قیمت ادا نہیں کی۔ پس آپ نے اس کی قیمت دے کر ایک اونٹ خرید لیا[۲۴]

مدینہ کے نزدیک قبا کے پاس آن کر آں حضرتؐ ٹھہر گئے۔ حضرت ابوبکر نے ارادہ کیا کہ مدینہ میں داخل ہوں۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ میں ہرگز مدینہ میں داخل نہ ہوں گا جب تک میرا ابن عم علی اور میری دختر فاطمہ نہ آئیں۔ آپ نے وہاں سے ایک خط حضرت علیؑ کو لکھا۔ حضرت علیؑ ان احکام کی تعمیل کر چکے تھے جو آں حضرتؐ نے بتائے تھے۔ جب یہ رقعہ پہنچا تو حضرت علی نے سواریاں خریدیں اور تمام غریب کمزور مسلمانوں کو کہا کہ رات کو ذی طوی پر آجائیں اور آپ بھی فاطمہ بنت رسول اللہ اپنی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم اپنی بنت عم فاطمہ بنت الزبیر بن عبد المطلب اور فاطمہ بنت حمزہ بن عبد المطلب کے ہمراہ نکلے۔ ایمن مولی رسول اللہ و ابو واقد اللیثی بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ ابو واقد اونٹوں کو تیزی سے چلا رہے تھے۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ اے ابو واقد عورتیں ساتھ ہیں آہستہ آہستہ نرمی سے چلو۔ ابو واقد نے کہا کہ دشمن نہ آجائیں۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ رسول خدا نے فرمایا ہے کہ دشمن تمہیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ اور خود حضرت علی آہستہ آہستہ اونٹوں کو چلانے لگے۔

منزل ضجنان کے نزدیک آٹھ سواران قریش ان کی طلب میں آ پہنچے۔ ان کے ہمراہ جناح مولی حرب ابن امیہ بھی تھا۔ حضرت علیؑ نے ایمن و ابو واقد سے کہا کہ اونٹوں کو ٹھہرا کر باندھ دو اور آپ نے آن کر عورتوں کو اتارا۔ اتنے میں وہ آٹھ سوار بھی نزدیک آگئے۔ حضرت علیؑ اپنی تلوار کھینچ کر ان کی طرف چلے۔ ان لوگوں نے کہا کہ اے غدار تو یہ سمجھا تھا کہ عورتوں کے ساتھ نکل جائے گا چل واپس چل۔ حضرت علیؑ نے کہا اگر میں واپس نہ ہوں تو ان لوگوں نے کہا کہ تجھ کو جبراً چلنا پڑے گا ہم پکڑ کر لے جائیں گے یہ کہہ کر وہ لوگ سواریوں کی طرف چلے لیکن حضرت علیؑ ان کے اور

[۲۴] سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر الجزء الثانی ص۱۱

سواریوں کے درمیان آگئے۔ اتنے میں جناح حضرت علی کی طرف جھکا کہ تلوار مارے کیونکہ وہ پیدل تھے اور یہ سوار تھا۔ اسے جھکنا پڑا حضرت علیؑ پھرتی سے اس کی ضرب سے ایک طرف ہوگئے اور پھر اس کے کندھے پر اس زور سے تلوار ماری کہ تلوار اس کے دو ٹکڑے کر کے اس کے گھوڑے کے شانوں پر اتر آئی اس کے بعد حضرت علیؑ شیر ببر کی مانند اس کے ساتھیوں کی طرف لپکے اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے ؎

خلوا سبیل الجاھد المجاھد   الیت لا اعبد غیر الواحد

وہ سب کے سب بھاگ گئے یہ کہتے ہوئے کہ اے علی تم اپنے تئیں ہمارے پاس آنے سے روک لو۔ پس وہ لوگ بھاگ گئے اور علیؑ ایمن و ابو واقد کے پاس آئے اور فرمایا کہ چلو اپنی سواریوں کو لے کر۔ فتح و ظفر کے ساتھ منزل ضجنان میں داخل ہوئے۔ یہ پہلی تلوار تھی جو خدا و رسولؐ و اسلام کے لیے کھنچی تھی۔ اور یہ اولیت بھی حضرت علیؑ ہی کے لیے خدا نے مقرر کر دی۔ حضرت علیؑ کا یہ پہلا جہاد اور کارنامہ خدا کی راہ میں جناب فاطمہؑ نے دیکھا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ ان کو اور ان کے والد ماجد کو علیؑ کے ذریعہ سے خدا نے بچایا۔ منزل ضجنان پر ایک دن اور ایک رات رہے اور چند غریب مسلمان بھی یہاں آن کر ان سے ملے اور رات بھر حضرت علیؑ اور ان چاروں فاطمہ نے نماز و ذکر خدا میں گزاری اور کھڑے، بیٹھ کر اور لیٹ کر خدا ہی کے ذکر میں مشغول رہے۔ صبح ہوئی۔ نماز پڑھی اور پھر آگے چلے اور راستہ بھر علیؑ اور وہ جوان کے ساتھ تھے ذکر خدا ہی کرتے ہوئے چلے یہاں تک کہ مقام قبا پر آں حضرتؐ سے ملے۔ ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے ان کی حالات کی اطلاع خداوند تعالیٰ نے بذریعہ اس وحی کے اپنے رسولؐ کو دی۔ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ (الی قولہ تعالیٰ) فَاسْتَجَابَ لَھُمْ رَبُّھُمْ انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی بعضکم من بعض فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم واوذوا فی سبیلی وقاتلوا وقتلوا لاکفرن عنھم سیاتھم ولا دخلنھم جنات تجری من تحتھا الانھار ثوابا من عند اللہ واللہ عندہ حسن الثواب۔ اور جناب رسول خدا نے آیت مبارکہ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد

کی تلاوت فرمائی۔ چلتے چلتے حضرت علیؑ کے پیر زخمی ہوگئے تھے اور خون جاری تھا۔ جناب رسول خداؐ نے جو یہ دیکھا تو علیؑ کو گلے سے لگا کر دیر تک رویا کیے [۲۵]

باب ششم

تزویج و طرز رہایش روزانہ اور امور خانہ داری

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ

حضرت ابوبکر نے آں حضرتؐ سے حضرت فاطمہ کی خواستگاری اپنے لیے کی۔ آں حضرتؐ نے جواب دیا کہ اس امر میں میں وحی الٰہی کا منتظر ہوں۔ پھر حضرت عمر نے آں حضرتؐ سے اپنے لیے فاطمہؑ کی خواستگاری کی۔ ان کو بھی یہی جواب دے کر انکار کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت علی آں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت فاطمہؑ کی خواستگاری کی۔ آں حضرتؐ نے فرمایا مرحبًا واہلًا [۲۶]

یہ جو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آں حضرتؐ نے حضرت ابوبکر و حضرت عمر سے یہ کہہ کر انکار کیا کہ فاطمہ کی عمر چھوٹی ہے غلط معلوم ہوتا ہے۔ اُس زمانے کی عرب کی تہذیب میں مرد و عورت کی عمر کی تفاوت کا خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ علاوہ اس کے آں حضرتؐ خود حضرت ابوبکر و حضرت عمر دونوں سے بڑے تھے۔ اور آپ حضرت ابوبکر کی کم سن لڑکی حضرت عائشہ سے اس سے پہلے شادی کر چکے تھے۔ اب بھلا وہ حضرت ابوبکر و عمر کے سامنے یہ عذر کیسے پیش کرتے کہ فاطمہ چھوٹی ہے۔ حضرت فاطمہ بہر صورت حضرت عائشہ سے عمر میں بڑی تھیں اور آں حضرتؐ ان دونوں سے یعنی

[۲۵] اعیان الشیعہ للمحسن الامین الجزء الثانی ص۱۱۸ لغایت ص۱۲۰ [۲۶] حسین دیار بکری۔ تاریخ الخمیس الجزء الاول ص۴۰۷، ص۴۰۸ و طبقات ابن سعد۔ الجزء الثامن ص۱۱-۱۲ و ابن کثیر شامی۔ البدایہ والنہایہ فی التاریخ الجزء السابع ص۳۴۲ و ابن الاثیر الجزری۔ اسد الغابہ ترجمہ علی

حضرت ابوبکر و عمر سے بڑے تھے۔ جناب رسول خداؐ فرمایا کرتے تھے کہ اگر علی نہ ہوتے تو فاطمہ کا کفو نہ ہوتا۔

حضرت علیؑ کے خواستگاری کے بعد جناب رسول خداؐ نے حضرت فاطمہؑ سے اس نسبت کے متعلق دریافت کیا کہ اُن کی رضامندی ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ علی نے تمھاری خواستگاری کی ہے اس کی قرابت سے اور فضیلت سے جو اس کو اسلام میں حاصل ہے تم اچھی طرح واقف ہو۔ اور میں نے خداوند تعالیٰ سے بھی اس کی اجازت چاہی کہ میں تمھارا نکاح علی سے کر دوں۔ اب بتاؤ کہ تمھاری کیا مرضی ہے جناب فاطمہؑ حیا کی وجہ سے خاموش رہیں لیکن وہ خاموشی اتنی بلیغ تھی کہ آں حضرتؐ یہ کہتے ہوئے نکلے۔ اللہ اکبر سکوتھا اقرارھا یعنی فاطمہ کا سکوت اس کا اقرار ہے۔

ابن بطۃ و ابن المؤذن و السمعانی نے اپنی کتابوں میں ابن عباس اور انس بن مالک سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم جناب رسول خداؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں علی ابن ابی طالبؑ تشریف لائے۔ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ یا علی کیسے آئے ہو۔ حضرت علی نے شرم سے گردن جھکا کر کہا کہ یوں ہی سلام کرنے حاضر ہوا ہوں۔ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ یہ جبرئیل آئے ہیں انھوں نے مجھے خبر دی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے فاطمہ و علی کا نکاح عرش اعظم پر کیا اور چالیس ہزار فرشتوں نے گواہی کی۔ اور شجر طوبیٰ کی طرف خدا نے وحی کی کہ وہ در و یاقوت نچھاور کرے۔ اس نے بے شمار در و یاقوت نثار کیے۔ پس ان کی طرف حوران جنت دوڑیں اور وہ دُر و یاقوت اپنے طباقوں میں جمع کر لیے [۲۷]

خطبہ حضرت رسالت مآبؐ

انس ابن مالک اور جناب امام رضا علیہ السلام سے یہ خطبہ منقول ہے کہ کشف الغمہ میں مناقب خوارزمی سے نقل کیا ہے۔ انس بن مالک کہتے ہیں کہ میں جناب رسول خداؐ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں آثار وحی آں حضرتؐ کے

[۲۷] اعیان الشیعہ۔ الجزء الثانی سیرۃ الزہراء ص۳۴

چہرہ پر عیاں ہوے۔ جب افاقہ ہوا تو آں حضرتؐ نے کہا کہ جبرئیل امین یہ وحی لے کر خدا کی جانب سے تشریف لائے تھے اور مجھے خداوند تعالیٰ کا یہ حکم پہنچایا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی سے کردوں۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ چھ مہاجرین اور چھ انصار کو بلالو۔ چنانچہ میں بلالایا تو آپ نے فاطمہؑ کا نکاح حضرت علیؑ سے کردیا[۲۸]

حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تمھارے پاس کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک گھوڑا، ایک خچر، ایک تلوار اور ایک زرہ ہے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ ذرہ کو فروخت کردو[۲۹]

بوقت نکاح آں حضرتؐ نے یہ خطبہ پڑھا جو کشف الغمہ سے نقل کیا گیا ہے وہ یہ ہے:۔

"الحمد لله المحمود بنعمته المعبود بقدرته المطاع بسلطانه المرهوب من عذابه المرغوب اليه فيما عنده النافذ امره فی ارضه وسمائه الذی خلق الخلق بقدرته ومیزهم باحکامه واعزهم بدینه واکرمهم بنبیه محمد صلی الله علیه و آله وسلم ثم ان الله جعل المصاهرة نسبا لاحقا وامرا مفترضا وشج بها الارحام والزمها الانام فقال تبارك اسمه وتعالیٰ جده وهو الذی خلق من الماء بشراً فجعله نسبا وصهرا وکان ربك قدیرا فامر الله یجری الی قضائه وقضاؤه یجری الی قدره فلکل قضا قدر ولکل قدر اجل ولکل اجل کتاب یمحو الله ما یشاء ویثبت وعنده ام الکتاب۔ ثم انی اشهدکم انی قد زوجت فاطمه من علی (وفی روایة المناقب ثم ان الله امرنی ان ازوج فاطمه من علی وقد زوجتها ایاه) علی اربعمائة مثقال فضة ارضیت۔ قال رضیت یا رسول الله"۔

ترجمہ:۔ تعریف ہے اس خدا کے لیے جو اپنی نعمتوں کی وجہ سے محمود ہے۔ اپنی قدرت کی وجہ سے معبود ہے۔ اپنی حکومت کی وجہ سے مطاع ہے۔ اس کے عذاب سے لوگ ڈرتے ہیں۔ ان نعمہائے گوناگوں کی وجہ سے جو اس کے پاس ہیں

[۲۸] اعیان الشیعہ ص۴۴۸ [۲۹] مناقب ابن شہر آشوب۔ مجلد الرابع ص۱۴۰

لوگ اُس کی طرف جھکتے ہیں۔ اس نے اپنا حکم اپنے ارض و سما میں جاری کیا ہوا ہے، اپنی قدرت سے خلق کو پیدا کیا۔ اپنے احکام سے ممیز کیا، اپنے دین سے اُن کو عزت بخشی، اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وجہ سے ان کو بزرگی عطا کی۔ پھر اُس نے رشتہ داریاں اور نکاح لوگوں میں جاری کیے اور ان کو فرض قرار دیا جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے هو الذی خلق من الماء بشراً فجعله نسبا وصهرا وکان ربك قدیرا۔ پس خداوند تعالیٰ کے امر (حکم) سے قضا جاری ہوتی ہے اور قضا سے قدر (اندازہ) مقرر ہوتی ہے۔ ہر ایک قدر کے لیے ایک اجل (مدت و انتہا) ہے اور ہر ایک اجل کے لیے کتاب ہے۔ جو چاہتا ہے اس میں سے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے اس میں لکھتا ہے۔ اُس کے پاس اُم الکتاب ہے۔ امابعد خداوند تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں فاطمہ کا نکاح علی سے کردوں۔ پس میں نے فاطمہؑ کا نکاح علیؑ سے ۴۰۰ مثقال چاندی پر کردیا۔ اے علی کیا تم راضی ہو۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اے خدا کے رسول میں راضی ہوں۔

اس کے بعد حضرت علیؑ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ تمھیں پاک و پاکیزہ اولاد دے اور برکت عطا کرے۔ ابن مردویہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آں حضرتؐ نے حضرت علیؑ سے کہا کہ تم بھی خطبہ پڑھو پس حضرت علیؑ نے یہ خطبہ ادا کیا:۔

"الحمد لله الذی قرب من حامدیه ودنا من سائلیه ووعد الجنة من یتقیه وانذر بالنار من یعصیه نحمده علی قدیم احسانه وایادیه حمد من یعلم انه خالقه وباریه ومميته ومحییه وسائله عن مساویه ونستعینه ونستهدیه ونؤمن به ونستکفیه ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریك له شهادة تبلغه وترضیه وان محمداً عبده ورسوله صلی الله علیه و آله وسلم صلاةً تزلفه وتحظیه وترفعه وتصطفیه وهذا رسول الله زوجنی ابنته فاطمه علی خمسمائة درهم ذا سالوه واشهدوا قال رسول الله صلی الله قد زوجتك ابنتی فاطمه علی ما زوجك الرحمٰن وقد رضیت بما رضی الله فنعم الختن انت

ونعم الصاحب انت وکفاك برضى الله رضى -

ترجمہ :۔ تعریف ہے اُس خدا کے لیے جو اپنے حمد کرنے والے سے قریب ہوا اور نزدیک ہوا اس سے جس نے اُس سے سوال کیا۔ جو اس سے ڈرتا ہے اس کے لیے جنت کا وعدہ کرتا ہے۔ اور آگ سے ڈراتا ہے اُس کو جو اُس کا عصیان کرتا ہے ہم اُس کی حمد اُس کی نعمتوں کے لیے کرتے ہیں، یہ حمد اس کی طرف سے ہے جو جانتا ہے کہ وہ (خدا) اُس کا خالق ہے۔ اُس کا پرورش کرنے والا ہے۔ اُس کو مارنے والا ہے۔ اُس کو جلانے والا ہے۔ اور اُس کی خطاؤں کا اس سے سوال کرنے والا ہے۔ ہم اُس ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ اُس سے ہی ہدایت مانگتے ہیں اُس پر ہم ایمان لاتے ہیں اور وہ ہی ہمارے لیے کافی ہے ہم شہادت دیتے ہیں کہ کوئی خدا نہیں ہے اس معبود کے علاوہ کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ یہ ایسی شہادت ہے جو اُس تک پہنچتی ہے اور اُس کو راضی کرتی ہے۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمدؐ اُس کا بندہ اور رسول ہے۔ صلوٰۃ ہو اس پر، ایسی صلوٰۃ جو اس کے لائق سزاوار ہے۔ جو اس کو بلند کرتی ہے اور منتخب کرتی ہے۔ ان رسول اللہؐ نے اپنی دختر فاطمہ کا نکاح میرے ساتھ پانچ صد درہم پر کر دیا۔ پس تم اُن سے معلوم کر لو اور گواہی دو۔ رسول خداؐ نے فرمایا کہ میں نے اپنی دختر فاطمہ کا نکاح تم سے اے علی اس مہر پر کیا جس پر خداوند تعالیٰ نے تمہارا نکاح فاطمہ سے کیا۔ پس میں راضی ہوا۔ اس سے جس سے خدا راضی ہوا پس تو کیسا اچھا داماد اور ساتھی ہے۔ اور تیرے لیے یہ ہی کافی ہے کہ میری یہ رضا وہ ہی ہے جو خدا کی ہے"۔

جناب فاطمہؑ کے مہر میں کچھ اختلاف ہے بعض تو کہتے ہیں کہ ۵۰۰ درہم تھا بعض کے نزدیک ۴۸۰ درہم تھا۔ حافظ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں ۴۸۰ درہم ہی لکھا ہے۔ حضرت علیؑ نے یہ رقم جناب رسول خدا کی خدمت میں پیش کر دی آں حضرتؐ نے اس میں سے کچھ تو لے کر بلال کو عنایت کر دیا اور فرمایا کہ باقی سے فاطمہ کے لیے خوشبو خرید دو۔ ابن عبدالبر الاستیعاب میں کہتے ہیں کہ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ اس کے تہائی سے فاطمہ کے لیے خوشبو خرید لو۔ ابن سعد نے طبقات الکبریٰ جزو الثامن میں در ذیل ذکر فاطمہ لکھا ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ تیس درہم سے

فاطمہ کے لیے خوشبو خرید و اور تہائی سے پوشاک۔ پھر دونوں ہاتھوں سے وہ درہم لے کر ابوبکر کو دیے اور فرمایا کہ اس میں سے فاطمہ کے لیے مناسب پوشاک اور اثاث البیت خرید کر لے آؤ۔ اور ان کے ہمراہ عمار بن یاسر اور چند دیگر اصحاب کو کر دیا۔ ایک مٹھی درہموں میں سے لی۔ اس میں ۶۳ یا ۶۶ آئے وہ آں حضرتؐ نے امّ ایمن کو دیے کہ اس سے متاع خانہ خرید لیا جاوے۔ اور باقی ام سلمہ کو دیے کہ اپنے پاس رکھیں اور ضرورت کی چیزیں خریدتی رہیں۔

جنابِ فاطمہ کا جہیز جو والدؐ کی طرف سے ملا تھا

جناب فاطمہؑ کو جو جہیز آں حضرتؐ کی طرف سے ملا تھا اس کی فہرست یہ ہے:

(۱) ایک قمیص قیمتی ۷ درہم (۲) خمار یعنی نقاب، عورتوں کے سر ڈھکنے کا کپڑا۔ (۳) قطیفہ خیبریہ کالے رنگ کا۔ یہ ایک نرم روؤں کا کمبل ہوتا ہے (۴) کھجور کے پتوں سے بنا ہوا بستر جس کو سریر مزمل کہتے ہیں (۵) فراشان موٹے ٹاٹ کے دو فرش (۶) چار چھوٹے چھوٹے تکیہ چمڑے کے بنے ہوئے (۷) ہاتھ کی چکی (۸) تانبے کا بڑا لگن کپڑے دھونے کے لیے (۹) ایک چمڑے کی مشک (۱۰) لکڑی کا پانی پینے کا برتن (۱۱) کھجور کے پتوں سے بنا ہوا برتن جس پر مٹی پھیر دیتے ہیں (۱۲) دو مٹی کے آبخورے (۱۳) مٹی کی صراحی (۱۴) زمین پر بچھانے کا چمڑا (۱۵) ایک سفید چادر (۱۶) ایک لوٹا۔

جہیز کی یہ فہرست اعیان الشیعہ جزو الثانی ص۴۹۷ سے مرتب کی گئی ہے جب جناب رسول خداؐ کے سامنے یہ جہیز پیش کیا گیا تو آں حضرتؐ اُس کو ہاتھ سے اُلٹ پلٹ کر دیکھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ خداوندا اہلبیتؑ رسول پر برکت نازل کر۔ ایک روایت ہے کہ آپ اس جہیز کو دیکھ کر رونے لگے۔ اور آسمان کی طرف سر اُٹھا کر فرمایا کہ خداوندا برکت نازل کر ان لوگوں پر جن کے اچھے سے اچھے برتن مٹی کے ہیں

رخصت و وداع

نکاح کے ایک مہینہ یا ۲۹ دن بعد عقیل نے علیؑ سے کہا کہ تم فاطمہؑ کی وداع کے لیے

آں حضرتؐ سے کہو۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ مجھے شرم آتی ہے۔ انھوں نے کہا چلو میں تمھارے ساتھ چلتا ہوں۔ پس دونوں ام ایمن کے پاس آئے اور اُن سے تذکرہ کیا۔ وہ ام سلمہ کے پاس گئیں اور اُن کو حضرت علیؑ کی خواہش سے مطلع کیا۔ اور پھر دیگر ازواج رسولؐ سے بھی ذکر کیا۔ وہ سب مل کر آں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں ہم ایک ایسے کام کے لیے جمع ہوئی ہیں کہ اگر جناب خدیجہ زندہ ہوتیں تو ان کی آنکھیں اس سے بہت ٹھنڈی ہوتیں۔ ام سلمہ کہتی ہیں کہ جب ہم نے خدیجہ کا نام لیا تو آں حضرتؐ رونے لگے اور فرمایا کہ خدیجہ۔ کہاں ہے خدیجہ۔ کون ہوسکتا ہے مثل خدیجہ کے۔ اس نے میری اُس وقت تصدیق کی جب سب میری تکذیب کر رہے تھے اور میرا بوجھ اس نے ہلکا کیا میرے کام میں شریک ہوگئی اور اپنے مال سے میری مدد کی۔ خداوند تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں خدیجہ کو جنت کی بشارت دوں۔ ام سلمہ نے جواب دیا کہ ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں خدیجہ ایسی ہی تھیں کہ جیسا آپ نے فرمایا۔ وہ اب اپنے رب کے پاس چلی گئی ہیں۔ ایک دن خدا ہم کو اور ان کو ایک جگہ جمع کرے گا۔ جس امر کے لیے ہم حاضر ہوئے ہیں وہ یہ ہے کہ علی ابن ابی طالب کی خواہش ہے کہ فاطمہ کو اُن کے گھر رخصت کر دیا جائے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا حبًّا و کرامۃً۔ حضرت علی کو بلایا۔ وہ حیا و شرم میں ڈوبے ہوئے آئے۔ ازواج رسول گھر میں چلی گئیں آپ نے علی سے کہا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ فاطمہ کو تمھارے گھر رخصت کر دیا جائے۔ حضرت علیؑ نے شرم سے سر نیچا کر کے جواب دیا جی حضور۔ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ پھر آپ نے ام سلمہ و زینب و دیگر ازواج کو نام لے کر فرمایا کہ ام سلمہ کے گھر میں فاطمہ کو دولھن بناؤ اور وہ مکان جو علی نے لیا ہے اس کے لیے تیار کرو یہ مکان حضرت علی نے کرایہ پر لیا تھا یہ مکان آں حضرتؐ کے مکان سے کچھ فاصلہ پر تھا۔ لیکن آں حضرتؐ نے اس مکان کی از سر نو تعمیر کر کے اس کو اپنے مکان کے ساتھ ملا لیا ازواج رسولؐ نے ایسا ہی کیا جیسا آں حضرتؐ نے فرمایا تھا۔

مناقب ابن شہر آشوب میں ابوبکر بن مردویہ کے حوالہ سے درج ہے اصحاب رسولؐ اس موقع پر ہدایا و تحفے لائے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ روٹی شوربا تیار کرایا جاوے

اور علی کو حکم دیا کہ گائے و بکریاں ذبح کریں۔ جب طعام تیار ہوگیا تو آں حضرتؐ نے حکم دیا کہ ایک منادی عام کر دی جاوے کہ سب لوگوں کی دعوت ہے پس لوگ مسجد میں جمع ہوئے۔ چار ہزار سے زائد مرد تھے اور عورتیں اس کے علاوہ تھیں۔ سب نے سیر ہو کر کھایا اور پھر بھی اس کھانے میں سے کچھ کم نہ ہوا۔ پھر آں حضرتؐ نے بڑی رکابیاں اور پیالے منگوائے اور ان میں کھانا اپنی تمام ازواج کے مکانوں پر بھجوایا۔ ایک رکابی حضرت فاطمہ اور ان کے شوہر کے لیے رکھ لی۔

جب رات ہوئی جو کہ زفاف کی رات تھی تو آں حضرتؐ نے ناقہ یا خچر منگوایا اس پر قطیفہ ڈلوا دیا اور جناب فاطمہ کو سوار کیا اور سلمان سے کہا کہ اس سواری کو چلاؤ۔ اور خود مع حمزہ، عقیل، بنو ہاشم، تلوار کھینچے ہوئے پیچھے پیچھے چلے۔ اور آں حضرتؐ کی ازواج جناب فاطمہ کے آگے رجز پڑھتی ہوئی چلیں۔ خاندان عبد المطلب اور مہاجرین اور انصار کی عورتوں کو حکم دیا کہ حضرت فاطمہؑ کے ساتھ چلیں۔ ان کا دل بہلائیں اور خود بھی خوشیاں منائیں۔ رجز پڑھیں۔ خدا کی حمد و تکبیر کریں۔ لیکن کوئی بات ایسی نہ کہیں اور کریں جس سے خدا ناخوش ہوتا ہو۔ رسول خداؐ نے دیکھا کہ جبرئیل ستر ہزار ملائکہ کے ساتھ اور میکائیل ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ جناب فاطمہؑ کو حضرت علیؑ کے گھر پہنچانے آئے تھے۔ جبرئیل و میکائیل نے تکبیر کہی، تمام ملائکہ نے تکبیر کہی اور جناب رسول خداؐ نے تکبیر کہی۔ اسی رات سے دُلھن کے پیچھے تکبیر کہنا سنت میں داخل ہوگیا۔

علامہ ابن شہر آشوب نے مناقب میں تاریخ الخطیب، کتاب ابن مردویہ، ابن المؤذن و شہرویہ دیلمی سے ان کی اسانید سے علی بن الجعد عن ابن بسطام عن شعبہ بن الحجاج عن علوان عن شعبہ عن ابی حمزہ الضبعی عن ابن عباس و عن جابر روایت نقل کی ہے کہ حضرت فاطمہؑ کے شب زفاف جلوس وداع میں جناب رسول خدا اُن کے آگے تھے۔ جبرئیل دائیں طرف تھے۔ میکائیل بائیں طرف اور ستر ہزار فرشتے ان کے پیچھے تسبیح و تقدیس خدا کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ صبح ہوئی۔ اس جلوس میں ازواج رسول نے جو رجز پڑھے ان میں سے چند ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں (منقول از اعیان الشیعہ الجزء الثانی صفحہ ۵۰)

حضرت ام سلمہ کا رجز

(۱)

سرن بعون اللہ جاراتی واشکرنہ فی کل حالات

واذکرن ما انعم رب العلی　　من کشف مکروہ وآفات
فقد ھدانا بعد کفر وقد　　انعشنا رب السموات
وسرن مع خیر نساء الوری　　تفدی بعمات وخالات
یا بنت من فضلہ ذو العلی　　بالوحی منہ والرسالات

حضرت عائشہ کا رجز (۲)

یا نسوۃ استرن بالمعاجر　　واذکرن ما یحسن فی المحاضر
واذکرن رب الناس اذ یخصنا　　بدینہ مع کل عبد شاکر
والحمد للہ علی افضالہ　　والشکر للہ العزیز القادر
سرن بھا فاللہ اعلی ذکرھا　　وخصھا منہ بطھر طاھر

حضرت حفصہ کا رجز (۳)

فاطمہ خیر نساء البشر　　ومن لھا وجہ کوجہ القمر
فضلک اللہ علی کل الوری　　بفضل من خص بای الزمر
زوجک اللہ فتی فاضلا　　اعنی علیا خیر من فی الحضر
فسرن جاراتی بھا فانھا　　کریمۃ عند عظیم الخطر

معاذہ ام سعد بن معاذ کا رجز

اقول قولا فیہ ما فیہ　　واذکر الخیر وابدیہ
محمد خیر بنی آدم　　ما فیہ من کبر ولا تیہ
بفضلہ عرفنا رشدنا　　فاللہ بالخیر یجازیہ
ونحن مع بنت نبی الھدی　　ذی شرف قد مکنت فیہ
فی ذروۃ شامخۃ اصلھا　　فما اری شیئاً یدانیہ

ترجمہ

(۱) حضرت ام سلمہ کا رجز

(۱) ہماری سہیلیاں خدا کی مدد سے روانہ ہوں اور شکر کریں خدا کا ہر حال میں
(۲) اور تذکرہ کرو خدا کے احسان کا جو اس نے مصیبت اور آفات سے بچانے میں کیا ہے۔

(۳) البتہ اُس نے ہم کو کفر سے نکال کر راہ راست دکھائی اور اُسی آسمانوں کے پروردگار نے ہم کو اعلیٰ مراتب پر پہنچایا۔
(۴) ہماری سہیلیاں روانہ ہوں بہترین زنانِ عالم کے ساتھ جن پر پھوپھیاں اور خالائیں قربان ہو رہی ہیں۔
(۵) اے اُس کی صاحبزادی جس کو خداوند تعالیٰ نے سب پر فضیلت دی تاجِ وحی اور خلعتِ رسالت پہنا کر۔

(۲) حضرت عائشہ کا رجز

(۱) اے عورتوں اوڑھنیاں اوڑھ لو اور ایسی باتیں کرو جو حاضرین کے شایانِ شان ہو۔
(۲) ذکر کرو سارے جہان کے پالنے والے کا۔ اس لیے کہ اس نے ہر شکر کرنے والے بندہ کو خصوصیت کے ساتھ اپنے دین سے سرفراز فرمایا۔
(۳) حمد و ثنا خدا ہی کے لیے ہے اس کے احسانات پر اور شکر تمام سزاوار ہے خدائے قادر غالب کے لیے۔
(۴) وہ چلیں ایسی محترمہ کے ساتھ جس کے ذکر کو خدا نے بلند کیا ہے اور مخصوص کیا ہے اُن کو طہارتِ حقیقی کے ساتھ۔

(۳) حضرت حفصہ کا رجز

(۱) جناب فاطمہ بہترین زنانِ عالم ہیں اور اُن کا چہرہ مثل چودھویں رات کے چاند کے روشن ہے۔
(۲) خدا نے آپ کو سارے جہان پر فضیلت دی ہے اُس فضل کے سبب جس کی تخصیص آیت زمر میں فرمائی ہے۔
(۳) آپ کی شادی خدا نے اُس فاضل ترین جوان "علی" کے ساتھ کی ہے جو فخرِ دو جہاں ہے۔
(۴) اب میری سہیلیاں اس موصوفہ کے ساتھ چلیں اس لیے کہ وہ بڑی سے بڑی شان والوں کی نظر میں مایۂ ناز ہیں۔

اس طرح حضرت علیؑ کے گھر یہ جلوس داخل ہوا۔ آں حضرتؐ نے حضرت علیؑ کو

بلایا اور جناب فاطمہؑ کا ہاتھ علی کے ہاتھ میں دے کر کہا بارك الله فی ابنة رسول الله دوسری روایت میں ہے کہ آں حضرتؐ نے حضرت علیؑ کا داہنا ہاتھ اور جناب فاطمہ کا داہنا ہاتھ لے کر اپنے سینے پر دونوں کے ہاتھوں کو ملایا۔ اور دونوں کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دے کر حضرت فاطمہؑ کو علی کے سپرد کر دیا۔ اور کہا یا علی نعم الزوجة زوجتك پھر حضرت فاطمہؑ کی طرف رخ کر کے کہا یا فاطمه نعم البعل بعلك۔ پھر دونوں کے درمیان چلے۔ اور ان کے گھر میں ان کو داخل کر دیا پھر آپ نے پانی منگوایا اس میں سے ایک جرعہ لیا۔ مُنہ میں لے کر کُلّی کی اور کلّی کا پانی ایک پیالہ میں ڈالا۔ اور اس میں سے وہ پانی جناب فاطمہؑ کے سر و سینہ اور شانوں پر ڈالا۔ اور حضرت علیؑ کے اوپر بھی اسی طرح پانی ڈالا۔ اور فرمایا۔ اللهم بارك فيهما وبارك عليهما وبارك فی نسلهما۔ ایک روایت ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا۔ اللهم انهما احب الخلق الی فاحبهما وبارك فی ذريتهما واجعل عليهما منك حافظا وانی اعيذهما بك وذريتهما من الشيطان الرجيم ودعا لفاطمه فقال اذهب الله عنك الرجس وطهرك تطهيرا وروی انه قال مرحبا بحرين يلتقيان ونجمين يقترنان وفی رواية قال اللهم هذه ابنتی واحب الخلق الی اللهم وهذا اخی واحب الخلق الی اللهم اجعله لك وليا وبك حفيا وبارك له فی اهله ثم قال يا علی ادخل باهلك بارك الله تعالی لك ورحمة الله وبركاته عليكما انه حميد مجيد۔ (منقول از اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص۵۱۳)

ترجمہ:۔ خداوندا۔ ان دونوں کی نسلوں میں برکت دے۔ ان دونوں پر برکت نازل کر۔ ایک روایت میں ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا۔ خداوندا یہ دونوں مجھے تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں۔ پس تو بھی ان کو دوست رکھ کر اور ان کی اولاد میں برکت دے۔ اپنی طرف سے ان کی حفاظت کر۔ اور میں اُن دونوں کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ اور فاطمہ کے لیے یہ دعا مانگی۔ خداوند تعالیٰ تجھے پاک پاکیزہ رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ روایت ہے کہ

آپ نے فرمایا مرحبا یہ دو سمندر ہیں کہ موجیں مارتے ہوئے مل رہے ہیں۔ دو ستارے ہیں کہ آپس میں قریب ہو رہے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا خداوندا یہ میری بیٹی مجھے تمام مخلوق سے زیادہ پیاری ہے۔ اور خداوندا یہ میرا بھائی ہے جو تمام مخلوق سے زیادہ مجھے پیارا ہے۔ خداوندا اس کو اپنا ولی بنا اور اپنی حفاظت میں لے اور اس کی اہل میں اُس کو برکت دے۔ پھر فرمایا اے علی اپنی زوجہ کے پاس آؤ۔ خداوند تعالیٰ تم پر برکت و رحمت نازل کرے وہ حمید و مجید ہے۔ یہ کہہ کر آں حضرتؐ اُن دونوں کے پاس سے چلے آئے۔ دروازے کے دونوں کواڑوں کو پکڑ کر فرمایا طهركما الله وطهر نسلكما انا سلم لمن سالمكما وحرب لمن حاربكما استودعكما الله واستخلفه عليكما۔ یعنی خداوند تعالیٰ تم دونوں کو اور تمھاری نسل کو پاک و پاکیزہ رکھے۔ میں صلح و آشتی کرنے والا ہوں اُس سے جو تم دونوں سے صلح و آشتی کرے اور میں لڑنے والا ہوں اس سے جو تم دونوں سے لڑے۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے دروازہ بند کر دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آں حضرتؐ نے حضرت فاطمہ سے کہا وقد زوجتك خير اهلی سيدا فی الدنيا وسيدا فی الاخرة ومن الصالحين۔ یعنی میں نے اے فاطمہ تیرا نکاح کیا اُس سے جو میرے اہل میں سب سے بہتر ہے جو دین و دنیا میں سردار ہے اور صالحین میں سے ہے۔ پھر ان دونوں سے کہا کہ گھر میں جاؤ اور میرے آنے کا انتظار کرو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اُن کے اردگرد امہات المومنین تھیں۔ حضرت علیؑ و امہات المومنین کے درمیان میں ایک پردہ تھا۔ اور حضرت فاطمہؑ عورتوں میں تھیں۔ پھر جناب رسول خدا آئے اور امہات المومنین وہاں سے ہٹ گئیں آں حضرتؐ نے ایک برتن منگوا کر اُسے پانی سے بھروایا۔ مُنہ میں پانی لے کر اُس میں کلّی کی اور فرمایا اللهم انهما منی وانا منهما اللهم كما اذهبت عنی الرجس وطهرتنی تطهيرا فطهرهما یعنی خداوندا یہ دونوں مجھ سے ہیں اور میں ان دونوں سے ہوں جس طرح تو نے مجھ سے رجس و ناپاکی کو دُور رکھا اور مجھے پاک کر دیا ہے جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے اسی طرح تو ان دونوں کو پاک رکھ۔ پھر آپ نے حضرت فاطمہؑ سے کہا کہ یہ پانی پی لو۔ انھوں نے پی لیا۔ پھر آپ نے وضو کیا۔ پھر

اسی طرح برتن میں پانی منگوا کر وہی عمل کیا اور چلے گئے۔ دروازہ بند کر دیا۔ آپ نے اپنی دعا میں سوائے ان دونوں کے کسی اور کو شریک نہیں کیا۔

جب صبح ہوئی تو جناب رسول خداؐ دروازے پر تشریف لائے۔ اور کہا کہ اے ام ایمن میرے بھائی کو بلاؤ۔ انھوں نے کہا کہ کیا وہ آپ کے بھائی رہے۔ اب تو آپ نے اپنی لڑکی اُن سے بیاہ دی ہے۔ آں حضرتؐ نے کہا کہ اے ام ایمن ٹھیک ہے وہ میرا بھائی ہی ہے۔ جب حضرت علیؑ آئے تو آں حضرتؐ نے ان کے اوپر پانی ڈالا اور اُن کو دعا دی۔ پھر حضرت فاطمہؑ کو بلایا۔ وہ بہت شرماتی ہوئی آئیں آپ نے فرمایا کہ میں نے تمھارا نکاح اُس سے کیا ہے جو میرے کنبہ میں مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے پھر آں حضرتؐ نے اُن پر بھی پانی ڈالا اور وہ واپس چلی گئیں۔

بوقت نکاح جناب فاطمہؑ کی کیا عمر تھی۔ اس میں اختلاف ہے جس طرح کہ اُن کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ ہمارے اصحاب کی اکثریت کے نزدیک جناب فاطمہؑ بعثت کے پانچ سال بعد پیدا ہوئیں۔ اس حساب سے جناب فاطمہؑ کی عمر بوقت نکاح نوؔ یا دسؔ یا گیارہؔ سال کی تھی کیونکہ تاریخ نکاح میں بھی اختلاف ہے تین روایتیں ہیں ہجرت سے ایک سال بعد یا دو سال بعد یا تین سال بعد۔

اسی طرح اس نکاح کے دن اور مہینہ میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن شہر آشوب مناقب میں لکھتے ہیں کہ یکم تاریخ ذی الحجہ کو نکاح ہوا۔ اور وداع بروز سہ شنبہ ۶ ذی الحجہ کو ہوئی۔ ابو الفرج نے لکھا ہے کہ صفر میں نکاح ہوا اور آخر شوال میں وداع ہوئی۔ ایک روایت ہے کہ نکاح رمضان کے مہینہ میں ہوا اور ذی الحجہ میں زفاف ہوا۔ علامہ سید محسن الامین الحسینی العاملی کی تحقیقات ہے کہ زفاف جمعرات کی رات کو محرم کی ۲۱ تاریخ کو ہوا۔

اس جلوس وداع کی استقبال کے لیے جس طرح حضرت علیؑ نے اپنے گھر کو سجایا تھا وہ بھی ذکر کرنے کے قابل ہے تمام گھر میں نرم ریت بچھا دی اور گھر میں جو چبوترہ تھا اس پر مینڈھے کی کھال ڈال دی۔ ایک تکیہ جس میں کھجور کے پتے تھے ایک پانی کی مشک، ایک آٹا چھاننے کی چھلنی۔ ایک پانی پینے کا پیالہ اور ایک تولیہ کی قسم کا کپڑا بس یہ سارا سامان تھا جو حضرت علیؑ نے اپنی دلھن کے لیے مہیا کیا تھا۔

یہ دنیا اسی قابل ہے کہ اس میں سادگی سے زندگی بسر کی جاوے۔

جناب رسالت مآبؐ فرمایا کرتے تھے کہ اگر علی نہ ہوتے تو فاطمہ کے لیے کفو نہ ملتا۔ یہ بالکل صحیح ہے اور جناب رسول خداؐ کو فاطمہؑ کے لیے ایسے ہی کفو کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ مشیت ایزدی میں قرار پا چکا تھا کہ آں حضرتؐ کی نسل جناب فاطمہؑ سے چلے۔ اور آپ کو اپنی اس اولاد سے اسلام کے لیے بہت کام لینا تھا۔ اور ایسی اولاد کہ جو دین خدا کے لیے وہ سر فروشیاں کرتی جو حسنین علیہم السلام و حضرت زینب و حضرت علی بن الحسینؑ وغیرہم نے کیں نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ حب خدا و نفرت کفر انھیں ماں و باپ دونوں کی طرف سے نہ ملتی تو وارثت خلال و کردار ایسا ہی اب مسلم ہو چکا ہے کہ جیسا توارث مال و دولت باپ سے بیٹے کی طرف علامہ ابن خلدون کہتے ہیں :-

"شرافت و حسب کا انحصار اخلاق و اطوار پر ہے۔ اور اچھا خاندان وہ ہے جس کے اسلاف و اجداد مشہور شریف ہوئے ہوں۔۔ بنی نوع انسان اپنی نسل و خاندان کے لحاظ سے معادن سے مشابہ ہیں چنانچہ حدیث میں آیا ہے الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ احساب و اخلاق نسب کی طرف رجوع ہوتے ہیں ۵۳"

جناب رسول خداؐ فرمایا کرتے تھے کہ میرا نور تخلیق آدم سے چودہ ہزار برس پہلے عرش الٰہی کے سامنے تسبیح و تقدیس الٰہی میں مشغول تھا۔ جب آدم پیدا ہوئے تو میرا نور ان کے صلب میں ودیعت کیا گیا۔ اس کے بعد میرا نور پاک و طاہر اصلاب و ارحام میں سے منتقل ہوتا ہوا صلب عبد المطلب میں آیا اور وہاں سے صلب عبداللہ پدر میں آگیا۔ ظاہر ہے کہ یہ نور کفر سے کوسوں دور ہوگا اور اس کی شرافت و نجابت مسلم ہے۔ جناب فاطمہؑ اسی نور کا ایک ٹکڑا تھیں۔ جناب خدیجہ آں حضرتؐ سے چوتھی پشت میں ملتی تھیں۔ علامہ ابن خلدون کی تحقیق کے مطابق ایک نورث کی شرافت و نجابت و خوبی کردار و خصائل چار پشتوں تک باقی رہتی ہے۔ علامہ مذکور

۵۳ مقدمہ تاریخ علامہ ابن خلدون۔ عربی۔ معرب فصل ۱۳ صفحہ ۱۳۴

فرماتے ہیں :-

"کوئی آدمی نہ نکلے گا کہ آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک اس کے آباء و اجداد علی الاتصال حسب و شرافت کے صدر نشین رہے ہوں۔ اگر کوئی ہے تو جناب رسالت مآب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں آں حضرتؐ کے تمام آباء و اجداد آدم علیہ السلام تک صاحب مجد و شرف ہوئے ورنہ جو شرافت قائم ہوئی اسی کو زوال ہوا — اور جب کسی قوم و خاندان میں عزو شرف کی بنیاد قائم ہوئی چار پشتوں سے زیادہ اس کو ثبات و قرار نہ ہوا [۳۱]"

ثابت ہوا کہ جناب خدیجہ اور آں حضرتؐ کے مورث اعلیٰ قصی کی شرافت و نجابت خدیجہ تک پہنچی اور وہ اُس کی وارث ہوئیں۔

حضرت فاطمہ جیسی نجیب و شریف دختر رسولؐ کے لیے جب تک شوہر بھی ایسا ہی نہ ہوتا تو اس کا نکاح ناممکن تھا جناب رسول خداؐ کے رشتہ داروں اور صحابہ میں سوائے علیؑ کے کوئی ایسا نہ تھا۔ حضرت علیؑ کے والد حضرت ابوطالب جناب عبداللہ والد رسول خداؐ کے ماں باپ کی طرف سے حقیقی بھائی تھے یہ شرف آں حضرتؐ کے کسی اور چچا کو نہ تھا حضرت علیؑ کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں۔ وہ جناب رسول اللہؐ سے صرف دوسری پشت میں ملتی تھیں۔ اور اسلام لانے والی عورتوں میں اُن کا نمبر دوسرا تھا یعنی حضرت خدیجہ کے بعد ہی پہلی عورت تھیں جو اسلام لائیں۔

حضرت ابوطالب کا قبول اسلام

سیاسی ضرورتیں بسا اوقات لوگوں کو حق چھپانے پر آمادہ کرتی ہیں۔ آں حضرتؐ کی رحلت کے بعد جو سیاسی تنازعات شروع ہوئے اُن میں اُس پارٹی کو جس نے اپنی حکمت عملی سے حکومت پر قبضہ کر لیا تھا۔ اپنی حیثیت قائم رکھنے کے لیے ضرورت

[۳۱] عربی مقدمہ تاریخ ابن خلدون - عربی - معرب فصل ۱۵ صفحہ ۱۳۷ - اردو ترجمہ مقدمہ تاریخ ابن خلدون فصل ۱۵ صفحہ ۱۲۳ حصہ اول

ہوئی کہ اصلی دعویدار خلافت یعنی حضرت علیؑ کے فضائل سے انکار اور اُن کے درجات عالیہ سے اغماض کرے اس کو ہم تفصیل سے البلاغ المبین میں بیان کر چکے ہیں۔ بدیہیات مثلاً نسب کی فضیلت، میدان جنگ کی شجاعت علم کی فراوانی کو چھپانا تو ناممکن تھا دیگر ذرائع سے علیؑ کے درجے کو کم کرنے کی کوشش کی گئی۔ اُن ذرائع میں سے آسان ذریعہ یہ تھا کہ اُن کے والد کے اسلام سے انکار کیا جاوے۔ چنانچہ اُس پارٹی کے مورخین آج تک یہ کہتے ہیں کہ ابوطالب ایمان نہیں لائے تھے۔ لیکن یہاں امعان نظر کی ضرورت ہے۔ حق چھپا نہیں رہے گا۔ ہم باب چہارم میں حضرت ابوطالب کا طرز عمل بیان کر چکے ہیں کہ کس جانفشانی محبت، خلوص نیت اور مذہبی شوق کے ساتھ انھوں نے آں حضرتؐ کی حمایت کی۔ اب ہم اُن کے اقوال بیان کرتے ہیں۔ یہ افعال اور یہ اقوال مل کر بغیر شک و شبہ کے ثابت کرتے ہیں کہ حضرت ابوطالب ابتدائے بعثت رسول ہی سے ایمان لا چکے تھے۔ اُن کے اشعار جو ہم نے سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر الجزء الاول صفحہ ۳۷۳ - ۳۷۵ سے نقل کیے ہیں یہ ہیں :-

۱ أَلَا أَبْلِغَا عَنِّي عَلَى ذَاتِ بَيْنِنَا — لُؤَيًّا وَخُصَّا مِنْ لُؤَيٍّ بَنِي كَعْبِ

۲ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّا وَجَدْنَا مُحَمَّدًا — نَبِيًّا كَمُوسَى خُطَّ فِي أَوَّلِ الْكُتُبِ

۳ وَأَنَّ عَلَيْهِ فِي الْعِبَادِ مَحَبَّةً — وَلَا خَيْرَ مِمَّنْ خَصَّهُ اللهُ بِالْحُبِّ

۴ وَأَنَّ الَّذِي أَلْصَقْتُمُ مِنْ كِتَابِكُمْ — لَكُمْ كَائِنٌ نَحْسًا كَرَاغِيَةِ السَّقْبِ

۵ أَفِيقُوا أَفِيقُوا قَبْلَ أَنْ يُحْفَرَ الثَّرَى — وَيُصْبِحَ مَنْ لَمْ يَجْنِ ذَنْبًا كَذِي الذَّنْبِ

۶ وَلَا تَتْبَعُوا أَمْرَ الْوُشَاةِ وَتَقْطَعُوا — أَوَاصِرَنَا بَعْدَ الْمَوَدَّةِ وَالْقُرْبِ

۷ وَتَسْتَجْلِبُوا حَرْبًا عَوَانًا وَرُبَّمَا — أَمَرَّ عَلَى مَنْ ذَاقَهُ حَلَبُ الْحَرْبِ

۸ فَلَسْنَا وَرَبِّ الْبَيْتِ نُسْلِمُ أَحْمَدًا — لِعَزَّاءَ مِنْ عَضِّ الزَّمَانِ وَلَا كَرْبِ

۹ وَلَمَّا تَبِنْ مِنَّا وَمِنْكُمْ سَوَالِفٌ — وَأَيْدٍ أُتِرَّتْ بِالْقَاسِيَّةِ الشُّهْبِ

۱۰ بِمُعْتَرَكٍ ضَيْقٍ تَرَى كِسَرَ الْقَنَا — بِهِ وَالنُّسُورَ الطُّخْمَ يَعْكُفْنَ كَالشَّرْبِ

۱۱ كَأَنَّ مُجَالَ الْخَيْلِ فِي حَجَرَاتِهِ — وَمَعْمَعَةَ الْأَبْطَالِ مَعْرَكَةُ الْحَرْبِ

۱۲ أَلَيْسَ أَبُونَا هَاشِمٌ شَدَّ أَزْرَهُ — وَأَوْصَى بَنِيهِ بِالطِّعَانِ وَبِالضَّرْبِ

وَلَسْنَا نَمَلُّ الْحَرْبَ حَتّٰی تَمَلَّنَا ۱۳ وَلَا نَشْتَکِی مَا قَدْ یَنُوْبُ مِنَ النَّکْبِ

وَلٰکِنَّنَا اَھْلُ الْحَفَائِظِ وَالنُّھٰی ۱۴ اِذَا طَارَ اَرْوَاحُ الْکُمَاۃِ مِنَ الرُّعْبِ

ترجمہ اشعار

(۱) اے (میرے دونوں قاصدو) میری طرف سے لوی کو اور بالخصوص لوی بن کعب کو پیغام پہنچا دو اس بارے میں جو ہمارے اور ان کے درمیان نزاع قائم ہو چکی ہے۔

(۲) کیا تم نہیں جانتے کہ ہم نے حضرت محمد کو ویسا ہی نبی برحق پایا جس طرح حضرت موسیٰ نبی برحق تھے جن کا تذکرہ کتب سابقہ میں بھی آچکا ہے۔

(۳) اور حقیقت یہ ہے کہ تمام لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ جس کو خدا نے اپنی محبت کے لیے مخصوص کر لیا ہو۔ اس سے بہتر کون ہو سکتا ہے۔

(۴) اور تم اپنے جس لکھے ہوئے پر اڑے ہوئے ہو (یعنی تم نے اپنے تئیں اس کا پابند بنا رکھا ہے) وہ تمھارے لیے ایسا ہی منحوس ہے کہ جس طرح ناقہ صالح کی فریاد (قوم صالح کے لیے)

(۵) ہوش میں آؤ۔ ہوش میں آؤ۔ قبل اس کے کہ تمھاری قبریں بنیں۔ اور بے قصور بھی مثل قصور والوں کے پس جاویں۔

(۶) چغلخوروں کی باتوں میں مت آؤ۔ اور ہماری رشتہ داری و دیرینہ محبت کو قطع نہ کرو۔

(۷) اور گھمسان کی لڑائی کے لیے جلدی مت کرو۔ کہ بسا اوقات نبرد آزما لوگوں کے لیے بھی ناقۂ جنگ کا دودھ دوہنا مشکل ہو جاتا ہے۔

(۸) رب بیت کی قسم۔ ہم ہرگز احمد کو تمھارے سپرد نہ کریں گے چاہے زمانہ کتنا ہی سخت گزرے اور شدائد زمان کتنا ہی پریشان کریں۔

(۹) جب تک کہ ہماری اور تمھاری گردنیں جدا نہ ہو جائیں اور ہاتھ چمکتی ہوئی تلواروں سے نہ اُڑ جائیں۔

(۱۰) اور جب تک کہ شدت جنگ کے سبب تو نیزوں کو ٹکڑے ٹکڑے نہ دیکھ لے اور (گھاٹ پر) پانی پینے والوں کے ہجوم کی طرح کالے کالے گدھوں کو منڈلاتا ہوا (نہ دیکھ لے)

(۱۱) گویا کہ اس کے گرد گھوڑے کاوا دے رہے ہوں۔ اور بہادروں کے ہمہمے میدان جنگ میں گونج رہے ہوں۔

(۱۲) کیا ہمارے باپ (جدّ) ہاشم ہمیشہ (جنگ کے لیے) کمربستہ نہ تھے اور کیا انھوں نے اپنی اولاد کو نیزہ بازی اور شمشیر زنی کی وصیت نہ کی تھی۔

(۱۳) اور ہم کبھی جنگ سے نہیں اُکتاتے بلکہ جنگ ہی ہم سے کتراتی ہے اور تھک جاتی ہے۔

(۱۴) ہم لوگ (میدان جنگ میں بھی) ہر طرح کی حفاظت اور عقل و ہوش و حواس کے مالک (قائم رکھنے والے) ہوتے ہیں جبکہ خوف کے مارے بڑے بڑے بہادروں کی روحیں پرواز کر جاتی ہیں۔

کون ہے جو حضرت ابوطالب کی ان جانفشانیوں کو دیکھتے ہوئے اور ان کے ان خیالات کو سنتے ہوئے جن کو جوش عقیدت دل کی گہرائیوں میں سے نکال کر زبان پر اشعار کی شکل میں لے آیا یہ کہہ دے گا کہ ابوطالب مسلمان نہ تھے اُمیہ نوازی کے سایہ میں جو تاریخ اسلامی نے اپنا رنگ و روپ نکالا ہے یہ اُس کی وجہ ہے کہ آج چند آدمی یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ابوطالب کا فر مرے۔ ورنہ حق تو مخالفین کے بھی سر چڑھ کر بولا ہے۔ چنانچہ سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ بوقت رحلت حضرت ابوطالب کلمۂ توحید پڑھ رہے تھے اور عباس نے جو کان لگا کر سُنا تو معلوم ہوا کہ آپ جناب رسول خدا کی رسالت اور خدا کی وحدانیت کا اقرار کر رہے تھے [۱۳]

ایک اور موقع پر حضرت ابوطالب فرماتے ہیں:-

ودعوتنی وعلمت انك صادق ولقد صدقت وكنت ثم امینا

ولقد علمت بان دین محمد من خیر ادیان البریة دینا

ترجمہ:- تو نے اے محمد مجھ کو دعوت دین دی میں جانتا ہوں کہ تو سچا ہے پہلے بھی تو سچ ہی بولتا تھا اور امین تھا۔

بہ تحقیق میں نے جان لیا کہ محمد کا دین دنیا کے تمام دینوں سے بہتر ہے۔

ان اشعار کو ثعلبی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

---

[۱۳] سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر الجزء الثانی ص۲۷

قد اتفق علی صحۃ نقل ھذہ الابیات عن ابی طالب مقاتل وعبداللہ ابن عباس والقاسم بن مخیمرۃ وعطا بن دینار۔

یعنی ان ابیات کے ابوطالب کے کلام ہونے پر مقاتل وعبداللہ ابن قاسم بن مخیمرہ وعطاء بن دینار نے اتفاق کیا ہے۔ اور ان اشعار کو حضرت ابوطالب کا کلام کہہ کر ابوالفداء نے اپنی تاریخ ج ۱ ص۱۲۰ میں نقل کیا ہے۔ چنانچہ ابوالفداء کہتا ہے کہ ابوطالب کے اشعار میں سے ایک شعر یہ ہے جو ثابت کرتا ہے کہ وہ آں حضرتؐ پر ایمان لائے تھے۔

"ودعوتنی وعلمت انک صادق۔ البیت"

سیرۃ حلبیہ میں بھی حضرت ابوطالب کے قصیدہ کو نقل کیا ہے دیکھو سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص۱۳۵ اس قصیدہ میں تقریباً ۴۰ اشعار ہیں۔ بوجہ طوالت ہم اس کو یہاں درج نہیں کرتے۔ اس کا ایک شعر یہ ہے:۔

وابیض یستسقی الغمام بوجہہ   ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

اس قصیدہ کی نسبت سیرۃ الحلبیہ میں لکھا ہے کہ اس کی وجہ سے حضرت ابوطالب کا اسلام لانا ثابت کیا جاتا ہے۔ اس پورے قصیدہ کو ابن ہشام نے سیرۃ النبی میں یہ کہہ کر نقل کیا ہے کہ اس کا کلام ابی طالب ہونا بغیر شک وشبہ کے ثابت ہے دیکھو سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر الجزء الاول ص۲۸۶ لغایت ص۲۹۸۔ کتاب لب لباب لسان العرب میں بھی یہ قصیدہ درج ہے۔ آلوسی نے بلوغ الارب ج ۱ ص۳۵۹ طبع اول میں نقل کیا ہے علامہ دحلانی نے اسنی المطالب میں ص۱۱ پر اس کے بہت سے اشعار نقل کیے ہیں اور وہ کہتے ہیں قال ابن کثیر ھذہ القصیدۃ بلیغۃ جداً لا یستطیع ان یقولھا الا من نسبت الیہ وھی افحل من المعلقات السبع وابلغ فی تادیۃ المعنی یعنی ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ نہایت بلیغ قصیدہ ہے کوئی اور شخص اس کے کہنے پر قادر نہیں سوائے اس کے کہ جس کی طرف یہ منسوب ہے یعنی حضرت ابوطالب اور یہ قصیدہ سبع معلقات سے زیادہ فصیح وبلیغ ہے۔

شرح ابن الحدید میں بھی یہ قصیدہ درج ہے۔ صاحب ناسخ التواریخ نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ اس قصیدہ کو پڑھنے کے بعد حضرت ابوطالب کے اسلام میں

کچھ شک باقی نہیں رہتا۔

علامہ شبلی اپنی سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں۔

"ابوطالب کی وفات کے وقت آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ پہلے سے موجود تھے۔ آپ نے فرمایا "مرتے مرتے لا الہ الا اللہ کہہ لیجیے کہ میں خدا کے ہاں آپ کے ایمان کی شہادت دوں" ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا۔ ابوطالب کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے"! بالآخر ابوطالب نے کہا "میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں" پھر آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف خطاب کر کے کہا "میں وہ کلمہ کہہ دیتا لیکن قریش کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا آپ نے فرمایا "میں آپ کے لیے دعائے مغفرت کروں گا جب تک کہ خدا مجھ کو اس سے منع نہ کر دے"۔

یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباس نے (جو اس وقت تک کافر تھے) کان لگا کر سنا تو آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا کہ تم نے جس کلمہ کے لیے کہا تھا ابوطالب وہ ہی کہہ رہے ہیں۔

اس بنا پر ابوطالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح تر مانی جاتی ہے اس لیے محدثین زیادہ تر ان کے کفر ہی کے قائل ہیں۔

لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چنداں قابل حجت نہیں کہ اخیر راوی مسیب ہیں جو فتح مکہ میں ایمان لائے اور ابوطالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے ابن اسحٰق کے سلسلۂ روایت میں عباس بن عبداللہ بن معبد اور عبداللہ بن عباس ہیں۔ یہ دونوں ثقہ ہیں لیکن بیچ کا ایک راوی یہاں بھی رہ گیا ہے اس بنا پر دونوں روایتوں کے درجۂ استناد میں چنداں فرق نہیں۔

ابوطالب نے آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے جو جاں نثاریاں کیں اس سے کون انکار کرسکتا ہے۔ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پہ نثار کرتے تھے۔ آپ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا۔ آپ کی خاطر محصور رہے، فاقے اٹھائے، شہر سے نکالے گئے تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت، یہ جوش، یہ جان نثاریاں سب ضائع جائیں گی؟ [۳۲]

بہت کم ایسا ہوا ہے کہ مولوی شبلی کے قلم سے کلمۂ حق نکلا ہو۔ لیکن اس موقع پہ قدرت نے ان کے قلم کو مجبور کرکے ان سے کلمۂ حق لکھوا ہی لیا۔ اور اگر خدا نے وقتاً فوقتاً مذہب حقہ کی اس طرح مدد نہ کی ہوتی تو آج کو مذہب شیعہ باقی ہی نہ رہتا۔

اوّل تو بخاری کی روایت لیجیے۔ اسی ہی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالب نے اپنے اسلام کا اعلان کردیا۔ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ کلمۂ شہادت پڑھو۔ کفار نے کہا کہ نہ پڑھو۔ حضرت ابوطالب نے اعلان کیا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں۔ بیٹے کو پتہ تھا کہ باپ کا کیا دین تھا۔ آپ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچا نبی و رسول مانتے ہیں یا نہیں۔ اگر مانتے ہیں تو یہ متفقہ امر ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرا نور تخلیق آدمؑ سے ہزارہا سال قبل خلق کیا گیا۔ اور پھر صلب آدمؑ میں رکھا گیا۔ اس کے بعد اصلاب طاہرہ اور ارحام مطہرہ میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ اس نے صلب عبداللہ میں قرار پکڑا اور رحم آمنہ میں منتقل ہوا۔ اب فرمائیے کہ بدترین نجاست کفر ہے یا نہیں۔ اس سے زیادہ ضرر رساں تو کوئی اور نجاست ہی نہیں۔ آں حضرتؐ کی اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ آں حضرتؐ کے آبا و اجداد میں کوئی بھی کافر نہ تھا۔ لہٰذا حضرت عبدالمطلب کافر نہ تھے۔ دینِ ابراہیمی پر قائم تھے۔ حضرت ابوطالب نے کہا کہ میں دینِ عبدالمطلب پر مرتا ہوں۔ نتیجہ نکلا کہ وہ مسلمان مرے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ میں آپ کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا۔ یہ پیغمبر کی شان سے اور اس کی عدالت سے بعید ہے کہ ایک کافر کے لیے دعائے مغفرت کرے۔ دعائے مغفرت امید مغفرت پر کی جاتی ہے۔

---

[۳۲] شبلی - سیرۃ النبی جلد اول حصہ اول تقطیع کلاں ص۱۸۰ ص۱۸۱

ایک کافر کے لیے پیغمبر خدا کو امید مغفرت نہیں ہوسکتی تھی۔ اگر ایک کافر کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں تو دوسرے کافروں کے لیے کیوں نہ کریں۔ حضرت حمزہ ایمان نہ لاتے، حضرت ابوبکر ایمان نہ لاتے۔ عباس ایمان نہ لاتے آں حضرت کی حفاظت کرتے رہتے۔ ایمان نہ لاتے۔ آں حضرتؐ سے کہتے کہ ہمارے لیے دعائے مغفرت کرو۔ کس منہ سے آں حضرتؐ انکار کرتے۔

اگر حضرت ابوطالب کا ایمان بتوں پہ ہوتا۔ اُن کو اپنا خدا سمجھتے۔ جناب رسول خدا اُن بتوں کو بُرا بھلا کہتے تھے۔ پتھر کے ٹکڑے بتاتے تھے تو خدا سے بہتر تو بھتیجا نہ ہوتا۔ ایسے بھتیجے کی کیوں حفاظت کرتے جو اُن کے خداؤں ہی کی جڑیں اُکھاڑ رہا تھا اگر خود نہ قتل کرتے صرف حمایت ہی اُٹھا لیتے تو قریش آں حضرتؐ کو قتل کردیتے۔ حضرت ابوطالب کے (معاذ اللہ) خدا تو بچ جاتے۔

حضرت عبدالمطلب کا دین ابراہیمی پر قایم رہنا کون سی محال بات تھی۔ یہ مورخین کی تحقیقات ہے کہ آں حضرتؐ کی بعثت سے قبل عرب میں چند آدمی دینِ ابراہیمی پر نظر آتے تھے۔ مولوی شبلی نے چار نام گنوائے۔ ورقہ بن نوفل۔ عبداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث اور زید بن عمرو بن نفیل کہتے ہیں کہ پہلے تین آدمی بعد میں عیسائی ہوگئے۔ زید بن عمرو بن نفیل چونکہ حضرت عمر کے چچا تھے اُن کی طرف سے خاموشی اختیار کرلی۔ بلکہ یہ فرمایا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں دین ابراہیمی پر ہوں۔ شبلی صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ آں حضرتؐ نے نبوت سے پہلے زید کو دیکھا تھا اور ان سے صحبت رہی تھی۔ کہنا تو اس سے آگے بھی چاہتے تھے لیکن رک گئے۔ آں حضرتؐ کو صرف زید کی صحبت ہی کا فخر دلوایا ہے دل تو یہ چاہتا تھا کہ کہہ دیں کہ اصول توحید آں حضرتؐ نے زید ہی سے سیکھے جس طرح عیسائیوں نے کہا کہ بنی اسرائیل کے انبیا کا علم آں حضرتؐ کو بحیرہ راہب سے حاصل ہوا۔ بہرصورت اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں بات صاف ہے۔ اگر حضرت عمر کے چچا موحد، دینِ ابراہیمی کے پیرو ہوسکتے تھے تو آں حضرتؐ کے دادا کا دین ابراہیمی پر ہونا کون سی بڑی بات تھی۔

یہ بھی آپ نے غور کیا۔ صرف بخاری کی روایت کی وجہ سے لوگ

حضرت ابوطالب کے کفر کے قائل ہیں۔ اور بخاری کی روایت خود بقول علامہ شبلی مجروح ہے۔ تو حضرت ابوطالب کے مفروضہ کفر کا سارا بھانڈا پھوٹ گیا۔

غرض کہ حضرت ابوطالب کا مسلمان مرنا ثابت ہے۔

مکہ و مدینہ میں اُس زمانے کا طرز رہائش اور جناب فاطمہؑ کا روزانہ معمول زندگی

پُرانے زمانے کے مورخین خواہ وہ عرب و ایران کے ہوں یا یونان و روم کے اپنی تاریخوں میں قوموں کے طرز رہائش اور روزانہ معمولی زندگی کو بیان نہیں کرتے تھے۔ آج کل ان امور کو بہت دلچسپ اور تاریخ کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس وجہ سے زمانہ حال کے مورخین کو بہت مشکلیں درپیش آتی ہیں اور وہ ان امور کو اُس زمانے کے شاعروں کے کلام، گویّوں کے گیتوں، قصہ نویسوں کے کہانیوں اور بادشاہوں کے درباروں کے حالات اور لڑائیوں کی تفصیلات میں سے ڈھونڈھ کر نکالتے ہیں۔ چنانچہ اس کے لیے الف لیلہ کے قصوں اور عقد الفرید اور کتاب الاغانی جیسی کتابوں سے بہت مدد ملتی ہے۔ لڑائیوں کی تفصیلات بھی مدد دیتی ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں افواج کے ساتھ عورتوں کے قافلہ کا ہونا ضرور تھا۔ لیکن اسلام نے اس رسم کو جاری نہ رکھا اگرچہ عورتوں کا اپنے خاوندوں کے ہمراہ لڑائیوں میں جانا اسلام کے زمانے میں بھی جاری تھا۔ جناب رسول خدا اکثر اپنی ازواج کو ہمراہ لے جاتے تھے۔ مدینہ کے قریب جنگ احد ہوئی۔ وہاں مسلمانوں کی عورتیں اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کے لیے آ گئی تھیں۔ ان امور سے اُس زمانے کے حالات اور عورتوں کے خصوصیات کا بہت پتہ چلتا ہے۔ ایسے ہی امور سے جو حالات معلوم کیے گئے ہیں وہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

جن لوگوں نے تاریخ اسلام کو بہ نظر غور دیکھا ہے۔ اور اس کے واقعات کو اُن کے اسباب کے ساتھ ملا کر تاریخ اسلام کا تسلسل قایم کیا ہے اُن پر واضح ہو گا کہ جناب رسول خدا کی رحلت پر سیاسی انقلاب ہی نہیں ہوا بلکہ معاشی و مذہبی انقلاب بھی نہایت سرعت کے ساتھ بہت وسیع پیمانے پر ہوا۔ جناب رسول خدا کی

رحلت تک مسلمانوں کی زندگی نہایت سادہ تھی اُن کی ضرورتیں کم تھیں۔ غریبی و امیری کا فرق نہ تھا۔ اصحاب صفہ کی ایسی ہی قدر تھی کہ جیسے اور مسلمانوں کی۔ گانے والی پیشہ ور عورتوں کا نام و نشان نہ تھا۔ عورتیں باہر مقنع و چادر میں آتی جاتی تھیں۔ لیکن مردوں کی محفل میں بیٹھ کر اُن سے شعر و شاعری کی لڑائیاں نہیں لڑتی تھیں۔ بڑے بڑے صحابہ کے مکان دھوپ میں سوکھی ہوئی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے اوپر سے مٹی کا پلاسٹر ہو جاتا تھا۔ چھتوں پر کھجور کے پتے اور تنے ڈال دیے جاتے تھے اسی طرح اسلام کی پہلی مسجد بنائی گئی تھی۔

مکانات یک منزلہ ہوا کرتے تھے۔ صحن وسیع رکھا جاتا تھا اور اس میں کنواں ضرور ہوا کرتا تھا۔ جناب فاطمہ زہرا جو اپنے گھر کا پانی بھرتی تھیں وہ اپنے ہی گھر کے کنویں سے بھرتی تھیں۔ صحن میں ایک چبوترہ بھی ہوتا تھا۔ تقاریب پر مہمان آن کر اس پر بیٹھا کرتے تھے اور ایسے موقعوں پر تمام گھر میں ریت بچھا دی جاتی تھی۔ مکان کا ایک ہی دروازہ ہوتا تھا۔ اندر کچی کمرے کچی دیواروں کے ہوتے تھے لیکن اُن میں کھڑکیاں نہیں ہوتی تھیں۔ اکثر لوگ اونٹ یا گھوڑا گھر میں رکھتے تھے۔ اس کی جگہ مکان رہائش ہی میں ہوتی تھی۔ عام طور سے ڈیوڑھی بڑی ہوتی تھی۔ اُس میں ہی وہ باندھ دیا جاتا تھا۔ اگر اونٹنی یا گھوڑی ہوا کرتی تھی تو وہیں بچہ دیتی تھی۔ اُن کی خدمت خاص طور سے کی جاتی تھی۔ چمڑے کا بڑا ٹکڑا ہوا کرتا تھا۔ اُس پر ہی اونٹ یا گھوڑے کو دانا کھلایا جاتا تھا۔ جناب فاطمہؑ اور حضرت علیؑ کے حالات میں روایت درج ہے کہ اس چمڑے پر دن کو اونٹ کو دانا دیتے تھے اور رات کو وہی چمڑے کا ٹکڑا بستر کا کام دیتا تھا۔

زمانۂ جاہلیت میں اور اُس کے بعد اسلام میں بھی غلامی کا دستور عام تھا عرب میں کیا بلکہ ساری دنیا میں غلامی کا دستور اجتماعی زندگی کا رکن اعظم تھا۔ اور وہ لوگ جنھوں نے بنی نوع انسان کی معاشی زندگی کے مراحل کا بغور مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ رسوم و رواج اپنے زمانے کی ضروریات زندگی سے پیدا ہوتی ہیں اور آیندہ کے آنے والوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کہیں کہ فلاں زمانے کی فلاں رسم احمقانہ یا ظالمانہ تھی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جب کچھ عرصہ جاتا ہے

زمانے کے حالات بدل جاتے ہیں لیکن وہ رسوم و رواج اس وجہ سے کہ لوگ اس کے عادی ہوگئے ہیں جاری رہتے ہیں۔ اور پھر اگر اُن سے کوئی فریق ناجائز فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے تو وہ ظالمانہ بھی ہوجاتے ہیں اور اگر زمانہ بالکل ہی بدل جاتا ہے اور وہ رسوم و رواج پھر بھی جاری رہتے ہیں تو احمقانہ بھی نظر آنے لگتے ہیں لیکن یہ قصور رسوم و رواج کا نہیں ہوتا بلکہ اُن لوگوں کا ہوتا ہے جو اب بغیر ضرورت کے بھی محض اپنے فائدہ کے لیے اُن کو جاری رکھتے ہیں ایک وہ زمانہ تھا کہ غلامی نہایت ضروری تھی۔ حالات کا تقاضہ تھا کہ غلامی ہو قبائل اور قوموں کی نقل و حرکت مکانی لازمی تھی اور وہ بڑے پیمانے پر جاری تھی ابھی بہت سے لوگ پُرامن زندگی کے عادی نہیں ہوئے تھے۔ حالات ہی ایسے تھے کہ پُرامن زندگی ناممکن تھی۔ ضروریات زندگی تصادم متواتر پر مجبور کرتے گئے۔ کہیں عورتیں کم تھیں۔ کہیں مزروعہ زمین کم تھی۔ کہیں پانی کافی نہ تھا۔ کہیں چراگاہیں کافی نہ تھیں یا اُن کی سبزی ختم ہوگئی تھی۔ یا عورتیں بڑھتے ہوئے مردوں کے لیے کافی نہ تھیں۔ اندریں حالات بڑے بڑے قبائل اور قومیں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے پر مجبور ہوجاتی تھیں۔ بنواسرائیل کی دشت نوردی اور حضرت ابراہیمؑ کا نقل مکانی کرکے مکہ کو آباد کرنا جن کا قرآن شریف میں بھی ذکر ہے اسی قسم کی نوآبادی کی مثالیں ہیں جن کا تذکرہ ہم نے اوپر کیا ہے۔ اس قسم کی نقل و حرکت کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ دوسرے قبائل اور دوسری قوموں سے تصادم واقع ہوتا۔ یہ بڑے پیمانے کی لڑائیوں کی ابتدا تھی چھوٹے پیمانے کی لڑائیاں تو آپس میں پاس رہنے والے قبائل سے اکثر ہوا کرتی تھیں لڑائیوں میں عورتوں و مردوں کی گرفتاری لازمی تھی اب سوال پیدا ہوا کہ ان بے شمار اسیران جنگی کا کیا جاوے۔ اگر اُن کو آزاد کردیتے ہیں تو پھر ایک دوسری لڑائی کا بیج بوتے ہیں سب کو یک قلم تہ تیغ کرنا اگرچہ کچھ عرصہ تک زیر امتحان آیا لیکن بہترین حل ثابت نہ ہوا۔ خود اُن قیدیوں نے تجویز پیش کی کہ ہم سب کو متفرق کردو۔ ہم سے نہ اب تم کو کوئی ڈر رہے گا۔ اور نہ خطرے کا امکان ہوگا اور ہم تمھاری خدمت کریں گے تم ہم کو محض روٹی کپڑا دینا۔ اس مشکل کا یہ ہی حل ہوسکتا تھا لہٰذا فریقین نے

قبول کیا۔ یہ غلامی کی ابتدا تھی۔ اور اس زمانے کے حالات کے زیر نظر بہت سی تکالیف کا یہ بہترین حل تھا۔ انسان کی ابتدائی کوشش رزق حاصل کرنا تھا۔ اُس زمانے میں یہ ہی ایک کام تھا۔ اور مشکل کام تھا۔ اتنے پیشے نہ تھے اتنی مصنوعات نہ تھیں اتنے مشاغل نہ تھے اور اتنا روپیہ نہ تھا کہ سب لوگ متفرق کام کرکے اپنا گزارہ کرتے۔ وحشیانہ زندگی کا مرحلہ طے کرنے کے بعد تو پھر زراعت اور محض معمولی ضروریات جو زراعت کے لیے درکار ہوں انسان کے رزق حاصل کرنے کا ذریعہ رہ جاتے ہیں۔ اور یہ ہر ایک آدمی کے بس کی بات نہ تھی۔ لہٰذا اس غلامی کی وجہ سے ہزاروں خاندانوں کو رزق کی طرف سے اطمینان ہوگیا یہ بڑی بات تھی۔ گھر بھی مل جاتا تھا دشمنوں سے امن بھی مل جاتا تھا۔ اگر رحمدل اور عادل آقا کا خاندان مل گیا تو پھر کسی چیز کی تکلیف ہی نہ تھی۔

کنیز عورتوں کی شادی اپنے آدمیوں میں بھی ہوجاتی تھی اور بسا اوقات آقا اس کو اپنی ہم بستری کے لیے پسند کرلیتا تھا۔ مرد غلام اپنی زیرکی اور عقلمندی وحسن تدبیر سے خاندان میں بڑا رسوخ حاصل کرلیتا تھا۔ اور آقا کا دست راست ہوجاتا تھا۔ ایسی غلامی میں فرمایئے کیا حرج ہے۔

وہ گھر نہایت آرام و خوشی سے زندگی گزارتے ہوں گے بہ نسبت آج کل کے متوسط الحال اور غریب لوگوں کے۔ غریب کو پیٹ بھر کے روٹی نہیں ملتی۔ پراگندہ روزی، پراگندہ دل۔ پریشان رہتا ہے۔ متوسط الحال لوگوں کو نوکر نہیں ملتے سب آزاد ہیں۔ اور مادر و پدر آزاد ہیں کوئی کسی کی کیوں اطاعت کرے۔ اس زمانے کی غلامی ایسی ہوتی تھی کہ جس کی نسبت کہا جاسکتا ہے ؎

عقل اگر داند کہ دل در بند زلفت چوں خوش است
عاقلاں دیوانہ گردند از پئے زنجیر ما

لیکن اب یہ زمانہ پلٹا کھاتا ہے۔ اور امرا و تجار غلاموں کی تجارت شروع کردیتے ہیں۔ اور اُن سے زیادہ سے زیادہ روپیہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور کم سے کم اُن پر خرچ کرتے ہیں۔ یہ وہ ہی حالت ہے اور وہی ذہنیت ہے جو ہم روز دیکھتے ہیں کس بے رحمی کے ساتھ یہ لوگ اپنے گاڑی کے گھوڑوں

اور گدھوں اور ہل کے بیلوں سے کام لیتے ہیں۔ جب غلاموں کو جانور سمجھا جانے لگا تو واقعی غلامی بدترین ظالمانہ اور احمقانہ رواج کا نتیجہ ثابت ہوئی۔

اسلام نے اس کی اصلاح کی۔ اور بتایا کہ جس ابتدائی حالت میں غلامی شروع ہوئی تھی اُسی طرح اس کو رکھو۔ ورنہ چھوڑ دو۔ اسلام نے غلام اور لونڈیوں کی خرید و فروخت قطعاً بند کردی۔ اگر کوئی کہے کہ اسلام نے اگر غلاموں کی خرید و فروخت بند کردی ہوتی تو بنو امیہ و بنو عباس کے زمانے میں جو یہ تجارت عام ہوگئی ایسا نہ ہوتا۔ یہ تو وہی بحث ہے کہ اسلام نے شراب پینا اگر بند کردیا ہوتا تو بنو امیہ بنو عباس کے زمانے میں شراب رائج نہ ہوتی۔ ظاہر ہے کہ یہ بحث غلط ہے۔ اسلام نے کسی صورت میں بھی غلاموں کی خرید و فروخت کی اجازت نہیں دی محض اُن غلاموں اور لونڈیوں کو رکھنے کی اجازت ہے جن کی نسبت کہا جاسکے کہ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔ جن پر تمھارے داہنے ہاتھوں یعنی تلوار چلانے والے ہاتھوں نے قبضہ کرلیا ہے۔ قرآن شریف میں غلامی کا ذکر فقط ان ہی الفاظ سے ہوا ہے۔ اسلام نے محض جنگی اسیروں کو قیدی بنانے کی اجازت دی۔ بلکہ اُن کا فدیہ لینا بھی جائز نہیں فدیہ لے کر چھوڑنے میں بھی خرابی تھی کہ وہ دوبارہ اپنی قوم میں جاکر مسلمانوں سے انتقام لینے میں اور زیادہ سرگرم ہوتے۔ شارع علیہ السلام کو علم تھا کہ یہ ایک ایسا دستور ہے کہ بہت جلد امراء و تجار کی کوششوں سے بُرے نتائج پیدا کرے گا لہذا قرآن شریف میں اور فقہ اسلام میں غلام کو آزاد کرنا، تحریر رقبہ، ایک نیکی قرار دیا گیا کہ جس کا بدلہ و ثواب خدا کے یہاں ملے گا۔ وہ لوگ جو زمانۂ حال کے اثر میں آن کر کہتے ہیں کہ اسلام کے اصول زمانۂ حال کے مطابق نہیں غور کریں کچھ عرصہ کے لیے قیدی تو بنالو جب وہ تم میں گھل مل جائے تم کو اُس کی طرف سے اطمینان ہوجائے تو اُسے آزاد کردو۔ اس طرح وہ آزاد بھی ہوگئے۔ اور تمھارے خیرخواہوں کی ایک جماعت بھی بن گئی۔ یہ سلوک بہتر ہے یا وہ سلوک بہتر ہے جو آج کل دشمنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ وہ کیا کرتے ہیں؟ ہم بتاتے ہیں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ لڑنے والوں کو تو دُور سے گولوں اور بموں سے نیست و نابود کردیتے ہیں یہ ایسا ہی ہوا کہ جیسا سب قیدیوں کو ایک لائن میں

اکٹھا کر کے تہ تیغ کردیا۔ یہ بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔ بلکہ گھروں میں بیٹھے ہوئے عورتوں، بچّوں اور بوڑھوں کو بموں سے اُڑا دیا جاتا ہے کھیتی برباد کی جاتی ہے۔ عمارتوں، پُلوں، باغوں، سڑکوں اور کھیتوں کو برباد کیا جاتا ہے اور اس کا نام Scorch Earth Policy رکھا جاتا ہے۔ یہ تو سب کچھ اچھا کیونکہ زمانہ حال میں ہوتا ہے اور وہ غلامی جس میں آقا اور خادم میں فرق نہ ہو وہ بری کیونکہ گزرے ہوئے زمانہ کی بات ہے خدا اس ذہنی اور تعلیمی غلامی سے بچائے۔ اسلام نے غلامی کی وہ مبالغہ آمیز نیرنگیوں کو منع کردیا جو ثروت و دولت و غرور و پندار کا نتیجہ تھیں اور اُن اچھائیوں کو لے لیا جو اجتماعی زندگی کی جان تھیں۔ اگر آں حضرتؐ کے زمانے کی وہ سادہ زندگی اور غلامی آج تک موجود رہتی تو وہ بدرجہا بہتر تھی اس فیشن ایبل آزادی سے جس میں سے ہم گزر رہے ہیں۔

اگرچہ اُس زمانے میں لونڈی غلاموں کا رواج تھا لیکن مکہ و مدینہ میں ان کی تعداد بہت کم تھی۔ آں حضرتؐ کے زمانے میں صرف ایک یا دو لڑائیوں میں لونڈی غلاموں کا حاصل ہونا پایا جاتا ہے لیکن کسی روایت سے ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت علیؑ کے پاس کوئی اور لونڈی سوائے فضہ کے تھی اور فضہ فتح خیبر کے بعد آئی تھیں یمن کی سریہ پر جب حضرت علیؑ ۵ھ ہجری کے آخر میں بھیجے گئے تو وہاں کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیدیوں میں سے ایک لونڈی حضرت علیؑ نے اپنے لیے منتخب کی تھی جس پر حضرت خالد ابن ولید کے اشارے سے چار آدمیوں نے واپس آن کر آں حضرتؐ سے شکایت کی آں حضرتؐ کا چہرہ غصے کے مارے لال ہوگیا۔ اور آپ نے حدیث ولایت سے اُن چغلخوروں کو جواب دیا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ جو لونڈی یا غلام حضرت علیؑ کے حصہ میں آتا تھا اُس کو بہت جلد آزاد فرما دیتے تھے کیونکہ لونڈی غلاموں کا آزاد کرنا اسلام میں کارِ خیر سمجھا جاتا ہے۔ بہرصورت حضرت فضہ کے علاوہ زمانۂ حیات جنابِ فاطمہؑ میں کسی اور لونڈی کا نام نہیں آتا۔ لہذا ہم اصول تاریخ نویسی کو مدنظر رکھ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ فضہ کے علاوہ اور بھی کوئی لونڈی جناب فاطمہؑ کے پاس تھی حضرت فضہؑ فتح خیبر کے بعد آئی ہیں اور جناب رسولِ خداؐ نے یہ حکم دیا تھا کہ ایک دن گھر کا

کاروبار فضہ کیا کرے اور ایک دن جناب فاطمہؑ کیا کریں۔ غلامی میں یہ عدل تھا۔
وہ روایت نہایت صحیح اور مسلمہ فریقین ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؑ کو
گھر کا سارا کام کرتے ہوئے دیکھ کر اور اُن کی اذیت کو ملاحظہ فرما کر حضرت علیؑ نے
جناب فاطمہؑ سے فرمایا کہ کیا اچھا ہوتا کہ تم اپنے والد سے ایک لونڈی مانگ لیتیں
اب تو وہاں لونڈیاں آنے لگی ہیں۔ اس درخواست کا جواب دربار رسالت سے
یہ ملا کہ میں تم کو ایک ایسی بات کیوں نہ بتا دوں جو لونڈی اور غلاموں سے بہتر ہو۔
انھوں نے عرض کیا کہ فرمایئے۔ آں حضرتؐ نے اس پر وہ تسبیح تعلیم فرمائی جو
تسبیح فاطمہؑ کے نام سے مشہور ہے۔ اس روایت کو ابن حجر نے الاصابۃ میں اور
حاکم نے مستدرک میں بیان کیا ہے۔ اندریں صورت ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضرت
علیؑ کے یہاں لونڈیاں اور غلام ہوا کرتے تھے۔ لیکن اسلام نے غلامی کو
قطعی ممنوع قرار نہیں دیا۔ غلامی پر تفصیلی بیان۔ دیکھو ہماری کتاب "فلسفۂ اسلام"۔

غرض کہ یہ متواتر روایات سے ثابت ہے کہ جناب فاطمہ خود ہی گھر کی جھاڑو
دیتی تھیں۔ پانی بھرتی تھیں۔ چکی پیستی تھیں۔ آگ روشن کر کے روٹی پکاتی تھیں
(اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص ۴۸۷) بچوں کو پالنا اور خداوند تعالیٰ کی عبادت کرنا
خاوند کے آرام کے اسباب مہیا کرنا یہ اُس کے علاوہ تھا یہ بیان نامکمل رہے گا
اور جناب فاطمہ علیہا السلام کی طرز رہائش اور فرض شناسی کی اہمیت کا کما حقہا
اندازہ نہ ہو سکے گا۔ اگر ہم اُس معاشرتی اور سماجی انقلاب کا ذکر نہ کریں جو
آں حضرتؐ کی رحلت کے بعد فوراً ہی دنیائے اسلام میں رونما ہو گیا۔ اور اُس نے
چشم زدن میں اسلامی طرز رہائش اور طرز تخیل کو ادھر سے اُدھر پلٹا دے دیا۔
اپنے دنیاوی مفاد کے خاطر اصول عدل و انصاف کو نظر انداز کرنے اور
قرآن شریعت کو پس پشت ڈالنے کا سبق جو سقیفہ میں اور مقدمہ فدک کے فیصلہ
کرنے میں امت کو پڑھایا گیا اُس نے ایک ذہنی انقلاب عظیم پیدا کر دیا اور
لوگوں کا مطمح نظر ہی بدل گیا۔ سیاسی ضرورتوں کی وجہ سے وہ حکومت جو آں حضرتؐ
کے بعد قائم ہوئی وہ اس امر پر مجبور ہو گئی کہ لوگوں کو باہر لڑائیوں پر بھیجا جاوے
تاکہ اُن کی نکتہ چینی سے حکومت محفوظ رہے اور مال غنیمت جو آوے اُس سے

سیاسی طرفداروں کی جماعت کی توسیع ممکن ہو سکے اور لوگوں کے دلوں میں ارکان حکومت
کی محبت و اُنسیت پیدا ہو جاوے۔ یہ وجوہات چند در چند جن کا ذکر ہم اجمالاً کریں گے
اور جو ہر ایک تاریخ کی کتاب میں تفصیل سے درج ہیں مملکت ایران اور سلطنت روم
دونوں نہایت سرعت کے ساتھ عربوں کے قدموں میں گر پڑیں۔ اور ایسی سرعت
کے ساتھ گریں جو تیرہ صدیوں کے فاصلہ سے ایک معجزہ نظر آتا ہے لیکن اس فتح و
شکست کے اسباب غور کرنے والوں کے لیے بالکل عیاں ہیں۔ بہرصورت ان فتحیابیوں
سے تین نہایت بڑے انقلابات رونما ہوئے۔ وہ انقلابات (۱) سیاسی (۲) مذہبی
اور (۳) معاشرتی تھے پہلے ہم مذہبی انقلابات کا ذکر کرتے ہیں۔ ابھی ان نومسلموں کے
دل میں اسلام نے جڑ نہیں پکڑی تھی اور انھوں نے کافی مدت تک اسلامی اصول کو
زیر عمل نہیں دیکھا تھا۔ اسلامی فلسفہ سے ناواقف تھے کہ دوسرے ممالک میں
مختلف تخیل سے تصادم ہو گیا۔ اور مختلف فلسفہ کو زیر عمل دیکھا۔ وہ مذاہب
صدیوں سے بنی نوع کے دماغ پر حاوی تھے اور اُن کے اصول ان لوگوں کے
روزانہ زندگی کے معمول بن گئے تھے۔ ایران و یونان و روم یہ تینوں نہایت مہذب
ممالک تھے اور اپنے اپنے مذاہب کو انھوں نے اس طرح عقلی فلسفہ کا جامہ
پہنایا ہوا تھا کہ عرب کا سادہ لوح مسلمان جو کل کی بات ہے کہ اسی کفر میں مبتلا
تھا اور جس کو ایران و یونان کے دور دراز ممالک میں اپنا ہی پرانا تخیل کارفرما
نظر آیا فوراً ان کی طرف جھک گیا اور اس زرق برق جامہ کے اندر کی زمین نہ دیکھ سکا
نتیجہ یہ ہوا کہ فاتحان عرب اپنے مفتوح اقوام کے تخیل سے اس طرح مغلوب ہو گئے
جس طرح فاتحان روم اپنے مفتوح یونانیوں کے تخیل و فلسفہ سے مغلوب ہو گئے
تھے۔ اور اس طرح اسلامی فلسفہ کی خصوصیات ہمیشہ کے لیے مٹ گئیں۔ ان
مسلمانوں نے اپنے اسلام کو یونان کے فلسفہ کی کسوٹی پر کسنا اور پرکھنا شروع کیا۔
اور جہاں مخالفت دیکھی وہاں کسی نہ کسی استدلالی بہانہ سے اسلامی اصول کو چھوڑ کر
یونانی فلسفہ کو معرب کر کے اختیار کر لیا۔ فلسفہ بُری چیز نہیں ہے اگر فلسفہ کے معنی
عقل سلیم کے ساتھ غور و فکر کرنے کے ہیں لیکن الوہیت کے فلسفہ میں صفات الٰہیہ
ہی بڑی چیز ہیں۔ اور یہی وہ صفات ہیں جن کا تخیل ایک مذہب کو دوسرے مذہب سے

تمیز کرتا ہے ورنہ خدا کو تو تقریباً ہر مذہب مانتا ہے یونان کے فلسفۂ الوہیت میں صفات آلہیہ کا تخیل کہ وہ اولمپیس کے بے حیا، ظالم، شہوت سے مغلوب، زانی و حاسد خداؤں کے افعال ناشائستہ پر مبنی تھا اور جو فلاسفران کہ ان خداؤں کی حرکات سے بیزار ہو گئے تھے اُنھوں نے اپنے فلسفہ کی بنیاد الحاد پر رکھ لی ایسے فلسفہ کو اسلام کے فلسفہ الوہیت سے کیا تعلق جس میں خدا کی یہ صفات بیان کی جاتی ہیں:۔

(۱) خدا ایک ہے۔ اُس کے علاوہ کوئی اور خدا ہی نہیں۔
(۲) نہ کوئی اُس کا مشیر ہے اور نہ کوئی بیٹا ہے۔ اور نہ زوج ہے۔
(۳) ارض و سما میں جو کچھ ہے سب اُس کے مطیع ہیں۔
(۴) کوئی اُس سے اس کے اذن کے بغیر شفاعت نہیں کر سکتا۔
(۵) نہ کبھی اُسے نیند آتی ہے اور نہ وہ تھکتا ہے۔
(۶) ارض و سما کا انتظام وہ ہی کرتا ہے۔
(۷) ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔
(۸) علام الغیوب ہے۔
(۹) لوگوں کے دلوں کے سرائر سے آگاہ ہے۔
(۱۰) جو کچھ کہ دنیا میں ہو رہا ہے سبزہ اُگتا ہے۔ مینہ برستا ہے۔ طوفان آتے ہیں سب اُس کے حکم ہی سے ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ وغیرہ

یہ بات یونانی فلسفہ کی سمجھ میں نہ آئی اور کیونکر آتی اُن کے یہاں تو خداؤں کا تخیل یہ تھا کہ ایک خدا دوسرے خدا کی زوجہ پر عاشق ہو جاتا ہے اس کے پیچھے دوڑتا ہے۔ وہ آگے آگے بھاگتی ہے۔ بھاگتے بھاگتے گائے بن جاتی ہے کہ شاید چھٹکارا ہو جائے لیکن اُس کا عاشق خدا سانڈ بن جاتا ہے اور اپنی ہوس پوری کرتا ہے۔ اُن کا فلسفہ الوہیت ان صفات آلہیہ پر مبنی تھا۔ آگے جو بڑھے تو الحاد کی طرف چلے گئے۔ اور اپنے فلسفہ کو ایسے الفاظ میں بیان کیا کہ مسلمان سمجھے کہ جو یہ کہتے ہیں وہ درست ہے۔ بظاہر تو اسلام کو نہ چھوڑا لیکن صفات آلہیہ میں تغیر و تبدل کرنا شروع کر دیا۔ اور خدا کو انسانی جذبات و خواہشات رفتہ رفتہ عطا کر دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام میں ایرانی کفر، یونانی الحاد اور رومانوی خدائیت

کسی نہ کسی شکل میں آگئی۔ شاعر نے خوب کہا ہے ؎

بر افگن پردہ تا معلوم گردد　　کہ یاراں دیگرے را می پرستند

تقدیر و تدبیر اور انسانی قیاس پر غور کرتے کرتے اسلام میں ایسے اصول داخل کر دیے جو بالکل خالص اسلام کے خلاف تھے۔ زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں یہ مذہبی انقلاب تھا۔ جو شخص اس مضمون کو تفصیل کے ساتھ دیکھنا چاہتا ہے وہ ہماری کتاب اَلتَّفْرِیْقَ وَالتَّحْرِیْفَ فِی الْاِسْلَام کا مطالعہ کرے اُس زمانے کے صحابۂ کرام خود محسوس کرنے لگے کہ ہمارا مذہب مسخ ہو کر اسلام سے بہت دُور چلا گیا چنانچہ صحیح بخاری میں ہے۔ انس بن مالک سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ میں کوئی شے بھی ایسی نہیں پاتا جیسی کہ نبی صلعم کے عہد میں دیکھتا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ نماز تو ہے۔ انس بن مالک نے کہا کہ نماز؟ کیا تم نے نماز کے اندر ایسے تصرفات نہیں کیے جو تم نے جان بوجھ کر کیے ہیں [۳۲]

دوسری روایت میں ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے زہری سے سنا ہے وہ کہتا تھا کہ میں انس بن مالک کے پاس دمشق میں گیا اور اس کو دیکھا کہ وہ رو رہا تھا میں نے دریافت کیا تمھیں کیا چیز رُلا رہی ہے۔ انس نے جواب دیا کہ اب مجھے کوئی وہ بات نظر نہیں آتی جو میں رسول صلعم کے زمانہ میں پاتا تھا۔ سوائے اس نماز کے سو وہ بھی ضائع کر دی گئی [۳۲]

ایک اور صحابی ابو درداؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے۔ درداؓ کی والدہ کہتی ہیں کہ میں ایک دن ابو درداؓ یعنی والد درداؓ کے پاس آئی تو دیکھا کہ وہ سخت غضبناک ہو رہے تھے۔ میں نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ کو کس بات کی وجہ سے غصہ آیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں امت محمدی میں کوئی چیز بھی عہد رسولؐ کے مطابق نہیں پاتا صرف یہ کہ ساتھ مل کر نماز پڑھ لیتے ہیں۔

صحیح بخاری میں عمران بن حصین سے روایت ہے راوی کہتا ہے کہ عمران نے حضرت علیؑ کے ساتھ بصرہ میں نماز پڑھی اور عمران نے کہا کہ اس آدمی

---

[۳۲] صحیح بخاری مطبوعہ مصر کتاب مواقیت الصلاۃ ص۱۱۲

(علیؑ) نے ہم کو وہ نماز یاد دلائی ہے جو ہم رسول اللہؐ کے ساتھ پڑھتے تھے [۳۳]

یہ روایت بخاری میں دو سلسلہ رواۃ کے ساتھ مروی ہے [۳۴] فتح الباری میں شرح میں ان دونوں حدیثوں کی توثیق و تصدیق کی گئی ہے۔

غرض کہ ہم نے صحیح بخاری جیسی اصح الکتب سے ثابت کر دیا کہ آں حضرتؐ کی نماز میں تحریف کی گئی تھی۔ لوگ اس کو بھول چکے تھے۔ اصول و عقائد دین میں جو تحریف و تبدیلی کی گئی اس کو تفصیل سے ہم نے کتاب التفریق والتحریف فی الاسلام میں بیان کیا ہے۔

اب ہم معاشرتی انقلاب کا ذکر کرتے ہیں۔

یہ انقلاب براہ راست نتیجہ تھا ان فتوحات کا جو خلافت صدر اول میں سیاسی انقلاب کی وجہ سے شروع کی گئی تھیں۔ ان فتوحات کا مذہب پر جو اثر پڑا ہے وہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اسلامی معاشرت پر بھی اُن کا اثر ایسا ہی تخریبی ہوا ہے ان کی وجہ سے مال غنیمت بہت زیادہ آیا۔ لونڈی غلام بہت تعداد میں آئے اور دوسری اقوام سے جو تعلقات پیدا ہوئے تو اُن کی معاشرت مسلمانوں نے اختیار کر لی۔ لونڈیوں اور غلاموں کی وجہ سے بھی ان کی طرز رہائش و معاشرت میں نمایاں تبدیلی ہوئی نتیجہ یہ ہوا کہ عیش و عشرت میں رہنے لگے۔ زندگی کی سادگی جو اخلاق و مذہب کی جان ہے یک لخت معدوم ہو گئی۔ مکہ و مدینہ میں گانے والیوں اور رقص کرنے والیوں کا مجمع ہو گیا۔ روم و ایران سے شراب و رقاصہ آنے لگیں۔ کچی اینٹوں کی بجائے سنگ مرمر و سنگ موسیٰ کے مکان یک لخت شروع ہو گئے۔ لوگوں کے پاس بے شمار دولت ہو گئی۔ جس پر حکومت کی نظر التفات ہو گئی وہ ہی لکھ پتی بن گیا اور نظر التفات مبنی تھی اُن کی خدمت سیاسیہ پر اور خدمت سیاسیہ یہ تھی کہ حکومت کو مضبوط کیا جاوے اور اصلی حقداران حکومت کو لوگوں کی نظروں سے گرا یا جاوے اور ان کو اُبھنے نہ دیا جاوے اس پالیسی کے تحت جس نے جو مانگا وہ جاگیریں اسے دیں [۳۴] جس نے دعویٰ کیا اُسے بغیر تحقیقات اور احادیث کی تلاش کے لپیں بھر بھر کے زر و جواہرات مال غنیمت سے دیے۔ ہم فدک کے

[۳۳] صحیح بخاری مصر امصر الجزء الاول کتاب الاذان صفحہ ۱ [۳۴] فتح البلدان بلاذری صفحہ

بیان میں معلوم کریں گے کہ محض اُن کے کہنے پر جابر بن عبداللہ کو لپیں بھر بھر کے زر و جواہرات دیے۔ اور ایک غلام کے کہنے پر اس کا نان و نفقہ مقرر کیا گیا اور پھر جہاں اُس نے مانگا جاگیر دی۔ دیکھو نوٹ نمبر ۱۲۵ اور نمبر ۱۲۶

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار نے حضرت ابو بکر کے خلیفہ ہونے کی مخالفت کی تھی لیکن زید ابن ثابت باوجود انصار ہونے کے حضرت ابو بکر کے ساتھ آن کر مل گئے اور سب سے پہلے انھوں ہی نے حضرت ابو بکر سے بیعت کی۔ اب ان کو جو صلہ دیا گیا وہ ملاحظہ ہو۔ باوجود صغیر السن ہونے کے جمع قرآن کی خدمت ان کے سپرد کی گئی اور ان کو جامع القرآن کمیٹی کا صدر بنایا گیا [۳۵] جب آں حضرتؐ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی ہے تو حضرت زید ابن ثابت کی عمر گیارہ سال کے قریب تھی گویا آپ کی پیدائش سے پہلے نزول قرآن شروع ہو گیا تھا۔ اور ابھی زمانہ طفولیت ہی تھا کہ تین چوتھائی قرآن نازل ہو چکا تھا۔ جمع قرآن کی خدمت ان کے سپرد کی جاتی ہے اور حضرت علیؑ کو چھوڑا جاتا ہے جن کی نسبت جناب رسول خداؐ بار بار فرما چکے تھے کہ علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ جب جامع قرآن کمیٹی مقرر ہوئی تو زید ابن ثابت اُس کے صدر تھے [۳۶] اس ضمن میں علامہ عبدالبر کی مندرجہ ذیل عبارت قابل غور ہے۔

قال ابو عمر رحمۃ اللہ کان عثمان یحب زید بن ثابت وکان زید عثمانیا ولم یکن فیمن شھد شیئا من مشاھد علی مع الانصار۔	حضرت عثمان کو زید بن ثابت سے بہت محبت تھی اور زید حضرت عثمان کی پارٹی میں تھا۔ اور حضرت علی کے ساتھ ایک لڑائی میں بھی نہیں شامل ہوا [۳۷]

زید ابن ثابت نہایت غریب خاندان سے تھے لیکن جب ان کا انتقال ہوا ہے تو ان کی دولت و ثروت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بوقت تقسیم ترکہ

[۳۵] صحیح بخاری۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب جمع القرآن الجزء ثالث صفحہ ۱۵۱ [۳۶] صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن الجزء الثالث صفحہ ۱۵۱ جلال الدین السیوطی کتاب الاتقان الجزء الاول صفحہ

[۳۷] حافظ ابو عمر یوسف المعروف با بن عبدالبر۔ کتاب الاستیعاب الجزء الاول صفحہ ۱۹۲ ترجمہ زید ابن ثابت۔

اُن کے پاس اتنی سونے اور چاندی کی اینٹیں تھیں کہ وارثوں میں کلہاڑیوں سے توڑ کر تقسیم کی گئیں۔ یہ اُس کے علاوہ ہے جو انھوں نے بصورت نقد اور جاگیر چھوڑا وہ سب ملا کر ایک صد ہزار دینار (سونے کی اشرفی) کی قیمت کے تھے[38] اس دولت و ثروت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ ثروت کی ایک جماعت بن گئی جنھوں نے بہت جلد حکومت کو زیر اثر کر لیا۔ اُس زمانے میں عہدۂ قضا بہت بڑا سمجھا جاتا تھا حضرت عمر اس حکم کے صادر کرنے پر مجبور ہو گئے کہ عہدۂ قضا صرف اہلِ ثروت کو دیا جاوے۔ جو شخص صاحبِ ثروت نہ ہو وہ قاضی نہ مقرر کیا جاوے بلکہ اُن کی غریبی اور مفلسی کی بنا پر عبداللہ ابن مسعود کو فصل قضایا سے روک دیا۔ دیکھو الفاروق مولوی شبلی حصہ دوم صفحہ ۵۹، ۶۰۔ اس کا یہ جواب کافی نہ ہوگا کہ غریب آدمی کو رشوت لینے کی ترغیب زیادہ ہوتی ہے۔ حضرت شبلی خود لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے قاضیوں کی تنخواہ بہت زیادہ مقرر کی تھی۔ تاکہ بالائی آمدنی کی ضرورت نہ ہے[39] کیا خیال کیا جا سکتا ہے کہ باوجود اس کے عبداللہ ابن مسعود جیسے صحابی پھر بھی رشوت لیتے۔ اگر لیتے تو پھر حدیث نجوم کو کیا ہوا؟ انتخاب خلیفہ کے وقت اس جماعت امرا کا اثر حکومت پر بہت اچھی طرح نمایاں تھا۔ حضرت عمر نے چھ آدمی چنے جن میں سے خلیفہ منتخب ہونا تھا۔ حضرت علیؑ کو تو محض بنو ہاشم کا مُنہ بند کرنے کے لیے شرماشرمی لیا تھا۔ اُن میں ایسے ممبران تھے اور اُن کو ایسی ہدایات دی گئی تھیں کہ حضرت علی تو خلیفہ ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ باقی پانچ آدمی حضرت عثمان، عبدالرحمن ابن عوف، زبیر بن العوام، طلحہ بن عبداللہ اور سعد بن ابی وقاص سب صاحبِ دولت و ثروت تھے۔

حضرت عثمان جس دن قتل ہوئے ہیں اُس دن ان کے ذاتی خزانے میں ایک صد پچاس ہزار دینار، دس لاکھ درہم تھے۔ اور وادی القریٰ و حنین میں جو ان کی جاگیریں تھیں ان کی قیمت ایک صد ہزار دینار تھی۔ اس کے علاوہ آپ نے بے شمار گھوڑے اور اونٹ چھوڑے[40]

[38] مروج الذہب مسعودی الجزء الثانی ص ۲۲۳ [39] الفاروق حصہ دوم صفحہ ۶۰
[40] مروج الذہب مسعودی الجزء الثانی ص ۲۲۳

زبیر بن العوام نے ایک عالیشان محل بصرہ میں ایسا مضبوط بنایا تھا کہ جو مؤرخ مسعودی کے زمانہ (۳۳۸ھ) میں موجود تھا اور اس میں تجار اور اہلِ دول ٹھہرتے تھے ایسے ہی محل انھوں نے مصر و کوفہ و اسکندریہ میں بنائے تھے۔ اپنی وفات پر انھوں نے پچاس ہزار دینار، ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ چھوڑے تھے[40] ان کے ایک ہزار غلام تھے جو ان کو خراج دیتے تھے[41]

عبدالرحمن ابن عوف نے اپنی وفات پر ایک ہزار اونٹ دس ہزار بکریاں اور ایک صد گھوڑے چھوڑے تھے اور جب مرنے لگے تو بہت روتے تھے، لوگوں نے وجہ پوچھی تو بتایا کہ مصعب بن عمیر مجھ سے بہتر تھے۔ ان کا انتقال زمانۂ رسولِ خداؐ میں ہوا تھا اور اتنا بھی نہ چھوڑا کہ ایک کفن کے لیے کافی ہوتا۔ حمزہ بن عبدالمطلب مجھ سے بہتر تھے اور انھوں نے اتنا بھی نہ چھوڑا کہ کفن تو ہو جاتا[42] مرتے وقت ان کی چار بی بیوں میں سے ہر ایک کو ۸۴ ہزار دینار ملے تھے[41]

مقابلہ کیا آپ نے جناب رسول خدا کے زمانے کی غربت کا اور حضرت عمر اور حضرت عثمان کے زمانے کی ثروت کا۔

طلحہ بن عبیداللہ نے ایک نہایت عالیشان محل کوفہ میں بنوایا تھا جو مسعودی مؤرخ کے زمانے تک بہت مشہور تھا اور موجود تھا۔ مدینہ میں بھی ایک ایسا ہی محل بنایا تھا محض عراق سے ان کی روزانہ ایک دن کی آمدنی ایک ہزار دینار تھی[40]

سعد ابن ابی وقاص نے وادیٔ عقیق میں ایک عالیشان محل بنایا تھا اس کی چھت بہت اونچی تھی اور اس میں بہت زینت تھی[40]

بہت سے صحابہ کرام اس جماعت اہلِ دول میں شامل تھے مثلاً یعلی بن اُمیہ اور مغیرہ ابن شعبہ وغیرہما۔ یعلی بن اُمیہ نے مرتے وقت پانچ لاکھ دینار سُرخ نقد چھوڑے اور ان کا دیگر ترکہ اس کے علاوہ ایک لاکھ دینار سُرخ کی قیمت کا تھا[43]

مغیرہ ابن شعبہ کی حالت سُنیے۔ ابن نافع کہتے ہیں کہ مغیرہ ابن شعبہ نے اسلام میں

[40] مروج الذہب مسعودی الجزء الثانی ص ۲۲۲ [41] الاستیعاب جلد اول ص ۲۰۸ [42] الاستیعاب جلد دوم ص ۴۰۳۔ مروج الذہب مسعودی الجزء الثانی ص ۲۱۲ [43] مروج الذہب مسعودی الجزء الثانی ص ۲۲۳

داخل ہونے کے بعد تین سو عورتوں سے نکاح کیا۔ ابن وضاح کہتا ہے کہ ابن نافع نے کم بیان کیا اس نے ایک ہزار عورتوں سے نکاح کیا [44] صرف امیر الامراء ہی اس خرچ کو برداشت کر سکتے ہیں۔ سرمایہ داری اور اس کا رسوخ اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ جو لوگ سرمایہ داروں کو ان کی ثروت کے خلاف منہ سے کچھ کہتے تو ان کو عبرتناک سزائیں ملتی تھیں۔ ابوذر غفاری کا معاملہ عیاں ہے کہ جن کو حضرت عثمان نے اس وجہ سے سزا دی اور جلا وطن کیا کہ انھوں نے ثروت و دولت اندوزی کے خلاف امراء کو ان کے منہ پر ملامت کی تھی اور حضرت عثمان سے بھی صاف کہہ دیا تھا [45] اس واقعہ کو ہم نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب البلاغ المبین حصہ دوم صفحہ ۱۹۸۵ پر بیان کیا ہے۔

ان فتوحات کے ذریعہ سے دولت ہی تنہا نہیں آئی بلکہ ایران، روم و یونان کے لوگوں سے اختلاط کرنے کی وجہ سے اور ان کے حالات معلوم ہونے کی وجہ سے مسلمانوں نے ان لوگوں کے ان تمام ناجائز و عیش پرستی کے طریقوں کو سیکھ لیا جو انھوں نے دولت کے استعمال کرنے کے لیے ایجاد کیے تھے۔ مکہ و مدینہ میں رقص و سرود عام ہو گیا روم اور شام سے شراب اور ایران سے رقاصہ آنے لگیں۔ مکانات سنگ مرمر و سنگ موسیٰ کے بننے لگے۔ رہائش میں تکلف آگیا۔ سادگی مفقود ہو گئی۔ یہ امر غور کے قابل ہے کہ وہ زمانہ روم و ایران و یونان کے تنزل و انحطاط کا زمانہ تھا وہ زمانہ تھا کہ جب ان ممالک میں عیش و عشرت عام ہو گئی تھی۔ دولت کا استعمال سوائے مصارف عیش و عشرت لہو و لعب مہیا کرنے کے اور کچھ نہ تھا۔ اس تنزل و انحطاط کے زمانے کی تہذیب و طرز رہائش تھی جو ان فتوحات کے ذریعہ سے مسلمانوں میں داخل ہوئی اور جس کی نقل انھوں نے نہایت شوق سے کی۔ اس زمانے کی عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر امیر علی لکھتے ہیں۔ ترجمہ "مدینہ کی عورتیں بہت اچھا گاتی تھیں اور مورخین لکھتے ہیں کہ جب حضرت عمر شہر کا گشت کرنے نکلتے تھے تو اکثر ان عورتوں کا

۴۴ھ ابن عبدالبر۔ الاستیعاب الجزء الدول ص۲۵۹ ترجمہ مغیرہ ابن شعبہ ۴۵ھ جرجی زیدان۔ اردو ترجمہ تاریخ تمدن اسلامی حصہ دوم ص۱۵

گانا سننے کے لیے ٹھہر جاتے تھے" [45] مسٹر امیر علی کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کے تخت پر بیٹھتے ہی مکہ میں شراب خوری، جوا بازی اور زنا عام ہو گئے۔ خود ان کے بھتیجے نے مکہ میں ایک قمار خانہ جاری کیا تھا اور اب عورتوں کی محفلیں آراستہ کر کے ان کو عشقیہ گانا سنانا عام ہو گیا [45] حضرت عمر کے زمانے کی آمدنی خراج کا ذکر کرنے کے بعد مسٹر فلپ کے ہٹی لکھتے ہیں۔ (ترجمہ اردو)

"اس قدر دولت کی فراوانی کی وجہ سے دونوں مقدس شہروں یعنی مکہ و مدینہ کا تقدس بہت کم ہو گیا۔ وہ دنیاوی عیش و عشرت کے مرکز اور عرب کی عشقیہ شاعری کے گھر بن گئے۔ مکہ میں ایک قسم کے کلب گھر بن گئے۔ جہاں شہر کے عمائدین شطرنج جوا کھیلا کرتے تھے اور کتابیں پڑھتے تھے۔ مدینہ میں ایرانی اور رومی لونڈیاں زیادہ سے زیادہ تعداد میں آنے لگیں، عشقیہ شاعری ان مشاغل کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی گئی۔ قحبہ خانے مدینہ میں کثرت سے قائم ہو گئے۔ جہاں عمائد شہر جایا کرتے تھے۔ وہاں حسین اور نوجوان عورتیں زرق برق کے دلآویز لباس پہن کر اپنے مہمانوں کو گانا سنا کر اور رقص دکھا کر محظوظ کرتی تھیں اور وہ مہمان مختلف رنگوں کے ریشمی کپڑے پہنے ہوئے گاؤ تکیہ سے لگ کر عیش و عشرت کی مسحور فضا میں (دوزخ کو بھولے ہوئے جنت سے بے پرواہ) ان کے حسن و جمال و سُریلی آواز کا مزا لیتے تھے اور شام کی شراب جام و مینا میں چھلکتی ہوئی ان کے آگے آتی تھی اور وہ اس کو پیتے جاتے تھے اور اس کے سرور میں ان کی خوشی کا پیمانہ بہت لبریز ہو جاتا تھا، مکہ مدینہ و طائف میں اس قسم کے عورتوں کے بے شمار مکانات تھے [46]

آپ نے دیکھا جناب رسول خدا کے زمانے کی سادہ اور مذہبی زندگی کتنی جلدی پر تکلف عیش و عشرت و لامذہبیت کی زندگی سے بدل گئی۔ ایسے عظیم الشان اور معاشرتی انقلاب کا اتنے قلیل عرصے میں رونما ہونا ایک ایسا محیر العقول کارنامہ ہے

---

45 Amir ali: History of The Saracens Chapt VI P. 67

46 Hitti: History of the Arabs 4th Ed. Chapter XX P. 237

جس کی نظیر تاریخ عالم میں ابتدائے آفرینش سے اب تک نہیں ملتی۔ وہ لوگ جن کی آنکھیں سرعتِ فتوحات سے خیرہ ہو جاتی ہیں ذرا اس انقلاب پر بھی نظر ڈالیں۔ یہ ان ہی فتوحات کا نتیجہ تھا جس کی یہ لوگ اتنی تعریف کرتے ہیں۔ ان فتوحات کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں دولت اور ثروت بہت زیادہ بڑھ گئی اور اس دولت و ثروت کی فراوانی نے سرمایہ داری کے وہ سارے عیوب مسلمانوں میں پیدا کر دیے جو ہمیشہ سے بنی نوع انسان کے جسم میں سرطان دائمی کی طرح اس کے نشوونما میں حارج رہے ہیں۔ جب ہی تو جناب رسولِ خدا دولت و ثروت کی فراوانی کو بُرا سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جس چیز سے میں اپنے بعد تمھارے لیے ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ تمھارے اوپر دنیاوی دولت و وجاہت کے دروازے کھل جائیں گے[٤٧]۔

یہ معاشرتی اور مذہبی انقلابات صریحی نتیجہ تھے اس سیاسی انقلاب کے جو آں حضرتؐ کی رحلت والے دن سقیفۂ بنی ساعدہ میں رونما ہوا۔ خاندانِ رسالت میں سے حکومت کو چند آدمیوں کے ذریعہ سے نکال لینے کے کئی نہایت خطرناک نتائج پیدا ہوئے جن میں سے چند یہ ہیں :۔

(١) چونکہ وہ حکومت جو سقیفۂ بنی ساعدہ میں فوری جوش کی بنا پر قائم کی گئی تھی حق دارِ خلافت نہ تھی اور نہ اس کی اہل تھی لہٰذا اصلی حق دارانِ خلافت کو ظلم و زیادتی کے ذریعہ سے ہمیشہ مغلوب رکھنا اس حکومت کا پہلا مقصد ہوا اور اس سے ان ظلموں اور زیادتیوں کا سلسلہ جاری ہو گیا جو آلِ رسولؐ پر ابتدائے خلافت سے انتہائے خلافت تک جاری رکھے گئے۔

(٢) اس حکومت کے لیے لوگوں کو ہمیشہ خوش رکھنا ضروری ہوا لہٰذا تقسیم انعامات و جاگیرات لوگوں کے استحقاق کی بنا پر نہ ہوئے بلکہ ان کی خدمتِ سیاسیہ کی بنا پر ہوئے۔

(٣) اس حکومت کے لیے ضروری ہوا کہ مذہب میں مداخلت کر کے ایک اپنا علیحدہ مذہب چلائے تاکہ آلِ رسولؐ کی پیروی سے بری ہو جائے اور بنو ہاشم کے قبیلہ کی فوقیت باقی نہ رہے اس مذہبی انقلاب کا تذکرہ ہم نے تفصیل کے ساتھ اپنی

[٤٧] صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الشہید الجزء الاوّل ص١٩١ مسند احمد حنبل الجزء الثانی ص١٩١ الجزء الخامس ص١٤٨

کتاب التفریق والتحریف فی الاسلام میں کیا ہے۔ آلِ رسولؐ کی ہدایت و تعمیل کی بجائے انھوں نے اپنے قیاس سے کام لیا۔

(٤) امورِ مذہبی میں آلِ رسولؐ پر صحابہ کو ترجیح دی اور صحابہ کو ایک مخالف جماعت بنا کر کھڑا کر دیا اس طرح آلِ رسول و صحابہ کو دو مخالف کیمپوں میں ظاہر کر کے صحابہ بنام آلِ رسولؐ کا غیر متناہی تنازعہ شروع کر دیا اور وہ اس وقت تک ختم نہیں ہوا جب تک کہ آلِ رسولؐ کو لوگوں کی نظروں میں بالکل نہ گرا دیا۔

(٥) اس حکومت کے لیے ضروری ہوا کہ لوگوں کو ایسے کام میں مشغول رکھے جو اُن کی طبیعت کے موافق تھا تاکہ وہ اس حکومت کی جواز و ناجوازیت پر غور نہ کر سکیں، اصلی حقداران حکومت کی حمایت نہ کر سکیں اور مالِ غنیمت جو آوے اس سے اپنے ہوا خواہوں کا حلقہ بڑھ جائے۔ اس مقصد کے لیے ایران و روم کی لڑائیاں شروع کی گئیں۔ اور چونکہ وہ دونوں سلطنتیں اپنی اندرونی جھگڑوں اور طوائف الملوکی کی وجہ سے کمزور ہو چکی تھیں یہ مقصد کما حقہا حاصل ہوا۔

(٦) ان فتوحات کی وجہ سے سرمایہ داری اور اُس کے اثرات ملک میں پھیل گئے یہی معاشرتی انقلاب تھا۔

گویا یہ تینوں انقلابات ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اور معاشرتی انقلابات و مذہبی انقلاب نتیجہ ہیں اُسی سیاسی انقلاب کا۔

جنابِ فاطمۃ الزہراؑ کے گھر کا افلاس

فقر ہمیشہ سے رسولؐ اور اُن کے خلیفہ کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ اکثر معتبر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آں حضرتؐ بسبب شدّتِ گرسنگی کے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔ جنگ احزاب میں اس روایت کو خاص طور سے نقل کیا ہے۔ حضرت علیؑ کے خاندان پر اکثر فاقے گزرتے تھے۔ حضرت علیؑ اکثر مزدوری کر کے گزارہ کرتے تھے۔ صبح کی عبادت کر کے حضرت فاطمہؑ تو گھر کے کام کاج میں لگ جاتی تھیں اور حضرت علیؑ باہر مزدوری کرنے چلے جاتے تھے، جو کچھ شام کو لاتے تھے اُس سے گھر کا خرچ چلتا تھا۔ انسان کے دل و دماغ کو علم و ایمان سے سیراب کرنے کے ساتھ ساتھ ہی آپ کو درختوں کے سیراب کرنے کا خاص شوق تھا اور یہ پیشہ آپ کا بہت محبوب پیشہ تھا۔ ایک دن آپ کو

کوئی مزدوری نہ ملی، گھر میں آٹھ پہر سے فاقہ تھا۔ شام کے وقت ایک تاجر کے اونٹ آئے اسے اسباب اتارنے کے لیے ایک مزدور کی ضرورت تھی۔ حضرت علیؑ نے پہر رات تک اس کے اونٹوں کا اسباب اُتارا۔ سوداگر نے ایک درم اُجرت دی جسے آپ نے بخوشی لے لیا۔ اس وقت دوکانیں اکثر بند ہوگئی تھیں مگر ایک جگہ سے جَو کا غلہ مل گیا۔ ایک درم کے جَو خرید کر گھر لائے۔ حضرت فاطمہؑ نے ہنستے ہوئے نہایت انبساط کے ساتھ حضرت علیؑ کا خیر مقدم کیا اور ان کی جھولی سے وہ جَو لے کر اُسی وقت اُن کو پیسا، روٹی پکائی اور آپ کے سامنے رکھ دی۔ جب حضرت علیؑ سیر ہو کر کھا چکے تو خود کھانے لگیں۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ مجھ کو اس وقت حضرت سرور کائناتؐ کا یہ ارشاد یاد آیا کہ فاطمہ دنیا کی بہترین عورت ہے۔ اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

باوجود اس افلاس کے صبر و قناعت جناب فاطمہؑ کا خاص جوہر تھا، ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اگر کچھ موجود ہے تو مجھے کھانے کو دو۔ لیکن گھر میں کچھ موجود نہ تھا، حضرت علیؑ باہر تشریف لائے کہ کچھ کھانے کا انتظام کریں۔ جَو وغیرہ لے کر گھر میں آئے تو دیکھا کہ جناب سیدہؑ نماز ظہر سے فراغت پا کر سجدہ میں پڑی ہیں اور معبود حقیقی کے دربار میں گڑگڑا رہی ہیں۔

باوجود اس فقر و فاقہ کے حضرت فاطمہ نے کبھی اپنے شوہر سے کوئی سوال نہیں کیا ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت علیؑ نے دریافت کیا کہ کھانے کے لیے کچھ سامان گھر میں ہے یا نہیں۔ جناب سیدہ نے کہا کہ آج تیسرا روز ہے کہ گھر میں ایک دانہ جَو تک نہیں ہے۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ پھر تم نے مجھ سے کیوں نہ کہا۔ جواب دیا مجھ کو میرے باپ نے وداع کے وقت نصیحت کی تھی کہ میں کچھ سوال کر کے آپ کو کبھی شرمندہ نہ کروں۔

ایک دفعہ ایک اعرابی آنحضرتؐ کے پاس آیا وہ بہت بھوکا تھا، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کون ہے جو اس کا پیٹ بھر دے۔ حضرت سلمان اُٹھے اور اعرابی کو ساتھ لے کر نکلے چند گھروں پر گئے لیکن کوئی چیز موجود نہ تھی آخر کار جناب سیدہؑ کے گھر آئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ جناب سیدہ نے پوچھا کہ کون ہے؟ سلمان نے کہا کہ میں ہوں۔ آپ نے پوچھا کہ کیوں آئے ہو، سلمان نے عرض کی کہ یہ ایک اعرابی بھوکا ہے۔ اس کے لیے خوراک کا انتظام کرنے نکلا ہوں۔ کئی گھروں پر ہو آیا ہوں کچھ نہیں ملا۔ جناب سیدہؑ

یہ سن کر رونے لگیں اور فرمایا کہ سلمان قسم ہے اس خدا کی جس نے میرے باپ کو پیغمبر کر کے بھیجا ہے آج تیسرا دن ہے کہ ہم سب فاقے سے ہیں۔ دونوں بچے حسنؑ حسینؑ پریشان پھر رہے تھے، ابھی بھوکے سوئے ہیں۔ لیکن سائل دروازے پر آگیا ہے۔ رد نہیں کر سکتی۔ اے سلمان یہ ایک چادر موجود ہے اس کو لو اور شمعون یہودی کے پاس جاؤ۔ اور کہو کہ فاطمہ دختر محمدؐ کی یہ چادر گرو میں رکھ لے اور تھوڑی سی جنس قرض دے دے۔ سلمان مع اعرابی کے چادر کو لے کر شمعون کے پاس آئے اور مفصل کیفیت بیان کی۔ یہودی کچھ دیر تک چادر کو دیکھتا رہا۔ پھر دفعۃً اس پر ایک خاص حالت طاری ہوئی۔ اور کہنے لگا کہ اے سلمان یہ ہیں وہ لوگ جن کی خبر ہمارے پیغمبر موسیٰ نے توراۃ میں دی ہے۔ میں فاطمہ کے باپ پر ایمان لے آیا اور سچے دل سے مسلمان ہوتا ہوں۔ اس کے بعد اناج سلمان کو دیا اور چادر بھی واپس کر دی۔ وہ اناج کو جناب سیدہ کے پاس لائے۔ انھوں نے اپنے ہاتھ سے پیسا، روٹی پکائی اور سلمان کو دی۔ سلمان نے کہا کہ اس میں سے تھوڑی سی روٹی بچوں کے لیے رکھ لیجیے آپ نے فرمایا سلمان جو چیز میں خدا کی راہ میں دے چکی ہوں وہ اب بچوں کے لیے لینا مناسب نہیں۔ سلمان وہ روٹی لے کر سرور کائناتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا حال سُنایا۔ رسول صلعم نے وہ روٹی اعرابی کو دی اور جناب سیدہؑ کے گھر تشریف لائے۔ حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ تین دن سے کھانا نہیں ملا۔ حضرتؐ نے سیدۃ النساء کو اپنے پاس بٹھا کر آسمان کی طرف سر اُٹھایا اور دعا کی کہ الٰہی فاطمہ تیری لونڈی ہے اس سے راضی رہنا ۴۸؎

علامہ غزالی احیاء العلوم جلد ثالث میں تحریر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ جناب فاطمہؑ بیمار ہوگئیں۔ جناب رسول خداؐ عمران بن حصین صحابی کو لے کر عیادت کے لیے دروازے پر تشریف لائے۔ دستک دی اور اندر آنے کی اجازت چاہی اور فرمایا کہ میرے ہمراہ ایک صحابی عمران بن حصین بھی ہیں۔ حضرت فاطمہؑ نے عرض کی کہ میرے پاس صرف ایک ہی عبا ہے اس کے سوائے کوئی اور کپڑا نہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اس سے بدن ڈھانک لو۔ فاطمہؑ نے عرض کی کہ بدن ڈھک جائے گا تو سر کھل جائے گا۔

۴۸؎ خاتون جنت مؤلفہ ملک محمد دین ص۱۲۴ و ص۱۲۵

یہ عبا سر اور بدن کے لیے کافی نہیں ہے۔ آں حضرتؐ نے اپنی پرانی چادر اپنی بیٹی کی طرف پھینک دی اور فرمایا کہ اس سے سر ڈھانک لو۔ جناب فاطمہؑ نے ایسا ہی کیا اور اندر آنے کی اجازت دی۔ آں حضرتؐ نے اندر جا کر حال پوچھا۔ حضرت معصومہ نے عرض کی کہ شدت درد سے بےچین ہوں اور اس پر مستزاد یہ کہ گھر میں کوئی چیز موجود نہیں ہے بھوک نے مجھے نڈھال کر رکھا ہے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے آپ نے اپنا ہاتھ ان کی پیٹھ پر رکھ کر فرمایا کہ تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو [۴۹]

جناب امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک روز ایک وقت کے بعد ہم سب کو کھانا نصیب ہوا تھا۔ پدرم حضرت علیؑ اور ہم دونوں بھائیوں نے کھانا کھا لیا تھا۔ ابھی والدہ صاحبہ نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ ابھی پہلا نوالہ توڑا ہی تھا کہ دروازے پر ایک سائل نے آواز دی۔ بنت رسولؐ کو سلام۔ میں دو وقت کے فاقے سے ہوں میرا پیٹ بھر دو۔ جناب سیدہ نے فوراً کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور مجھ سے کہا کہ جاؤ کھانا سائل کو دے آؤ۔ میں نے تو ایک ہی وقت نہیں کھایا۔ اسے تو دو وقت کا فاقہ ہے۔

تسبیح فاطمۃ الزہراؑ

علامہ صدوق علیہ الرحمہ نے کتاب العلل میں اور دیگر مورخین نے اپنی اپنی اسانید کے ساتھ حضرت علیؑ سے روایت کی ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ جناب فاطمہؑ کے سینہ پر پانی کی مشک اٹھاتے اٹھاتے گٹھل بن گیا تھا اور ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے آبلے پڑ گئے تھے۔ خود ہی جناب فاطمہؑ گھر کی جھاڑو دیا کرتی تھیں یہاں تک کہ آپ کے کپڑے گرد آلود ہو جاتے تھے۔ خود ہی آگ چولھے میں روشن کرتی تھیں یہاں تک کہ دھوئیں سے آپ کے کپڑے کالے ہو جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر میں نے ایک دن ان سے کہا کہ کیا اچھا ہو کہ اگر تم اپنے والد ماجد سے کہہ کر کوئی کنیز لے لو۔ وہ جناب رسول خداؐ کی خدمت میں گئیں۔ وہاں بہت مجمع تھا حیا کے مارے بغیر کچھ کہے واپس چلی آئیں۔ ان کے واپس چلے آنے کے بعد آں حضرتؐ کو معلوم ہوا کہ فاطمہ کسی کام کے لیے آئی تھیں دوسرے دن خود ہمارے یہاں تشریف لائے۔ اس وقت ہم دونوں ایک لحاف کے اندر تھے۔ ہم اٹھنے لگے، آں حضرتؐ نے کہا

[۴۹] خاتون جنت مولفہ ملک محمد دین ص ۱۳۱ [۵۰] خاتون جنت مولفہ ملک محمد دین ص ۱۲۸

کہ ٹھہرے رہو اور ہمارے سرہانے آن کر بیٹھ گئے۔ اور دریافت کیا کہ اے فاطمہ کس حاجت کے لیے تم میرے پاس آئی تھیں۔ حضرت علیؑ نے سارا واقعہ بیان کیا آں حضرتؐ نے فرمایا کہ میں تم دونوں کو ایک ایسی شے بتاؤں جو خادم سے بہت بہتر ہے۔ جب تم دونوں سونے لگو ۳۳ دفعہ سُبْحَانَ اللهِ ۳۳ مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور ۳۴ مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھ لیا کرو، اس پر جناب فاطمہؑ نے لحاف میں سے سر نکال کر تین مرتبہ فرمایا کہ میں راضی ہوئی خدا اور اس کے رسول سے [۵۰]

ابن حجر نے الاصابۃ میں بھی یہ روایت اس طرح بیان کی ہے اور یہ ایزاد کیا ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ میں نے اس دن سے اس تسبیح کا ورد ہمیشہ رکھا ابن الکواء نے پوچھا کہ کیا صفین کی رات کو بھی۔ حضرت علیؑ نے فرمایا اے اہل عراق خدا تمہیں غارت کرے ہاں صفین کی رات کو بھی نہیں چھوڑا [۵۱]

علامہ حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ ہمارے یہاں تشریف لائے اور اپنا پیر میرے اور فاطمہؑ کے پیر کے درمیان رکھا اور فرمایا کہ اے فاطمہ جب تم سونے لگو تو ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر کہا کرو۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اس تسبیح کو نہیں چھوڑا اس پر ایک شخص نے جو علیؑ سے کبیدہ خاطر تھا پوچھا کہ کیا صفین کی رات کو بھی نہیں چھوڑا۔ حضرت علیؑ نے کہا ہاں صفین کی رات کو بھی نہیں چھوڑا [۵۲]

علامہ محسن الامین الحسینی العاملی اعیان الشیعہ میں لکھتے ہیں کہ یہ وہی تسبیح فاطمہ ہے جو اہلبیت علیہم السلام سے مروی ہے کہ ہر ایک نماز کے بعد پڑھنی چاہیے عام طور سے پہلے تکبیر، پھر تحمید اور تسبیح ہے۔ لیکن دونوں طرح سے جائز ہے۔

علامہ ابن شہر آشوب نے مناقب میں لکھا ہے کہ جب آں حضرتؐ کے پاس بہت سی کنیزیں آئیں اور جناب فاطمہؑ نے ان سے اپنے لیے ایک خادمہ طلب کی تو آں حضرتؐ نے

[۵۱] اعیان الشیعہ۔ الجزء الثانی ص ۲۴۲، خاتون جنت مولفہ ملک محمد دین ص ۱۱۰، صحیح بخاری۔ کتاب النفقات باب عمل المرأۃ فی بیت زوجہا الجزء الثالث ص ۱۹۲، کتاب التوبہ باب التکبیر والتسبیح عند المنام الجزء الرابع ص ۶۰، صحیح مسلم الجزء الثامن ص ۸۴، مسند ابی داؤد الطیالسی حدیث ۹۳ جزء الاول ص ۱۵ و ۱۶

[۵۲] المستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث ص ۱۵۱ و ص ۱۰۲

فرمایا کہ میں تو ان کنیزوں کو فروخت کرکے ان کی قیمت کو اہل صفہ پر خرچ کروں گا اور جناب فاطمہؑ کو تسبیح تعلیم کی۔ ایک روایت ابوہریرہ سے ہے کہ جب آں حضرتؐ جناب فاطمہؑ کے پاس سے تسبیح تعلیم کرکے آئے تو یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔

وَ اَمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا

(سورہ ۱۷، آیت ۲۸) ترجمہ (جب تو ان سے منہ پھیرے اس امید پر کہ تجھے خدا کی طرف سے رحمت نازل ہو تو ان سے آسانی کی بات کہہ) تو جناب رسول خداؐ نے حضرت فاطمہؑ کو خدمت کے لیے ایک لونڈی دی اور اس کا نام فضہ رکھا [۵۳]

ایک دفعہ جناب رسول خداؐ جناب فاطمہؑ کے گھر گئے دیکھا کہ ایک پردہ رنگین دروازے پر لٹکا ہوا ہے اور حضرت فاطمہؑ کے ہاتھ میں چاندی کے دو کنگن تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ گلے میں چاندی کی زنجیر تھی۔ آپ یہ دیکھتے ہی واپس چلے گئے۔ جناب فاطمہؑ کو بہت ملال ہوا۔ جب جناب رسول خداؐ کی وجہ مراجعت معلوم ہوئی تو آپ نے وہ دونوں چیزیں فروخت کرکے قیمت جناب رسول خداؐ کی خدمت میں بھجوا دی۔ اور آں حضرتؐ نے اس کو اصحاب صفہ کے اوپر خرچ کیا۔ ایک روایت ہے کہ جناب فاطمہؑ نے ان کی قیمت سے ایک غلام خرید کر آزاد کر دیا۔ جب رسول خداؐ کو یہ معلوم ہوا تو آں حضرتؐ بڑے خوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ سب تعریف خدا کے لیے ہے جس نے فاطمہؑ کو نارِ جہنم سے نجات دی۔ اس روایت کو حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے۔ اور علامہ سید محسن الامین نے اپنی کتاب اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص۱۴۳ پر مستدرک کے حوالہ سے نقل کیا ہے لیکن مستدرک کی روایت میں صرف چاندی کی زنجیر کا ذکر ہے۔ رنگین پردے کو اس کے ساتھ محمد دین صاحب نے اپنی کتاب خاتون جنت میں شامل کیا ہے اور نیز اعیان الشیعہ الجزء الثانی صفحہ ۱۴۴ میں بھی اس کا ذکر ہے۔

فاطمہ شامیہ ملک شام کے ایک امیر کبیر کی لڑکی تھیں۔ نہایت دیندار عبادت گذار کتب مقدسہ سماویہ کی عالم، علم نجوم سے واقف تھیں جب ان کو معلوم ہوا کہ حضرت خاتم النبیین کی ولادت کا وقت قریب آگیا ہے تو وہ مکہ معظمہ میں تشریف لائیں۔ ایک دن عبداللہ ابن عبدالمطلب سے ملاقات ہوئی۔ اُن کی پیشانی میں علامت نور دیکھ کر

[۵۳] اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص۱۴۳ مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص۱۲۱

نکاح کی درخواست کی۔ انھوں نے جواب دیا بلا اجازت اپنے والد کے میں کچھ جواب نہیں دے سکتا۔ کچھ دنوں بعد جب عبداللہ کی شادی حضرت آمنہ سے ہوگئی اور نور نبوت صلب عبداللہ سے شکم آمنہ میں منتقل ہوگیا تو پھر عبداللہ اپنے والد کی اجازت حاصل کرکے فاطمہ شامیہ کے مکان پر گئے اور نکاح کی درخواست کی۔ انھوں نے جواب دیا کہ وہ نور جس کے اشتیاق میں میں نے اتنی دور کا سفر اختیار کیا تھا آپ کے پاس نہیں رہا۔ اب مجھے کسی دنیاوی غرض کے لیے شادی کی ضرورت نہیں۔ جب فاطمۃ الزہرا تقریباً دس سال کی تھیں تو یہ فاطمہ شامیہ آپ سے ملنے آئیں اور شام سے بہت سے تحائف زیورات جواہرات میوے کپڑے اور کھانے کی چیزیں بافراط اپنے ساتھ لائیں۔ دختر رسولؐ نے نہایت محبت و خوش اخلاقی سے ان کا خیر مقدم کیا۔ جب وہ تحائف فاطمہ شامیہ نے آپ کی خدمت میں پیش کیے تو آپ نے ان سے اجازت لے کر وہ سب اسلام کے امور کے لیے دیدیے اور کھانے پینے کی چیزیں اور کپڑے ان مسلمانوں کی نذر کر دیے جو خدمت اسلام میں سربکف رہتے تھے۔ فاطمہ شامیہ پیغمبر زادی کے اس ایثار و سیر چشمی سے بہت متاثر ہوئیں۔ اور آپ کو سینے سے لگا لیا۔ حضرت فاطمہؑ کی چادر میں بارہ سے زیادہ پیوند ہوتے تھے۔ اسی طرح حضرت علی کا لباس پیوندوں سے بھرا ہوا ہوتا تھا۔ بچے سو جاتے تھے تو آپ ان کو پنکھا جھلتی جاتی تھیں اور قرآن شریف کی تلاوت فرماتی جاتی تھیں۔ جب چکی پیستی تھیں تو بچوں کو گود میں لے لیتی تھیں کیونکہ کوئی اور بہلانے والا نہیں ہوتا تھا۔ بسا اوقات حضرت علیؑ بھی جناب فاطمہ کے ساتھ اس چکی کی مشقت میں شریک ہو جاتے تھے صبح کے وقت جب حضور سرور کائنات نماز کے لیے مسجد نبوی میں تشریف لاتے تھے تو حضرت فاطمہ کی چکی چلانے کی آواز کانوں میں آتی تھی۔ آپ بے اختیار ہو کر دعا مانگتے کہ بار الٰہا فاطمہ کو اس ریاضت و قناعت کا اجر دے اور اسے حالتِ فقر میں ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرما۔

حسن بصری کہتے ہیں کہ اس امت میں فاطمہ سے زیادہ کسی نے عبادت نہیں کی۔ راتوں کو نماز میں اتنی کھڑی رہتی تھیں کہ پاؤں پر ورم ہو جاتا تھا [۵۴]

[۵۴] اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص۲۹ خاتون جنت مولفہ محمد دین ص۱۳۵ مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص۱۱۴

یہ تھے وہ لوگ جن کی رگ و پے میں ایمان سرایت کر گیا تھا ان کو حشر و نشر و قیامت کا عین الیقین تھا جس نے دنیا کو ان کی آنکھوں میں ہیچ کر دیا تھا۔ انھوں نے دنیا کو محض عقبیٰ کے حصول کے ذریعہ سے زیادہ درجہ نہیں دیا۔ ان کے نزدیک عقبیٰ کی زندگی اصلی زندگی تھی۔ دنیا کے عیش و عشرت سے ان کو اتنی ہی نفرت تھی جتنی کسی دنیا دار کو فقر و فاقہ سے۔ انھوں نے اصلی اسلام سیکھا۔ جنھوں نے ان کی طرف رجوع کی۔ وہ لوگ جو دنیا کے عیش و عشرت کی طرف گئے انھوں نے اسلام کو اپنے حصول مقصد کا ذریعہ بنایا۔ دونوں جماعتوں نے اپنا اپنا مقصد حاصل کر لیا دنیا کے چاہنے والوں کو دنیا مل گئی۔ عقبیٰ کے چاہنے والوں کو عقبیٰ مل گئی۔

ہم بلا خوف تردید کہتے ہیں کہ یہ اہلبیتِ محمدؐ جناب رسالت مآبؐ کے کار نبوت میں شریک اور ان کا بوجھ اٹھانے والے تھے۔ اس شرکت کے یہ معنی نہیں کہ یہ پانچوں نبی یا رسول تھے بلکہ یہ شرکت ایسی تھی کہ جیسے بادشاہت میں وزیر اعظم کی شرکت ہوا کرتی ہے۔ واقعہ مباہلہ سے جس کا ذکر ہم ابھی کرتے ہیں اس شرکت کی مزید توضیح ہوتی ہے۔ یہ بزرگوار بھی اپنے اس فرض کو محسوس کرتے تھے اور ان کی زندگیوں کے اس سانچے میں ڈھلنے میں جناب رسول خداؐ کی تعلیم اور اس فرض شناسی کا بڑا حصہ ہے۔ علاوہ اس کے یہ لوگ حجۃ اللہ تھے۔ دینِ اسلام کی تصدیق ان سے ہوتی تھی۔ فرض کرو یہ سب لوگ عیش و عشرت کے دلدادہ ہوتے۔ بادشاہ زادوں کی طرح رہتے تو کفار و منافقین کا یہ کہنا بالکل صحیح سمجھا جاتا کہ محمدؐ کا مقصد تو محض دنیا کا حاصل کرنا تھا۔ نبوت تو ایک بہانہ اور ذریعہ بنایا گیا تھا لیکن محمدؐ اور اہلبیت محمدؐ کے اس فقر و فاقہ کی زندگی نے دشمنانِ اسلام کا منہ بند کر دیا۔

صاحب علل الشرائع حضرت امام حسن کی روایت نقل کرتے ہیں۔ امام حسنؑ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ فاطمۃ الزہرا کو شام سے صبح تک خدا کے آگے گریہ و زاری کرتے اور اس کے بعد نہایت عاجزی سے خدا کے حضور میں دعائیں مانگتے دیکھا۔ جابر انصاری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جناب رسول خداؐ نے دیکھا کہ جناب فاطمہؑ کے جسم پر اونٹ کی کھال کا لباس تھا۔ ایک ہاتھ سے چکی پیستی جاتی تھیں دوسرا ہاتھ امام حسن علیہ السلام کو دودھ پلانے میں مشغول تھا۔ یہ حالت دیکھ کر آں حضرتؐ کی

آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور فرمایا کہ فاطمہ دنیا کی تکلیفوں کا صبر سے خاتمہ کر اور آخرت کی خوشی کی منتظر رہ۔

ایک دن جناب رسولِ خداؐ حضرت فاطمہؑ کے یہاں تشریف لائے حضرت فاطمہؑ نے آپ کے آگے ایک سوکھی ہوئی جو کی روٹی کا ٹکڑا رکھ دیا۔ آں حضرتؐ نے وہ کھایا اور فرمایا کہ تین دن کے بعد یہ پہلا ٹکڑا روٹی کا ہے جو تیرے باپ نے کھایا ہے[۵۵]

اس میں کچھ شک نہیں کہ آں حضرتؐ کی زندگی بھی اسی طرح فقر و فاقہ میں گزری اور یہی آں حضرتؐ کا بہت بڑا طرۂ امتیاز تھا۔ ایک روایت بخاری و مسلم سے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں کہ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ اور ان کی پارٹی کی امہات المومنین نے آں حضرتؐ کے ساتھ اس فقر و فاقہ میں شرکت نہیں کی۔ وہ روایت یہ ہے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بیاں دو پارٹیوں میں منقسم تھیں ایک پارٹی میں حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت صفیہ اور سودہ تھیں۔ دوسری پارٹی میں ام سلمہ اور آں حضرتؐ کی دیگر بی بیاں تھیں اور لوگ جانتے تھے کہ آں حضرتؐ کو ساری زوجگان میں حضرت عائشہ سے بہت زیادہ محبت ہے اس وجہ سے جب کسی شخص کے پاس کوئی چیز ہوتی تھی اور وہ آں حضرتؐ کے پاس ہدیہ کرنا چاہتا تھا تو وہ تاخیر کرتا تھا یہاں تک کہ حضرت عائشہ کی باری آجاتی اور جب آں حضرتؐ حضرت عائشہ کے گھر میں ہوتے تھے تو وہ شخص اس شے کو آں حضرتؐ کے پاس حضرت عائشہ کے گھر میں بھیجتا تھا۔ اس پر حضرت ام سلمہ کی پارٹی نے اعتراض کیا۔ اور ام سلمہ سے کہا کہ آں حضرتؐ سے عرض کرو کہ وہ لوگوں سے کہہ دیں کہ لوگ حضرت عائشہ کی تخصیص نہ کریں بلکہ جس کے گھر میں بھی آں حضرتؐ ہوں ہیں تحائف و ہدایا بھیج دیا کریں۔ ام سلمہ نے اسی طرح آں حضرتؐ سے کہا۔ وہ خاموش رہے۔ بی بیوں نے ام سلمہ سے پوچھا کہ آں حضرتؐ نے کیا کہا انھوں نے کہا وہ تو خاموش رہے۔ انھوں نے کہا پھر کہنا۔ غرض اسی طرح تین دفعہ ہوا۔ دو دفعہ تو آں حضرتؐ خاموش رہے۔ تیسری دفعہ فرمایا تو مجھے عائشہ کے حق میں ایذا نہ دے اس واسطے کہ بہ تحقیق میرے پاس کبھی وحی نہیں آئی سوائے اس کے کہ جب میں

---

۵۵ مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص۸

عائشہ کے گھر میں ہوں۔ عائشہ کے سوا کسی بی بی کے پاس ہوتے ہوئے مجھے وحی نہیں آئی۔ ام سلمہ نے کہا میں آپ کی ایذا سے اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرتی ہوں۔ اب ان بی بیوں نے آں حضرتؐ کی دختر فاطمہؑ کو بلایا اور ان کو یہی پیغام دے کر آں حضرتؐ کی خدمت میں بھیجا۔ سو فاطمہؑ گئیں اور آں حضرتؐ سے کہا کہ آپ کی بی بیاں آپ سے عائشہ کے متعلق عدل چاہتی ہیں۔ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ اے بیٹی کیا تو اس کو نہیں چاہتی جس کو میں چاہتا ہوں۔ فاطمہؑ نے کہا میں وہی چاہتی ہوں جو آپ چاہتے ہیں اور واپس آ گئیں اور بی بیوں کو اس سے مطلع کیا۔ اس پر ان بی بیوں نے آں حضرتؐ کی زوجہ زینب کو بھیجا۔ وہ آں حضرتؐ کی خدمت میں آئیں اور سختی سے کلام کیا اور کہا کہ آپ کی بی بیاں عائشہ کے مقدمہ میں آپ کا عدل و انصاف چاہتی ہیں۔ زینب نے آواز بلند کی۔ عائشہ وہیں بیٹھی تھیں۔ انھیں برا بھلا کہا۔ آں حضرتؐ حضرت عائشہ کی طرف دیکھتے تھے۔ پھر عائشہ نے کلام کیا۔ اور زینب کو جواب دے کر خاموش کر دیا۔ اس پر آں حضرتؐ نے عائشہ کی طرف دیکھ کر کہا کہ کیوں نہ ہو آخر ابوبکر کی بیٹی ہے۔[۵۶]

اس روایت سے مندرجۂ ذیل امور معلوم ہوئے۔

۱۔ آں حضرتؐ کی ازواج میں دو پارٹیاں تھیں۔

۲۔ آں حضرتؐ کے فقر و فاقہ میں حضرت عائشہ اور ان کی پارٹی کی بی بیاں شریک نہ تھیں کیونکہ ان کی باری میں بہت سے تحائف آ جاتے تھے۔ اور وہ اپنی پارٹی کی عورتوں میں ضرور تقسیم کرتی ہوں گی۔

۳۔ ان تحائف کا مدعا زیادہ تر حضرت عائشہ کو فائدہ پہنچانا تھا۔ کیونکہ اگر محض آں حضرتؐ مقصود ہوتے تو وہ جہاں بھی ہوتے وہاں لوگ بھیج دیتے یہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اس طرح اپنی بیٹیوں کو فقر و فاقہ سے بچانے کی کوشش کی۔

یہاں تک تو یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ لیکن بہت کچھ اس میں حاشیہ آرائی سیاسی اغراض کے لیے کی گئی ہے۔ غور تو کیجیے صرف اس وقت ہی وحی آتی تھی

[۵۶] صحیح بخاری کتاب الہبہ الجزء الثانی ص۹۰۔ صحیح مسلم کتاب فضائل عائشہ فضل عائشہ الجزء السابع ص۱۳۶

کہ جب آں حضرتؐ حضرت عائشہ کے ساتھ سوتے تھے۔ ترجمہ کا یہ فقرہ ہم نے فیض الباری ترجمہ اردو مع متن صحیح البخاری سے لیا ہے۔ پورا فقرہ یہ ہے "عائشہ کے سوا کسی بی بی کے پاس سوتے ہوئے میرے پاس وحی نہیں آتی" فیض الباری پارہ دہم ص۸۷۔ گویا وحی تو حضرت عائشہ کی وجہ سے آئی۔ آں حضرتؐ کی وجہ سے آتی تو جہاں بھی وہ ہوتے وہاں وحی آتی۔ اس طرح دیکھیے کہ سوائے چند آیات کے سارا قرآن شریف وحی کے دائرہ سے نکل گیا۔ غیر مذہب کے لوگ ایسی باتیں سن کر ہنستے ہیں۔ کوئی رنگیلا رسول لکھتا ہے۔ کوئی اپنی کتابوں میں ایسے ہی گستاخانہ فقرے لکھ دیتا ہے۔ بھلا وحی الٰہی کو عورت کے ساتھ سونے سے کیا تعلق۔ کسی یہودی نے یہ روایت اڑا دی۔ شیخین نے یہ دیکھ کر کہ اس سے ہماری جماعت کی ایک عورت کی منزلت بڑھتی ہے اپنی اپنی صحیح میں درج کر دیا۔ یہ نہ سوچا کہ رسول خداؐ اور ان کے مشن کی کتنی توہین ہوتی ہے۔ جناب فاطمہ کا نام بیچ میں لانا ضرور تھا تاکہ اچھی طرح مقابلہ ہو جائے۔ جب بی بیوں کو ام سلمہ کی زبانی معلوم ہو گیا کہ اس گفتگو سے آں حضرتؐ کو ایذا ہوتی ہے تو انھوں نے بار بار کیوں بھیجا۔ بجائے حضرت فاطمہؑ کے آں حضرتؐ نے اپنی بی بیوں ہی سے کیوں نہ کہہ دیا کہ ایسی باتیں نہ کرو مجھے عائشہ محبوب ہے۔

حل اشکال میرے سامنے چند شیعہ اور اہل سنت و جماعت نے کچھ اشکال بجائے حل پیش کیے۔ ان کی گفتگو کا ملخص ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ واعظان اور ملا صاحبان نے اہلبیت رسالت کے فقر و فاقہ کی حالت کو محض اثر پیدا کرنے کے لیے مبالغہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جناب خدیجہ کا سارا مال جناب رسول خداؐ کو ملا۔ فتوحات کے ذریعہ سے جو مال غنیمت اور اسیران آتے تھے ان میں حضرت علی و حضرات حسنین علیہم السلام کا حصہ ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت باقرؑ کا قصہ مشہور ہے۔ حضرت عمر نے جو دیوان عطایا و وظائف کا مقرر کیا تھا اس میں حضرت علی و حضرت حسنین علیہم السلام کا حصہ درج ہے۔ جب حالت یہ ہے تو پھر کہنا کہ حضرت فاطمہؑ نے عسرت میں زندگی گزاری خلاف واقعہ ہے"

بظاہر یہ بحث کچھ وقعت دار معلوم ہوتی ہے اور زمانہ حال میں کہ جب انسان کی زندگی کا مقصد صرف روپیہ ہے اور محض روپیہ کے معیار پر حق و ناحق کا فیصلہ کیا جاتا ہے اس بحث کے زور پکڑنے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا اس پر مفصل گفتگو ضروری ہوئی جب کسی قوم کے واقعات و حالات اور کسی فرد کے سوانح حیات اور اس کے افعال و تخیلات کے اسباب و علل پر گفتگو کرنی ہوتی ہے تو مؤرخ کا فرض ہے کہ اس قوم اور اس شخص کی ذہنی حالت کا اس قدر صحیح اندازہ کرلے کہ ایسا معلوم ہو کہ وہ بھی ان میں کا ایک ہے۔ اس کا دوسرا فرض یہ ہے کہ اس قوم یا شخص کے ماحول کو اس طرح سمجھ جائے کہ یہ معلوم ہو کہ ان کا ہمعصر تھا۔ اس مورخ کی لکھی ہوئی کتاب کی قدر و قیمت و خوبی اس کے اس صحیح اندازے اور فہم کے تناسب سے ہوگی۔

آج کل دنیا ایک زمانہ عجلت میں سے گزر رہی ہے جو کام جلدی میں ہو سکتا ہے ہو جائے۔ زیادہ سطح کے نیچے جا کر وقت ضائع کرنا آج کل کے ذہنی فیشن کے خلاف ہے۔ سوال زیر بحث پر غور کرنے کے لیے دو تین امور کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ اوّل تو یہ کہ جناب رسول خدا کا خود بھی یہی عمل تھا اور اپنی اولاد کو بھی یہ تعلیم دی تھی کہ جب تم دیکھو کہ کئی آدمی ایک ہی مصیبت میں گرفتار ہیں اور تم ان میں سے ایک ہو تو ہمیشہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دو۔ آپ کی تعلیم کا دوسرا جزو یہ تھا کہ اپنی حالت اور طرز رہائش اور معمول زندگی کو ایسا رکھو کہ میری امت کا غریب سے غریب شخص اس سے اپنے لیے نمونہ لے سکے۔ اور اگر اولاد رسولؐ اپنی زندگی فراوانی اور ثروت میں گزارتے تو غریب لوگوں کو غربت میں زندگی گزارنے کا نمونہ نہ ملتا اور وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ ہاں ٹھیک ہے جب وسعت رزق ہو تو خدا خوب یاد آتا ہے اور سخاوت بھی ہوتی ہے اگر ہماری طرح کی زندگی گزارتے تو پھر ہم ان کی عبادت اور سخاوت کو دیکھتے۔ دیکھئے جب آں حضرتؐ سے جناب فاطمہؑ نے خادمہ طلب کی تو جناب رسول خداؐ نے خادمہ سے بہتر شے یعنی تسبیح تو ضرور دے دی لیکن خادمہ نہ دی۔ اور یہ کہا کہ فاطمہ میری اولاد کا کام تو صبر کرنا ہے۔ تم اس مشقت پر صبر کرو۔ لونڈی غلاموں کو جائز طور سے فروخت کر کے میں اس روپے کو اہل صفہ پر تقسیم کروں گا جب جناب فاطمہؑ نے محض عمدہ پردہ لٹکایا اور صرف چاندی کا ایک زیور پہنا تو

آں حضرتؐ کو ناگوار گزرا۔ اور جب انھوں نے ان چیزوں کو فروخت کر کے آپ کے پاس روپیہ بھیجا تو خوش ہو گئے اور روپیہ خیرات کر دیا۔ دوسری یہ بات ہے کہ خدا کی نظر میں ہمیشہ صدقہ و خیرات اچھی چیز ہے اور باعث خوشنودی خدا ہے اور اس زمانہ میں عرب میں سخاوت انسان کا بہترین جوہر سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا رسولؐ و آل رسولؐ کو یہ گوارا نہ تھا کہ ان کے دروازے سے سائل محروم پھر جائے۔ قرآن شریف میں عام مسلمانوں کے لیے خیرات کا یہ اندازہ مقرر کر دیا ہے کہ جو تمھاری ضرورت سے فاضل ہو وہ صدقہ میں خرچ کرو۔ پانچ وقتوں کی نماز مقرر کی ہے۔ یہ تو فرض ہے۔ اس اندازہ کی خیرات کرنا صرف پانچ وقت کی نماز پڑھنا ہر مسلمان کا فرض ہے لیکن اس سے زیادہ جو کرے گا وہ ممنوع نہیں۔ بلکہ باعث ثواب مزید ہے۔ اسی لیے لوگ نوافل و تہجد پڑھتے ہیں۔ خیرات اتنی کرتے ہیں جتنی وہ کر سکتے ہیں۔ لیکن آل رسولؐ کا یہ امکان خیرات بہت وسیع تھا۔ ہر حالت میں اور ہر صورت میں سائل کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے۔ تیسری بات جو زیادہ باریک ہے وہ یہ ہے کہ رزق حلال و رزق طیب میں فرق ہے۔ ازواج رسولؐ رزق حلال پر گزارہ کرتی تھیں۔ رسولؐ و آل رسول حلال کے درجے سے آگے بڑھ کر رزق طیب کی تلاش میں رہتے تھے۔ ہم مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔ ایک شخص نے اپنی کمائی میں سے یک صد روپیہ ایک مولوی صاحب کو نذرانہ پیش کیا۔ بظاہر اس کی کمائی میں کچھ شے حرام نہیں ہے۔ کم سے کم مولوی صاحب موصوف کے علم میں نہیں ہے۔ انھوں نے وہ روپیہ قبول کر لیا۔ ان کے لیے حلال ہے لیکن رزق طیب وہ ہے جس میں حرام کی آمیزش کا امکان بھی نہ ہو۔ ایک شخص تاجر کی روزی میں امکان ہے کہ اس نے جائز سے زیادہ اپنے مال کی قیمت وصول کی ہو۔ یہ حرام ہو گیا۔ ایک پولیس آفیسر اور تحصیلدار کی روزی میں اس بات کا امکان ہے کہ رشوت کا روپیہ شامل ہو۔ اگرچہ لینے والے کو اس کا علم نہیں ہے لیکن اس امر کا امکان تو ہے۔ لہٰذا وہ مال جو اس روزی میں سے دیا جائے گا لاعلم لینے والے کے لیے حلال ہوگا۔ لیکن طیب نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں امکان حرمت باقی ہے۔ اس وجہ سے آپ نے دیکھا ہوگا کہ عابل لوگ اور چلہ کھینچنے والے رزق طیب کا خیال رکھتے ہیں۔ اپنی حلال کمائی سے حاصل کیا ہوا رزق اپنے ہاتھ سے

بظاہر پانی سے پکایا ہوا کھانا کھاتے ہیں۔ دوران چلّہ میں اس کا خیال ضرور رکھتے ہیں۔ بیت المال کے روپے کی یہی حالت تھی۔ کسی طرح سے حاصل کیا ہوا عام مسلمانوں کے لیے حلال تھا لیکن حضرت علیؑ نے اپنے اوپر اسے حرام کرلیا تھا۔ اپنے دست و بازو سے محنت و مزدوری کرکے رزق حاصل کرتے تھے اور اس پر گزارہ کرتے تھے۔ بہت کچھ مال غنیمت آتا تھا مسلمانوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ لیکن جب حضرت عمر ان کی تلاش میں نکلے تو حضرت علی کو درختوں میں پانی دیتے ہوئے پایا۔ ازواج رسول کا رزق حلال تھا۔ لوگ اپنی خوشی سے ہدایا اور تحائف دیتے تھے۔ اور ازواج رسولؐ اپنے اوپر خرچ کرتی تھیں۔ ان کے لیے حلال تھا۔ لیکن جناب رسول خداؐ رزق طیب ہی کھاتے تھے اور جب اپنے گھر میں نہ ملتا تھا تو اپنی بیٹی کے گھر میں آن کر اس کو تلاش کرتے تھے۔

ایک اور بات بھی نظر انداز نہ کرنی چاہیے۔ ہم جناب فاطمۃ الزہراؑ کے سوانح حیات لکھ رہے ہیں۔ اس زمانہ کے حالات پر غور کرکے اس سوال کا فیصلہ کرنا چاہیے۔ ان کے بعد ہی مسلمانوں میں دولت و ثروت پھیل گئی۔ اور ایک ایک گھر میں متعدد لونڈی غلام ہونے لگے۔ لیکن جناب فاطمہؑ کے معمول زندگی معلوم کرنے کے لیے اس صورت حالات کو نظر انداز کرنا ہوگا۔

جب ہم ان اصول کو مدنظر رکھ کر ان اشکال پر بحث کرتے ہیں تو سارے شک و شبہ دور ہو جاتے ہیں۔ جناب رسول خداؐ کے زمانے میں اتنی لونڈی غلام نہیں آتے تھے اور اتنا مال غنیمت نہیں ہوتا تھا کہ ہر گھر بشمول اصحاب صفہ صاحب ثروت ہو جاتے اور جب تک ایک غریب بھی مدینہ میں رہتا۔ رسولؐ و آل رسولؐ نے اپنے اوپر وسعت رزق کو جائز نہیں رکھا تھا۔ جو کچھ آتا خواہ لونڈی غلام کی صورت میں ہو یا نقدی کی صورت میں پہلے خیرات میں خرچ ہوتا تھا۔ لونڈی غلام اس لیے لیے جاتے تھے کہ ان کو آزاد کرکے خوشنودئ خدا حاصل کریں اور زیادہ ہوں تو انھیں فروخت کرکے ان کے روپے سے غریبوں کی مدد کریں۔ جائز طور پر اسیر کیے ہوئے لوگوں کی خرید و فروخت میں مضائقہ نہ تھا۔ اپنی زندگی عسرت ہی میں گزار کر خوش رہتے تھے۔ جناب خدیجہ کے مال میں جناب رسول خداؐ اور حضرت فاطمہ کا حصہ ضرور تھا۔ لیکن کسی تاریخ سے پتہ نہیں چلتا

کہ جناب خدیجہ نے بوقت رحلت کتنا مال چھوڑا اور اس میں ان دونوں بزرگواروں کے حصے کی کتنی رقم ہوتی تھی۔ جب تک یہ نہ معلوم ہو محض قیاس کہ کچھ حصہ کی رقم ہوگی درست نہیں۔ جب جناب خدیجہ کا نکاح جناب رسول خداؐ سے ہوا تو جناب خدیجہ اپنے باپ کے مال کی منتظمہ تھیں۔ مالکہ نہ تھیں۔ اپنے والد کے انتقال پر ان کو کچھ ورثہ ملا ہوگا لیکن یہ نہیں معلوم ہوا ہے کہ وہ ورثہ کس قدر تھا۔ اس کے بعد جناب خدیجہ بیس پچیس سال زندہ رہیں اور جناب رسول خداؐ کے مشن کی مدد اپنے مال سے کرتی رہیں۔ یہ نہیں سننے میں آیا کہ اس نکاح کے بعد بھی مال کے کارواں بغرض تجارت بھیجنے جاری رکھے میرے خیال میں اتنی بڑی تجارت کے قابل مال ہی نہ رہا ہوگا۔ وہ مال اب کیا باقی رہا ہوگا کہ جناب فاطمہؑ کے ورثہ میں آتا جس طرح پانی چھلنی میں نہیں ٹھہرتا اور عاشق کے دل میں صبر قرار نہیں پکڑتا۔ اسی طرح سخی لوگوں کے ہاتھ میں مال نہیں رہتا۔ حضرت بانو اس بادشاہ کی لڑکی تھیں جس نے مسلمانوں سے لڑائی میں پہل نہ کی تھی ان کا لونڈی رہنا ظلم ہوتا حضرت علیؑ نے لے کر اپنے شہزادہ حسینؑ سے شادی کر دی۔

میاں بیوی کا آپس میں سلوک

ہر ایک واقعہ کے لیے سبب ہوتا ہے اور میاں بیوی کے آپس کے تنازعات کی بھی وجہ ہوتی ہے۔ یہ تنازعات اس وقت پیدا ہوتے ہیں کہ جب آپس میں طبیعت، مزاج اور کردار کا اختلاف ہوتا ہے۔ میاں غریب ہے اور بیوی فیشن پسند ہے۔ عیش و عشرت ہی کو مقصد حیات سمجھتی ہے۔ یا بیوی بہت عابدہ زاہدہ ہے عبادت ہی میں لگی رہتی ہے۔ میاں اور بچوں کا خیال نہیں رکھتی یا آپس کا شخصی مقناطیس نہیں ملا جس کی وجہ سے ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے۔ میاں باہر دوستوں میں اور کھیل کود میں منہمک رہتا ہے اور بیوی اور بچوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ یہ اور ایسی ہی اور اختلاف کی وجوہات ہو جاتی ہیں لیکن یہاں بیوی بھی ایسی ہی زاہدہ، عابدہ اور خدادوست جیسے کہ خاوند۔ دونوں مفلسی میں خوش۔ دونوں کا مقصد حیات ایک ہی یعنی خدمت اسلام اور اطاعت خدا و رسولؐ۔ دونوں حقوق خدا و حقوق بندگان کے ایک طرح ادا کرنے والے۔ بچوں کی محبت و تعلیم میں دونوں

یکساں منہمک۔ عادت۔ خصائل۔ کردار۔ مزاج دونوں کا یکساں۔ پھر تنازعہ ہو تو کس بات پر ہو۔ دونوں میں کس طرح کی محبت تھی جناب امیرؑ کے اشعار و اقوال سے ظاہر ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ فاطمہ جنت کا ایک پھول تھیں جس کے مرجھانے کے بعد بھی میرا دماغ اس کی خوشبو سے معطر ہے۔ اس افلاس و تنگی میں بھی کبھی خاوند سے کسی امر کی شکایت نہیں کی۔ بلکہ ان کی حالت دیکھ کر خود حضرت علی نے کہا کہ اپنے والد سے ایک خادمہ مانگ لو کیونکہ کئی دن متواتر فاقوں سے گزرے شکایت کا حرف ایک دفعہ زبان پر نہ آیا۔ اندریں صورت جب کوئی وجہ تنازعہ ہی نہ تھی تو تنازعہ کہاں سے پیدا ہوتا۔ چنانچہ حضرت علیؑ کے اشعار جو جناب فاطمۂ کی تعریف میں ہیں وہ بتاتے ہیں کہ دونوں کو آپس میں کتنا عشق تھا۔ جناب فاطمہ زہراؑ کے انتقال پر حضرت علیؑ نے فرمایا :-

حبیب لیس یعدلہ حبیب وما لسواہ فی قلبی نصیب

حبیب غاب عن عینی وجسمی وعن قلبی حبیب لا تغیب

جناب رسول خدا فرمایا کرتے تھے کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو ایذا دی۔ اس نے مجھے ایذا دی۔ اور جناب فاطمہ نے رحلت کے وقت کارکنان سقیفہ بنی ساعدہ سے صاف کہہ دیا کہ تم دونوں نے مجھے سخت ایذا دی ہے۔ میں تم دونوں سے ناراض ہوں۔ اور اپنے والد ماجد سے جنت میں ملوں گی تو تمھاری شکایت ضرور کروں گی۔ لہذا کارکنان حکومت کے لیے ضروری ہوا کہ حضرت علیؑ پر بھی جناب فاطمہ کو ناراض ہوتا دکھائیں۔ اب ایک قصہ تیار ہوا۔ ملک محمد الدین اپنی "خاتون جنت" میں اس قصہ کو اس طرح لکھتے ہیں :-

"ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا۔ لڑکی والوں کو اندیشہ ہوا کہ شاید آں حضرت صلعم کو ناگوار ہو۔ اس لیے آپ سے اجازت لینے آئے۔ ادھر فاطمہؓ نے بھی عرض کیا کہ دیکھئے سب لوگ اپنی لڑکیوں کی حمایت کرتے ہیں۔ مگر آپ کچھ خیال ہی نہیں فرماتے۔ اب علی ابوجہل کی بیٹی سے شادی کر کے مجھ پر سوت لانا چاہتے ہیں۔ اس حال کو سننے اور فاطمہؓ کو غمگین دیکھنے سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

دل پر چوٹ لگی مسجد میں جا کر منبر پر کھڑے ہوئے اور لوگوں سے فرمایا کہ ہشام بن المغیرہ کے خاندان کے لوگ مجھ سے اجازت لینے آئے تھے کہ علی سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دیں۔ میں ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ اور خدا کے دشمن ابوجہل کی بیٹی ایک گھر میں جمع ہوں۔ یاد رکھو فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ اس کے رنج سے مجھے رنج ہوتا ہے۔ اور اس کی تکلیف سے تکلیف۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ناراضی دیکھ کر علی نے کانوں پر ہاتھ رکھا اور جب تک فاطمہ زندہ رہیں کبھی دوسرے نکاح کا نام نہ لیا۔" [۵۷]

یہ قصہ اتنا غیر اغلب، خلافِ عقل و فہم و ناممکن ہے کہ بغیر مزید بحث کے اس کو رد کر دینا چاہیے۔ لیکن چونکہ اس سے علیؑ کی فضیلت میں کمی اور کارکنان سقیفہ بنی ساعدہ کے جرم میں رعایت کا امکان ہے لہذا ہر ایک مورخ و محدث نے اس کو بغیر غور و فکر کے تسلیم کر لیا۔ ان بزرگواروں کی باتیں ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ جعفر و عباسہ کے عیش و عشرت کے واقعات کو محض ایک جملہ لکھ کر ابن خلدون نے رد کر دیا کہ خلیفۂ رسولؐ اور امیر المومنین کی بہن سے یہ بعید ہے کہ ایک نامحرم سے ناجائز عشق کرتی۔ ہر ایک تاریخ میں بلا تردید ان کے واقعات عینی درج ہیں لیکن محض اس ایک جملہ سے ابن خلدون نے اس کی صحت سے انکار کر دیا۔ بخاری اصح الکتب بعد کتاب باری سمجھی جاتی ہے۔ بخاری نے قصہ قرطاس کو ایک جگہ نہیں سات جگہ لکھا مسلم نے دو جگہ لکھا۔ لیکن چونکہ حضرت عمر کا قدم درمیان میں ہے۔ اس پر بھی تنقید ہونے لگی بخاری نے غلطی کی۔ عبداللہ ابن عباس کی عمر اس وقت پندرہ سولہ سال کی تھی۔ ایسے بچے کی روایت کو بخاری نے مان لیا۔ حضرت عمر سے بعید ہے کہ وہ جناب رسول خداؐ کی اس قدر گستاخی کرتے جتنی کہ اس قضیہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ لو بس قصہ ختم ہوا۔ بخاری بھی اس قیاس کی بنا پر مجروح ہو گئے۔ یوں تو عبداللہ ابن عباس بحر العلوم ہیں لیکن یہاں ان کا بھی حافظہ ناقابلِ اعتبار مسلم۔ بخاری۔ طبقات ابن سعد مشکوٰۃ سب اس قصے کو صحیح ماننے کی وجہ سے مجروح ہو گئے۔ لیکن عکرمہ غلام جو حضرت علیؑ کا

[۵۷] خاتون جنت صفحہ ۱۴۱

بد ترین دشمن اور مذہباً خارجی تھا ان ہی عبداللہ ابن عباس کی طرف ایک غلط حدیث حضرت ابوبکر کے خوخہ کے متعلق منسوب کر دیتا ہے تو وہی عبداللہ ابن عباس اب قابل اعتبار بن جاتے ہیں۔ خوخہ کے واقعہ کے وقت تو عبداللہ ابن عباس اور بھی چھوٹے ہوں گے لیکن سب کچھ قبول کیونکہ اس تدبیر سے ان بزرگواروں کا کام بنتا ہے۔ اب ہم اس ابوجہل والی لڑکی کی روایت پر غور کرتے ہیں۔

یہ روایت بخاری میں چار جگہ ہے۔

(ا) کتاب الخمس باب ۵ صفحہ ۱۲۷ الجزء الثانی۔ (ب) کتاب فضائل اصحاب النبی باب ۱۶ ذکر اصہار النبی بخاری الجزء الثانی صفحہ ۲۰ (ج) کتاب النکاح باب ۱۰۹ الجزء الثالث صفحہ ۱۷۷ (د) کتاب الطلاق باب الشقاق ۱۳ الجزء الثانی صفحہ ۲۰۲

یہ روایت مسلم میں تین جگہ ہے۔

(ھ) کتاب فضائل الصحابہ باب فضائل فاطمہ بنت النبی علیہ الصلوۃ والسلام الجزء السابع صفحہ ۱۴۱ و صفحہ ۱۴۲

یہ روایت احمد حنبل میں چار جگہ ہے۔

(ح) الجزء الرابع صفحہ ۳۲۶ (ط) الجزء الرابع صفحہ ۳۲۶ (ی) الجزء الرابع صفحہ ۳۲۶
(ك) الجزء الرابع صفحہ ۳۲۸

یہ روایت ابن ماجہ میں ایک جگہ ہے۔

(ل) سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب الغیرہ صفحہ ۱۴۵

(ا) کے اسناد یہ ہیں:-

(۱) سعید بن محمد الجرمی (۲) یعقوب ابن ابراہیم (۳) ابراہیم (۴) ولید ابن کثیر (۵) محمد بن عمرو بن حلحلۃ الدولہ (۶) ابن شہاب (۷) علی بن حسین۔ (۸) مسور بن مخرمہ

(ب) کے اسناد یہ ہیں:-

(۱) ابوالیمان (۲) شعیب (۳) زہری (۴) علی بن حسین (۵) مسور بن مخرمہ

(ج) کے اسناد یہ ہیں:-

(۱) قتیبہ (۲) اللیث (۳) ابوملیکہ (۴) مسور بن مخرمہ

(د) کے اسناد یہ ہیں:-

(۱) ابوالولید (۲) اللیث (۳) ابوملیکہ (۴) مسور بن مخرمہ

(ھ) کے اسناد یہ ہیں:-

(۱) احمد بن عبداللہ بن یونس (۲) قتیبہ بن سعید (۳) اللیث بن سعد (۴) عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ (۵) مسور بن مخرمہ

(و) کے اسناد وہ ہیں جو (ا) کے ہیں۔

(ز) کے اسناد وہ ہیں جو (ب) کے ہیں۔

(ح) کے اسناد یہ ہیں:-

(۱) وہب بن جریر (۲) جریر (۳) نعمان (۴) زہری (۵) علی بن حسین (۶) مسور بن مخرمہ

(ط) کے اسناد یہ ہیں:-

(۱) ابوالیمان (۲) شعیب (۳) زہری (۴) علی بن حسین (۵) مسور بن مخرمہ

(ی) کے اسناد یہ ہیں:-

(۱) یعقوب (۲) ابراہیم (۳) ولید ابن کثیر (۴) محمد بن عمرو (۵) ابن حلحلۃ الدولی (۶) ابن شہاب (۷) علی ابن الحسین (۸) مسور بن مخرمہ

(ك) کے اسناد یہ ہیں:-

(۱) ہاشم بن قاسم (۲) اللیث یعنی ابن سعد (۳) عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ (۴) مسور بن مخرمہ۔

(ل) کے اسناد یہ ہیں:-

(۱) عیسیٰ ابن حماد (۲) اللیث بن سعد (۳) عبیداللہ ابن ابی ملیکہ (۴) مسور بن مخرمہ

سب سے پہلے تو دیکھنے کی بات ہے کہ یہ تمام روایات صرف ایک صحابی سے منسوب ہیں اگر ان کو صحابی کہا جا سکتا ہے یعنی مسور بن مخرمہ۔ ان کی عمر چھ سال کی تھی جب جناب رسول خدا کا انتقال ہوا [۵۸] علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ مسور

[۵۸] کتاب الجمع بین رجال الصحیحین لابی الفضل محمد بن طاہر بن علی المقدسی المعروف بابن القیسرانی الجزء الثانی صفحہ ۵۱۵ ذکر مسور بن مخرمہ نمبر ۲۱۰

مکہ میں ہجرت سے دو سال گزرنے کے بعد پیدا ہوئے تھے اور اواخر ذی الحجہ سنہ ۸ھ میں ان کے والد مکہ سے ان کو مدینہ لائے۔ مسور کا انتقال ربیع الاول سنہ ۶۴ھ میں ہوا۔

رمضان سنہ ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا تھا۔ اور جناب رسول خداؐ کا انتقال ربیع الاول سنہ ۱۱ھ میں ہوا۔ گویا مدینہ میں مسور بن مخرمہ صرف دو سال اور دو مہینے رہے کہ جناب رسول خداؐ کا انتقال ہو گیا۔ اور جب وہ مدینہ آئے تو بقول حافظ ابن عبد البر ان کی عمر پونے چھ سال کی تھی۔ اور بقول ابن طاہر مقدسی پونے آٹھ سال کی۔ اور یہ واقعہ خطبہ دختر ابی جہل کا آں حضرتؐ کی وفات سے اگر کچھ نہیں تو دو سال قبل ہوگا فتح مکہ تک تو عکرمہ ابن ابی جہل کافر تھا۔ اور یہ سب مکہ میں رہتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد عکرمہ ابن ابی جہل یمن چلا گیا۔ وہاں سے اس کی بیوی اس کو مدینہ لے آئی اور دونوں مسلمان ہوئے۔ اس کے بعد ہی یہ خطبہ کا واقعہ ہو سکتا تھا۔ تو گویا جب یہ واقعہ ہوا اور آں حضرتؐ نے ممبر پہ جا کر اس کا اعلان کیا جس کو مسور روایت کرتے ہیں۔ اس وقت مسور کی عمر چار سال یا زیادہ سے زیادہ چھ سال تھی اور یہ آٹھ سال یا چھ سال کے تھے کہ جب آں حضرتؐ کا انتقال ہوا۔ ابھی تو یہ سن تمیز کو بھی نہیں پہنچے تھے۔ ان کو صحابی کا لقب تو دیا ہی نہیں جا سکتا۔ ہم حیران ہیں کیا دنیا سے انصاف بالکل ہی معدوم ہو گیا۔ اس ظلم کی بھی کوئی حد ہے۔ اس چار یا چھ برس کے بچے کے اس قول پر اتنا اعتبار کیا گیا۔ شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں اس کو درج کیا۔ پھر ان پر اعتبار کر کے تمام محدثین نے روایت کیا۔ اتنے جوان و معمر صحابہ موجود تھے کسی نے اس کو نہیں سنا۔ کوئی اس کو بیان نہیں کرتا۔ صرف مسٹر مسور نے سن لیا اور بانگ دہل اس کا اعلان کر دیا اس ہٹ دھرمی کی بھی کوئی حد ہے۔ عبد اللہ ابن عباس کی روایت کو شک کی نگاہ سے مولوی شبلی دیکھتے ہیں کہ ان کی عمر صرف چودہ یا پندرہ سال کی تھی جب واقعہ قرطاس ہوا جس کو وہ بیان کرتے ہیں اور یہاں چھ برس کے بچے پر اتنا اعتبار کیا جاتا ہے۔ ایک کوٹھے پر دو ہواؤں کی مثل سن کر ہم کہا کرتے تھے کہ ایسا کون بیوقوف ہوگا جس پر یہ مثل عائد ہوتی ہوگی۔ اب اتنے بڑے محدثین کو دیکھ لیا کہ کس طرح ایک کوٹھے پر دو ہواؤں کے قائل ہیں۔

غرضیکہ صرف اتنی ہی بحث کافی ہے کہ یہ روایت ایک چار یا پانچ برس کے،

بچے کی ہے جو ابھی تک اس سے بھی واقف نہ تھا کہ سچ کس کو کہتے ہیں۔ اور جھوٹ کیوں برا ہے۔ سچ بولنے کا فرض نہ اس پر عائد ہوتا تھا۔ نہ اس سے وہ واقف تھا۔ اس سے یہ بالکل ناممکن تھا کہ وہ ایک کلام مسلسل کو سن کر اسی طرح یاد رکھے گا کہ جس طرح وہ بیان ہوا تھا۔

دوسری وجہ اس کے ناقابل اعتبار ہونے کی یہ ہے کہ ایک ہی واقعہ کی مختلف روایات ہیں اور ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ہم اس امر پر بھی غور کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا روایات کل ۱۲ ہیں جن میں سے سات میں حضرت امام زین العابدینؑ بھی ایک راوی ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امام زین العابدینؑ ہی نے یہ روایت مسور سے سنی ہے۔ یہ سات روایتیں ا، ب، و، ز، ح، ط اور ی ہیں۔ ان میں آپس میں سخت اختلاف ہے۔ روایات ا، و، ی کا مضمون بالکل مختلف ہے۔ روایات ب، د، ح، ط سے

روایات ا، و، ی کا مضمون ان روایات کا مضمون یہ ہے کہ جب امام زین العابدین علیہ السلام بعد شہادت امام حسین علیہ السلام دمشق سے مدینہ میں تشریف لائے۔ تو مسور ابن مخرمہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ کیا کوئی خدمت میں آپ کی کر سکتا ہوں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تم سے کوئی حاجت نہیں ہے۔ اس پر مسور نے عرض کی کہ مجھے آپ سے حاجت ہے اور وہ یہ کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تلوار جو آپ کے پاس ہے وہ مجھے آپ عطا کر دیں۔ کیونکہ آپ سے تو یہ لوگ جبراً تلوار کو لے لیں گے اور میں مرتے مرتے ان کو تلوار نہ دوں گا۔ کیونکہ حضرت علیؑ نے ابوجہل کی لڑکی سے یہ شادی کا خطبہ بھیجا دراں حالیکہ حضرت فاطمہ زندہ تھیں۔ میں نے رسول خداؐ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ فاطمہ مجھ سے ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ فاطمہ کے دین میں فتنہ نہ ڈالا جائے۔ پھر آں حضرتؐ نے اپنے داماد ابو العاص کی دامادی کی تعریف کی جو عبد شمس کی اولاد میں سے تھا اور فرمایا کہ ابو العاص نے جو بات مجھ سے کی وہ سچ کی اور جو وعدہ کیا وہ پورا کیا اور بہ تحقیق میں ایسا نہیں ہوں کہ حلال کو حرام کر دوں اور حرام کو حلال۔ لیکن قسم ہے خدا کی پیغمبر کی بیٹی اور خدا کے دشمن کی بیٹی ایک جگہ جمع نہ ہوں گی

آپ اس عبارت پر اچھی طرح غور کریں - یہ روایت اصح الکتب بعد کتاب باری میں ہے ایک چھ برس کے بچے کی روایت ہے - اس پر ایسا یقین تھا کہ محمدؐ کی نبوت سے انکار ہو جائے تو ہو جائے - اس کی صحت سے انکار نہیں - محض اس وجہ سے کہ اس میں جناب علی مرتضیٰؑ کی مذمت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے - اور علیؑ کی مذمت ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرتی ہے - ہم اس روایت کے حسن و قبح کی طرف ناظرین کو توجہ دلاتے ہیں۔

روایات ب، ذ، ح کا مضمون حضرت علی ابن الحسین امام زین العابدینؑ کہتے ہیں کہ مسور نے بیان کیا کہ علی نے ابو جہل کی لڑکی کے لیے نکاح کا خطبہ دیا یہ جناب فاطمہ نے سن لیا - پس وہ اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ آپ کی قوم کو خیال ہو گیا ہے کہ آپ اپنی لڑکیوں کی حمایت و طرفداری نہیں کرتے علی کو دیکھئے ابو جہل کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں - پس آں حضرتؐ منبر پر تشریف لے گئے - میں نے سُنا کہ آپ بعد حمد و ثنا فرمانے لگے کہ میں نے زینب کا نکاح ابو العاص بن الربیع سے کیا - پس اس نے مجھ سے جو بات کی سچ کی اور جب کوئی وعدہ کیا وہ پورا کیا - فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے اور میں ناپسند کرتا ہوں کہ کوئی شے اسے رنج پہنچائے - قسم بخدا رسول خدا کی بیٹی اور دشمن خدا کی بیٹی ایک شخص کے پاس مجتمع نہ ہوں گی - علیؑ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا - محمد بن عمرو بن حلحلہ نے ابن شہاب سے اور اس نے امام زین العابدینؑ سے اور انھوں نے مسور سے اتنے الفاظ اور تفصیلاً زائد کیے ہیں کہ سنا میں نے کہ جناب رسول خداؐ نے بنی عبد شمس کی دامادی کا ذکر کیا اور اس کی تعریف کی اور فرمایا کہ اس نے (ابو العاص بن الربیع جو بنو عبد شمس سے تھا) جو بات کہی سچ کہی اور جو وعدہ کیا وہ پورا کیا -

(نوٹ :- یہ الفاظ کچھ زیادہ ہیں ورنہ مضمون تو ان کا متن روایت میں بھی آگیا ہے)

یک نہ شد دو شد - یہ وہ روایت ہے جس سے جناب فاطمہؑ و علی مرتضیٰؑ اور جناب رسول خداؐ کی توہین بیک وقت ہوتی ہے -

وہ روایات جن میں حضرت امام زین العابدین کا توسل نہیں ہے ان میں چند میں تو امام زین العابدینؑ کی بجائے مسور سے سننے والے ابو ملیکہ ہیں - یا ان کے پوتے عبداللہ ہیں - ابو ملیکہ والی روایات ج، د ہیں، ان کے بیٹے عبید اللہ سے

کوئی روایت معلوم نہیں ہوتی - صرف ابن ماجہ والی روایت یعنی روایت (ل) میں عبداللہ کو ابن ابی ملیکہ لکھا ہے اور اس سے روایت کی ہے - یا تو یہ واقعی عبداللہ بن ابی ملیکہ کی روایت ہے یا غلطی کاتب سے عبید اللہ کی بجائے عبداللہ لکھا گیا - عبداللہ والی روایات ا، ک اور ل ہیں - دراصل یہ نام کا مغالطہ ہی ان کی صحت کے خلاف بہت مضبوط ثبوت ہے - راوی کو یہ ہی پتہ نہیں کہ بیٹے سے سُنا یا پوتے سے سُنا کوئی بیٹا کہتا ہے - کوئی پوتا - اب ہم ان روایات ج، د، ک، ل، ل پر غور کرتے ہیں -

روایت ج منبر پر مسور بن مخرمہ نے آں حضرت کو کہتے ہوئے سُنا کہ بنو ہشام مجھ سے اجازت چاہتے ہیں کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح علی ابن ابی طالب سے کر دیں میں نہیں اجازت دیتا - نہیں اجازت دیتا - نہیں اجازت دیتا - لیکن اگر علی ابن ابی طالب میری لڑکی فاطمہ کو طلاق دینا چاہتا ہے تو پہلے طلاق دیدے - پھر وہ نکاح کر دیں فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اسے ایذا دی - اُس نے مجھے ایذا دی - لیکن

روایت د میں فقط اتنا ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ بنو المغیرہ مجھ سے اجازت مانگتے ہیں کہ وہ اپنی لڑکی علی سے بیاہ دیں - پس میں اجازت نہیں دیتا - غور کیجیے اس میں نہ تو طلاق کا ذکر ہے اور نہ ایذا کا ذکر ہے - اور نہ نہیں کو تین دفعہ دُہرایا گیا ہے

روایت ک اگرچہ الفاظ ذرا مختلف ہیں لیکن مضمون تقریباً وہ ہی ہے جو روایت ج میں ہے -

روایت ل اس روایت میں علیؑ کے فاطمہؑ کو طلاق دینے کا ذکر نہیں - اس کے علاوہ اس کا مضمون وہ ہی ہے جو روایت ج اور ک کا ہے -

روایت ل اس روایت کا مضمون مطابق روایات ج، ک ہے -

ان روایات کا یہ اختلاف، اضطراب ہی کافی ہے ان کو غیر معتبر ثابت کرنے کے لیے اب ہم اس قصے پر ایک مبسوط تنقید و مکمل جرح کرتے ہیں -

ا - یہ صرف ایک بچے کی سُنی ہوئی روایت ہے جس کی تائید کسی صحابی نے نہیں کی -

۲۔ مسور بن مخرمہ کی عمر اس روایت کے بیان ہونے کے وقت صرف چار یا چھ برس کی تھی۔ اور انھوں نے اس روایت کو اس سے پہلے کسی سے بیان نہیں کیا۔ ان کا انتقال ربیع الاول ۶۴ھ میں ہوا۔ اہلبیت علیہم السلام کی دمشق سے واپسی پر یہ حضرت زین العابدینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک یا دو سال کے اندر ان کا انتقال ہوگیا۔ چار یا چھ سال کی عمر سے اس روایت کو اور اس کے مضمون کو دماغ میں ساٹھ سال تک یاد رکھنا بعید از قیاس ہے۔ اور اواخر عمر میں کیوں یک لخت ان کو اس کے بیان کرنے کی ضرورت ہوئی۔

۳۔ یہ امر قابل غور ہے کہ عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ نے خود مسور ابن مخرمہ سے روایت سنی ہے۔ اپنے باپ یا دادا کے ذریعہ سے نہیں سنی۔ مسور ابن مخرمہ کا انتقال ۶۴ھ میں ہوا اور عبداللہ بن عبیداللہ ابن ملیکہ کا انتقال ۱۱۷ھ میں ہوا۔ گویا مسور ابن مخرمہ کے بعد عبداللہ ۵۳ سال زندہ رہے۔ غالباً سات یا آٹھ برس کے ہوں گے کہ جب یہ حدیث انھوں نے مسور سے سنی۔ عبداللہ کی تاریخ پیدائش ہمیں نہیں ملی۔ یہ بھی کم سنی کی وجہ سے قابلِ اعتبار نہیں۔ بہرصورت یہ تو اس سے ظاہر ہوا کہ مسور نے اپنے چھ سال کی عمر سے اس روایت پر غور نہیں کیا۔ آخر عمر میں یکایک ان کو اس کے اظہار کی کیا ضرورت ہوئی۔ یہ یقینی ہے کہ اتنے عرصہ تک روایت کے صحیح الفاظ یاد نہیں رہ سکتے۔ اور چھ سال کا بچہ تو مضمون بھی یاد نہیں رکھ سکتا۔

۴۔ مسور ابن مخرمہ حضرت علی کی مخالف جماعت میں سے تھے۔ یہ حقیقی بھانجے عبدالرحمٰن ابن عوف کے تھے جنھوں نے حضرت علیؑ کو نظر انداز کرکے حضرت عثمان کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔ مسور بن مخرمہ ہی کے گھر میں شوریٰ ہوا تھا۔ اور یہ رات بھر اسی تگ و دو میں رہے کہ کسی طرح علی خلیفہ نہ ہوں۔

۵۔ بے ربطی اور ناموزونی موقع بھی ملاحظہ ہو۔ یہ جناب زین العابدینؑ کی خدمت میں گئے تو جناب رسول خداؐ کی تلوار لینے۔ وہ کونسا موقع اور محل اس روایت کے بیان کا تھا جس کو ۵۰ سال کے عرصہ تک انھوں نے بیان نہیں کیا تھا۔ مانگ تو رہے ہیں تلوار اور کہہ رہے ہیں کہ علیؑ نے فاطمہؑ کو ایذا دی۔ یہ کیا بات ہوئی۔ یہ کون سا محل تھا۔ کیا انھوں نے خیال کیا کہ یہ روایت سن کر جناب امام زین العابدینؑ خوش

ہوں گے اور خوش ہوکر تلوار ان کو عنایت کردیں گے۔

۶۔ جس بنا پر مسور بن مخرمہ نے جناب زین العابدین سے تلوار مانگی وہ بھی خلاف عقل ہے۔ انھوں نے کہا کہ بنوامیہ یہ تلوار تم سے تو چھین لیں گے اور میں مرتے دم تک نہ دوں گا۔ کیا مطلب یہ تھا کہ تم کو اس تلوار کی قدر نہیں مجھے بہت قدر ہے۔ یا یہ کہ میں تمھاری نسبت زیادہ بہادر ہوں۔ تم تو ڈر کر دے دوگے اور میں مرجاؤں گا اور نہیں دوں گا۔ اگر یہ کہتے کہ میں بنوامیہ کی جماعت کا آدمی ہوں مجھ سے وہ نہ لیں گے تو کچھ زیادہ مطابق عقل بات ہوتی۔ اور پھر اس منطق کی بنیاد پر جو مسور نے پیش کی امام زین العابدین اس کو کیوں تلوار دیں۔ اگر بنوامیہ لیں گے تو خزانہ شاہی میں تو محفوظ رہے گی۔ مسور صاحب کے پاس وہ کس مصرف کی تھی۔ اگر بنوامیہ تبرکات رسولؐ کے ایسے دلدادہ تھے تو میدانِ جنگ ہی میں امام حسین علیہ السلام کے شہادت کے بعد لے جاتے۔ اور پھر تلوار ہی کیوں۔ اور بھی تو تبرکات تھے عصا، عبا، عمامہ وغیرہ یہ بھی مسور صاحب کو چاہیے تھا کہ امام زین العابدینؑ سے مانگ لیتے۔

۷۔ یہ بات زیادہ قابل غور ہے کہ کسی روایت میں ابوجہل کی اس لڑکی کا نام درج نہیں ہے کہ جس سے حضرت علی مرتضیٰ نکاح کرنا چاہتے تھے۔ آیا ابوجہل کی کوئی لڑکی قابل نکاح باقی بھی تھی یا نہیں۔ جب تک یہ سوال طے نہ ہو اس وقت تک اس روایت کی صحت کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔ لڑکی کا نام و پتہ نہ بتانا ظاہر کررہا ہے کہ یہ تو یونہی ایک گپ چلادی ہے تاکہ کسی طرح تو حضرت علی کی فضیلت میں کچھ کمی واقع ہو۔

۸۔ یہ بھی نہیں معلوم اور نہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کیوں ابوجہل کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ صرف چار وجوہات دوسری شادی کی ہوسکتی ہیں (۱) موجودہ زوجہ بدمزاج بدسلیقہ ہے۔ اس سے بحث نہیں (۲) موجودہ زوجہ کی اولاد نہیں ہوتی (۳) مرد میں اتنی طاقت ہے کہ ایک عورت اس کے لیے کافی نہیں۔ (۴) کسی عورت سے عشق ہوگیا اور اس سے اب نکاح مطلوب ہے موجودہ حالت میں ان چاروں وجوہات میں سے ایک بھی نہ تھی۔ اسلام میں لونڈیوں کا ایسا عمدہ اصول قائم تھا کہ خواہ مرد کتنا ہی طاقت ور ہو جتنی چاہے کنیزیں رکھ سکتا تھا

مجبور نہیں کیا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر وہ چاہے تو چار بیویوں تک بیک وقت رکھ سکتا ہے۔ کوئی اس امر سے نہیں روک سکتا۔ یہ اس کے لیے حلال ہے۔ کوئی اس کو حرام نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر وہ چاہے تو ایک پر بھی قناعت کر سکتا ہے لیکن یہ اس کی اپنی مرضی ہے۔ چنانچہ رسول خداؐ نے حضرت خدیجہ کی زندگی میں کوئی اور نکاح نہیں کیا۔ کیا رسول خدا کے لیے یہ جائز تھا کہ جو چیز خدا نے علی کے لیے حلال کر دی وہ حرام کر دیتے اور علی کو مجبور کرتے کہ دوسرا نکاح نہ کرے۔ آج کل کے وہی والدین اپنے دامادوں سے کبھی کبھی لکھوا لیا کرتے ہیں کہ ہماری اس لڑکی کی موجودگی میں تم دوسرا نکاح نہ کرنا۔ لیکن جب عدالت میں معاملہ جاتا ہے تو جج فوراً اس اقرار کو اس بحث کے ساتھ کالعدم و ناجائز قرار دیتا ہے کہ مسلمہ شرع کے خلاف کوئی معاہدہ نہیں ہو سکتا۔

۱۲۔ اس حلال کو حرام کرنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ رسول خداؐ کی بیٹی اور عدو اللہ کی بیٹی ایک گھر میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ ابوجہل کی لڑکی تو جو بھی ہو گی مسلمان ہو گی۔ ابوجہل مر چکا تھا۔ خود تو وہ مسلمان تھی۔ ان لوگوں کو یہ خیال نہ آیا کہ زینب و رقیہ و ام کلثوم آں حضرتؐ کی صلبی لڑکیاں تھیں۔ کافر خاوندوں سے بیاہی ہوئی تھیں۔ جب رسول خداؐ کی لڑکیاں خود عدو اللہ کے تحت میں رہ سکتی ہیں تو اگر رسول خداؐ کی لڑکی کے ساتھ ایک مسلمان لڑکی آ گئی جس کا باپ کافر تھا تو کیا ہرج ہوا۔ کیا رسول خداؐ نے کسی عورت سے نکاح نہیں کیا تھا جس کے ماں باپ کافر رہ چکے تھے یا کفر ہی پر مر چکے تھے۔ جب خود رسول خداؐ کے ساتھ عدو اللہ کی بیٹی کا اجتماع ہو سکتا ہے تو رسول خداؐ کی دختر کے ساتھ ایک عدو اللہ کی لڑکی کیوں نہ رہ سکے۔

۱۲۔ کیا سوکن کے آنے سے جناب فاطمہ کو ایذا ہوتی۔ ارے خدا کے بندو! ڈرو خدا سے۔ کیوں ہر ایک کی توہین کرنے پر تلے ہوئے ہو۔ کیا سوکن کے آنے سے ایذا ہوتی ہے اور ہونی چاہیے؟ اگر ایذا ہوتی ہے اور ہونی چاہیے تو کیا یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ چار بیویوں کی اجازت دے کر تمام امت کی لڑکیوں کو تو ایذا دے دی اور اپنی لڑکی کو بچا لیا۔ پھر ایسا ایذا دینے والا قانون ہی کیوں بنایا۔ بجائے منبر پر جا کر ایسا اعلان کرنے کے کہ جس میں اپنی بھی ہتک ہوتی تھی۔ کیوں نہ آں حضرتؐ نے

یہ قانون ہی منسوخ کرا دیا یا کر دیا۔ تمام امت کی لڑکیاں حضرت فاطمہؑ کے طفیل سے اس ایذا سے بچ جائیں۔

۱۴۔ حضرت فاطمہؑ نے کبھی فقر و فاقہ کی شکایت نہ کی۔ چکی پیسنے کی شکایت نہ کی گھر کا پانی بھرنے کی شکایت نہ کی تو کس کی۔ جو خدا کی طرف سے علی کے لیے جائز تھا۔ اور کوئی منع نہیں کر سکتا۔ یہ اُن کی شان سے بعید تھا۔ اگر برا بھی لگتا تو صبر کرتیں۔ زبان پر نہ لاتیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے کبھی اہلبیت علیہم السلام کی عظمت و رفعت شان کو نہ سمجھا۔ اہلبیت علیہم السلام کو لوگوں کی نظروں میں گرانے کی تحریک عرصہ سے جاری ہو چکی تھی۔ اور ایسی جھوٹی روایات اسی پالیسی کے ماتحت تراشی گئی ہیں۔ تاکہ لوگ ان کو معمولی انسان سمجھیں۔ اور یہاں تو حضرت فاطمہؑ کو معمولی عورتوں سے بھی گرا دیا۔ کیا آپ کے تجربہ میں نہیں آیا کہ اکثر نیک بخت عورتیں خاوند کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھ کر ان کے دوسرے نکاح میں خود سعی کرتی ہیں۔ اور جو محبوبہ خاوند کی آتی ہے اس کی خود خدمت کرنے لگتی ہیں۔ ایسی عورتیں ہوتی ہیں اور ضرور ہوتی ہیں اگرچہ کم ہوں۔ لیکن حضرت فاطمہؑ کو ان لوگوں نے یہ درجہ بھی نہ دیا۔ حالانکہ عرب میں دوسری عورت کا آ جانا معمولی بات تھی۔ اور پہلی عورت کے لیے باعثِ ایذا نہیں ہوا کرتا تھا۔ وہاں تو عام رواج تھا۔ جہاں کسی بات کا عام رواج ہو۔ وہاں وہ بات نہ تو تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے اور نہ اس سے ایذا ہوتی ہے۔

۱۵۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جناب سیدہؑ نے فرمایا کہ آپ کی قوم کو یقین ہو گیا ہے کہ آپ اپنی لڑکیوں کی طرفداری نہیں کرتے۔ این گل دیگر شگفت۔ ایک نظیر سے تو یقین نہیں ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی متواتر نظیریں پیش آتی رہی تھیں اور فقط ایک ہی لڑکی کی طرف سے نہیں بلکہ سب لڑکیوں پر یہ جملہ حاوی ہے۔ تاریخ اور حدیث تو کوئی ایسی نظیر نہیں بتاتی۔

۱۶۔ ایسی مطیع و فرمانبردار زوجہ سے کہ جیسی حضرت فاطمہ تھیں یہ ناممکن ہے کہ حضرت علیؑ سے اس بات پر ناراض ہوتیں جو خدا نے علیؑ کے لیے حلال کر دی تھی۔

۱۷۔ جناب رسالت مآبؐ جیسے شارع اسلام سے یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ

کئی تھیں لیکن تعریف اُسی بیٹی کی کرتے ہیں کہ جس کو علیؑ کی زوجیت میں دیتے ہیں۔ انہی کے بچوں کو بڑھاتے ہیں۔ کندھوں پر لیے پھرتے ہیں۔ جنت کا پروانہ لوگوں کو اُنہی کے ہاتھ سے دلاتے ہیں۔ یہ فقط حکومت کو اپنے خاندان میں لانے کی ترکیبیں تھیں۔ سقیفہ والوں نے عین جمہوریت و مساوات کے اصول پر عمل کرکے جناب رسولِ خداؐ کے منصوبوں کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ ان کا یہ فعل لائق صد ستائش ہے اور اصل میں وہی لوگ تھے جنھوں نے اسلام کو جمہوریت کے اصولوں پر چلا کر بچا لیا۔

یہ ہے ان لوگوں کا مجموعۂ خیالات اور جوں جوں جہالت بڑھتی جاتی ہے شریعت و فقہ سے بُعد ہوتا جاتا ہے۔ ان کی جماعت میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ ہم نے سوچا کہ ان کے مرض کو کس طرح دُور کیا جائے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ پُرانے اور مزمن مرض کا علاج اطبا کس طرح کرتے ہیں۔ اوّل ایسی ادویہ دیتے ہیں کہ اندر بیٹھا ہوا پُرانا مرض اوپر آجائے اور اس میں تیزی آجاوے۔ جب مرض میں تیزی و شدت پیدا ہوجاتی ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ اب اس کے علاج کا وقت آگیا۔ اب ایسی ادویہ دیتے ہیں کہ جس سے مرض فوراً دُور ہوجاتا ہے۔ ہم نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے محض یہ ثابت کرنے کے لیے کتابیں لکھی ہیں کہ ان لوگوں کو اور کوئی جائے مفر نظر نہ آئے سوائے یہ کہنے کے کہ واقعی جناب رسولِ خداؐ کی یہ خواہش تھی کہ علیؑ خلیفہ ہوجاویں۔ اور انھوں نے علیؑ کو خلیفہ مقرر کرکے اس کا اعلان بھی کر دیا لیکن یہ سب جناب رسول خداؐ کی بشریت کا تقاضا تھا۔ وہ ایک سخت غلطی کرنے کے لیے آمادہ ہوگئے۔ لیکن اراکینِ سقیفہ نے جن میں محبت و ہمدردی اسلام کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ان کے ان منصوبوں کو نہ چلنے دیا۔ اور یہ اسلام کے لیے بہت اچھا ہوا۔ ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ آپ کے دل کی بات آپ کی زبان پر تو آئے۔ آپ اپنے مولویوں کے سامنے دنیا کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار تو فرمائیں اس کے بعد جو بحث ہوگی وہ بہت سادی اور صاف ہوگی۔ وہ بحث تو اتنی ہی ہوگی کہ آپ جناب محمد مصطفےٰ صلعم کو صادق اللہجہ پیغمبر ماننا چھوڑ دیں اور اپنے تئیں مسلمان نہ کہیں بس بحث ختم لیکن اگر قوت کج بحثی زیادہ مضبوط ہوگئی ہے تو آپ فرمائیں گے کہ جناب رسول خداؐ کے یہ احکام ان کے عہدۂ نبوت سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ لہذا ہم ان کے ماننے یا

نہ ماننے کے مختار ہیں۔ اس کا مفصل جواب ہم اپنی کتاب **التفریق والتحریف فی الاسلام** میں دے چکے ہیں۔ اگر اپنا جانشین مقرر کرنا اور اپنے بعد اسلام کے چلنے اور ترقی پانے کا انتظام کرنا بھی عہدۂ نبوت میں شامل نہیں تو کیا وہ نبوت عرصہ میں یا تیئیس سال ہی کے لیے دنیا میں آئی تھی۔ اس کے بعد نبوتؐ کا نبوت ختم ہوگیا۔

اب رہا بشریت کا عذر اور بشریت کی کمزوری کی وجہ سے اپنی اولاد اور اقربین کے فضائل بیان کرنا تو اس کے دو جواب ہیں ایک تو یہ کہ جناب رسول خداؐ کی محبت و نفرت خدا کے لیے اور امور دین کی وجہ سے ہوا کرتی تھی۔ جناب رسول خداؐ جانتے تھے کہ ان لوگوں سے میرے دین کے کھیت کی آبیاری ہوگی۔ ان سے محبت کرتے تھے اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کا مطلب تو فقط اتنا ہے کہ میں تمھاری ہی نوع سے ہوں اور ان ہی قوانین قدرت کا پابند ہوں کہ جن کے تم ہو۔ میں غیر جنس کا فرشتہ یا جن نہیں ہوں۔ بشر یہاں نوعیت کے خیال سے استعمال ہوا ہے نہ کہ فضیلت اور گناہوں کے اعتبار سے۔ فضیلت کے لحاظ سے تو رسولوں کی نسبت فرمایا گیا ہے کہ تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے۔ ساری بحث کو جانے دو۔ ان بزرگوں کے سوانح حیات ان کے ان فضائل کو ثابت کرتے ہیں یا نہیں جو رسول خداؐ نے بیان فرمائے تھے۔ آں حضرتؐ کی رحلت کے بعد سارے ہی اصحاب دنیا کی طرف دوڑے۔ ان میں سے بھی کوئی ایسا تھا جو اسلام کو چھوڑ کر اُدھر گیا ہو۔ حضرت علیؑ نے جو صبر کیا وہ محض محبت اسلام کی وجہ سے کیا اور کوئی ایسا صبر کرسکتا تھا؟ سارے ہی اصحاب دین کو مٹتا ہوا دیکھ رہے تھے لیکن سوائے حسینؑ کے کوئی اور آگے بڑھا؟ اور اس بڑھتے ہوئے سیلابِ کفر کو روکا؟ ہم جناب فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کے فضائل جناب رسول خداؐ کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ آپ دیکھیے کہ جناب معصومہؑ کی سوانح حیات سے اُن فضائل کی تائید ہوتی ہے یا نہیں۔ اس عورت کے فضائل کا کیا کہنا جس نے اپنی گود میں حسینؑ اور زینب جیسی اولاد کو پالا ہو اور اسلام کا شیدائی بنایا ہو جس نے محمدؐ جیسے پیغمبر اور باپ کی ہدایت پر ایسا عمل کیا کہ جناب رسول خداؐ کے مُنہ سے

اُن کی تعریف ہی نکلی جس نے علیؑ جیسے شوہر کے مُنہ سے یہ کہلوا لیا کہ فاطمہ ایک جنت کا پھول تھیں جس کے کُمھلانے کے بعد بھی اُس کی مہک میرے دماغ کو معطر کر رہی ہے جس نے اپنے ہمسایوں کی تکلیف کو گوارا نہ کیا اور اپنا گھر چھوڑ کر جنت البقیع میں جا کر باپ کو رونا قبول کیا۔ جس نے خدا کی اتنی عبادت کی کہ اپنے تمام فرائض ادا کرتے ہوئے دن کو روزے رکھے اور رات کو اتنا نمازوں میں کھڑی رہیں کہ پاؤں پر ورم آ گیا۔ ان کے تو خود سوانح حیات ہی ان کے فضائل ہیں۔

اگر رسول خداؐ نے اپنی زبان سے کہہ دیا کہ فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہے تو محض ایک امر واقعہ بیان کیا۔ کچھ تعلّی نہیں کی۔ بڑی بڑی عورتیں ان سے پہلے گزری ہیں۔ حضرت مریم سے بڑا کون ہو سکتا تھا۔ لیکن وہاں خاوند کی اطاعت کا شعبہ خالی ہے۔ ایک ہی بچہ پالا اور وہ بھی مصیبت کے وقت آسمان پر اُٹھا لیا گیا حضرت فاطمہؑ نے جتنے بچے پالے وہ سب راہ خدا میں قربان کر دیے۔ اور ان میں سے ایک بچہ تو ایسا تھا کہ جس نے اس فضیلت کو پورا کیا جو حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیل اور حضرت عیسیٰ کو ملتے ملتے رہ گئی اور جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لیے کئی مصالح سے مناسب نہ سمجھی گئی یعنی شہادت۔ اپنے اور اپنی اولاد کے سروں کو راہِ خدا میں پیش کر دینا اپنی دولت کو لٹا دینا۔ ناموس تک کو خدا کے حوالے کر دینا۔ یہ کون کر سکتا تھا سوائے فاطمہ کے فرزند کے، ایسی عورت ایسی حورِ جنت کے لیے یہ کہنا کہ اس کے باپ نے جو اس کے فضائل بیان کیے ہیں فقط پدری محبت کی وجہ سے کیے ہیں۔ ظلم نہیں تو کیا ہے۔ اب ہم جناب فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کے چند فضائل بیان کرتے ہیں۔ تمام فضائل بیان کرنے تو طاقتِ بشری سے باہر ہیں۔

مسلم و ترمذی وغیرہما نے وائلہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ خداوند تعالیٰ نے بنو اسماعیل میں سے کنانہ کو منتخب کیا۔ اور بنو کنانہ میں سے قریش کو منتخب کر لیا اور قریش میں سے بنوہاشم کو منتخب کر لیا۔ اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو منتخب کیا ایک روایت میں ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اولاد آدم میں سے ابراہیم کو منتخب کیا اور اپنا خلیل بنایا اور اولاد ابراہیم میں سے اسماعیل کو اور اولاد اسماعیل میں سے نزار کو، اولاد نزار میں سے مضر کو اور مضر میں سے کنانہ کو، اولاد کنانہ میں سے قریش کو،

قریش میں سے بنو ہاشم کو، بنو ہاشم میں سے اولاد عبدالمطلب کو اور اولاد مطلب میں سے مجھ کو منتخب کر لیا [۵۹]

ابو سعد نے شرف النبوۃ میں اور محب الدین طبری نے ذخائر العقبیٰ میں روایت باسناد کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ جب میں معراج کی رات کو آسمان پر گیا تو جبریل علیہ السلام نے مجھ کو ایک سیب جنت الفردوس میں سے لا کر دیا اور وہ میں نے کھایا۔ وہ نطفہ بنا اور جب میں نے خدیجہ سے مقاربت کی تو اس نطفہ سے وہ حاملہ ہوئیں۔ اور فاطمہ پیدا ہوئیں۔ پس جب مجھ کو جنت کا شوق ہوتا ہے تو میں فاطمہ کی خوشبو سونگھ لیتا ہوں [۶۰]

جن لوگوں نے اس روایت کی جرح اس بنا پر کی ہے کہ جناب فاطمہ نبوت سے پانچ سال پہلے پیدا ہو چکی تھیں۔ لہذا یہ روایت غلط معلوم ہوتی ہے۔ وہ ایک صحیح روایت کی جانچ پڑتال غلط روایت سے کرتے ہیں۔ دراصل یہ غلط ہے کہ جناب فاطمہ بعثت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ وہ بعثت سے پانچ سال بعد پیدا ہوئی تھیں۔

حاکم نے حضرت حذیفہ سے باسناد خود روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ ایک فرشتہ آسمان سے نازل ہوا جو اس سے قبل میرے پاس نہیں آیا تھا۔ اس نے مجھے اطلاع دی کہ وہ خاص طور سے خداوند تعالیٰ سے اجازت لے کر مجھے یہ بشارت دینے نازل ہوا ہے کہ فاطمہ جنت کی عورتوں کی سیدہ یعنی سردار ہے [۶۱]

حاکم وغیرہ نے باسناد خود حضرت علیؑ و دیگر صحابہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول خداؐ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ قیامت کے دن ایک منادی حجاب کے پیچھے سے ندا کرے گا کہ اے اہل محشر اپنی آنکھیں بند کر و یہاں تک کہ فاطمہ بنت محمدؐ گزر جائیں۔ حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث شرائط بخاری و مسلم کے بموجب صحیح ہے لیکن ان دونوں نے روایت نہیں کی [۶۲]

حاکم نے مستدرک میں اور ذہبی نے تلخیص میں حضرت عائشہ سے روایت کی ہے

[۵۹] ابن حجر مکی صواعق محرقہ۔ الباب الحادی عشر الفصل الثالث ص ۱۱۳ [۶۰] شیخ شبلنجی نور الابصار ص ۴۰ [۶۱] مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث ص ۱۵۱ اعیان النبوۃ الجزء الثانی ص ۲۲۹ [۶۲] مستدرک الجزء الثالث ص ۱۵۳ مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص ۵۰ اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص ۱۳۳

وہ کہتی ہیں کہ جناب رسول خداؐ نے اپنے مرض موت میں فاطمہ سے فرمایا کہ اے فاطمہ کیا تو اس سے راضی نہیں ہے کہ تو تمام دنیا کی عورتوں کی اور اس امت کی تمام عورتوں کی اور تمام مومنین کی عورتوں کی سیدہ و سردار ہے [۶۳]

ابوسعید الخدری صحابی سے مروی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ فاطمہ تمام جنت کی عورتوں کی ماسوائے مریم بنت عمران کے سردار و سیدہ ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کے اصول کے مطابق صحیح ہے لیکن انھوں نے بیان نہیں کی [۶۴]

بخاری و مسلم نے اپنے اپنے اسناد سے روایت نقل کی ہے کہ فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ اے فاطمہ تم سیدہ نساء مومنین عالم ہو [۶۵]

جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ افضل نساء اہل جنت چار ہیں۔ خدیجہ بنت خویلد۔ فاطمہ بنت محمد آسیہ بنت مزاحم زوجۂ فرعون اور مریم بنت عمران [۶۶]

جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ حسن و حسین سردارانِ جوانانِ اہل جنت ہیں اور فاطمہ سیدہ نساء الجنت ہے [۶۷]

انس بن مالک خادم رسول اللہ کہتے ہیں میں نے اپنی والدہ سے جناب فاطمہ کی نسبت سوال کیا انھوں نے کہا کہ ان کا چہرہ مثل ماہ شب چہاردہم کے تھا یا مثل آفتاب کے جب وہ بادلوں سے نکلے اور تاریکی کو دور کر دے۔ چہرے پر سفیدی سرخی تھی اور ان کے بال جناب رسول خداؐ کے بالوں کی طرح تمام لوگوں سے زیادہ کالے تھے [۶۸]

اس سے معلوم ہوا کہ جناب فاطمہ تمام لوگوں سے پردہ کرتی تھیں۔ تب ہی تو انس بن مالک کو ضرورت ہوئی کہ ان کی نسبت اپنی والدہ سے دریافت کرے۔

---

۶۳ اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص ۲۲۶ و ص ۴۳۰ مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث ص ۱۵۶ صحیح مسلم الجزء الرابع ص ۱۴۳ ——— مسند ابی داؤد طیالسی۔ حدیث ۱۳۷۳ ۶۴ مستدرک الجزء الثالث ص ۱۵۴ مسند احمد حنبل الجزء الثالث ۶۴، ۸۰ اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص ۴۲۹، ص ۴۳۰

۶۵ صحیح بخاری کتاب الاستئذان باب من ناجی بین یدی الناس الجزء الرابع ص ۱۵۰ صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب فضائل فاطمہ الجزء السابع ص ۱۴۳ اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص ۴۲۶

۶۶ مسند امام احمد حنبل الجزء الاول ص ۲۹۳، الجزء الثالث ص ۱۳۵ مستدرک الجزء الثالث ص ۱۶۰ اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص ۴۲۵ ۶۷ مسند امام احمد حنبل الجزء الخامس ص ۳۹۱ ۶۸ مستدرک الجزء الثالث ص ۱۶۱

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے فاطمہ سے زیادہ کسی کو گفتگو اور لہجہ میں آں حضرتؐ کے مشابہ نہیں دیکھا [۶۹]

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب حضرت فاطمہ جناب رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھیں تو آں حضرتؐ سرو قد کھڑے ہو جاتے تھے۔ مرحبا کہتے تھے چومتے تھے اور اپنے پاس بٹھا لیا کرتے تھے۔ اور جب آں حضرتؐ فاطمہؑ کے پاس تشریف لاتے تھے تو حضرت فاطمہؑ اسی طرح کھڑی ہو جایا کرتی تھیں۔ استقبال کرتی تھیں اور آں حضرتؐ کے ہاتھوں کو چوم لیتی تھیں [۷۰]

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ نے مجھے فرمایا کہ سب سے پہلے جنت میں میں (یعنی علی) فاطمہ اور حسن اور حسین علیہم السلام داخل ہوں گے۔ حضرت علیؑ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ ہمارے محب۔ آں حضرتؐ نے جواب دیا کہ وہ تمھارے بعد جنت میں داخل ہوں گے [۷۱]

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے جناب فاطمہؑ سے زیادہ کسی کو سوائے ان کے باپ کے سچا نہیں دیکھا۔ ایک دفعہ جناب رسول خداؐ اور حضرت عائشہ میں کچھ تنازع ہو گیا۔ جناب عائشہ نے رسول خداؐ سے کہا کہ آپ فاطمہ سے پوچھ لیں کیونکہ وہ کسی حالت میں جھوٹ نہ بولیں گی [۷۲]

حضرت فاطمہؑ کی ذریت پر نارِ جہنم حرام ہے۔ جناب رسول خداؐ فرمایا کرتے تھے کہ فاطمہ کی ذرّیت پر نارِ جہنم حرام ہے [۷۳]

جمیع بن عمیر کہتے ہیں کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے پردے کے پیچھے سے سُنا کہ میری والدہ نے حضرت عائشہ سے حضرت علیؑ کی نسبت سوال کیا۔ میں نے سُنا کہ حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ دنیا کے تمام مردوں میں سب سے زیادہ آں حضرتؐ کو حضرت علیؑ سے محبت تھی اور عورتوں میں

---

۶۹ مستدرک الجزء الثالث ص ۱۶۰، ص ۱۵۴ ۷۰ مستدرک الجزء الثالث ص ۱۶۰، ص ۱۵۴ مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص ۹ ۷۱ مستدرک الجزء الثالث ص ۱۵۱ ۷۲ ابونعیم اصفہانی حلیۃ الاولیاء المجلد الثانی ص ۴۲ ۷۳ مستدرک الجزء الثالث ص ۱۵۲ مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص ۶

سب سے زیادہ محبت آں حضرتؐ کو حضرت فاطمہؑ سے تھی [74]

عبداللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ جب جناب رسولِ خداؐ سفر پر باہر تشریف لے جاتے تھے تو سب کے آخر میں حضرت فاطمہؑ سے ملنے آتے تھے اور جب سفر سے واپس آتے تھے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہؑ سے ملاقات کرنے ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے [75]

ابن شریح نے اپنے اسناد سے حضرت جعفر الصادقؑ سے، ابوسعید الواعظ نے شرف النبی میں حضرت علیؑ سے ابو صالح مؤذن نے کتاب الفضائل میں ابن عباسؓ سے، ابوعبداللہ عکبری نے ابانہ میں، محمود الاسفرائینی نے دیانت میں۔ بلکہ تمام محدثین نے روایت کی ہے کہ فرمایا جناب رسول خداؐ نے اے فاطمہؑ خداوند تعالیٰ غضبناک ہوتا ہے تیرے غضب کی وجہ سے اور راضی ہوتا ہے تیری رضا سے [76]

جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ جناب فاطمہؑ قیامت کے دن عرش الٰہی کے نزدیک آئیں گی اور خدا سے عرض کریں گی اے میرے خدا، اے میرے سردار حکم صادر فرما میرے اور ان کے درمیان جنھوں نے میرے اوپر ظلم کیا اور حکم صادر فرما میرے اور ان کے درمیان جنھوں نے میرے پسر حسینؑ کو قتل کیا۔ بارگاہِ خداوندی میں سے ندا آئے گی کہ اے میرے حبیب اور میرے حبیب کی دختر جو چاہے تو مجھ سے سوال کر میں تجھے عطا کروں گا شفاعت کر میں تیری شفاعت قبول کروں گا قسم ہے مجھے اپنے عزت و جلال کی ہر ظالم کے ظلم کا بدلہ لوں گا۔ اس پر جناب فاطمہؑ عرض کریں گی کہ میری ذریت کو، میرے شیعوں کو، میرے شیعوں کی ذریت کو، میری ذریت کے دوستوں کو بخش دے۔ پس حضور ذوالجلال والاکرام سے ندا آئے گی کہ کہاں ہے فاطمہ کی ذریت، کہاں ہیں فاطمہ کے شیعیان محب اور کہاں ہیں اس کی اولاد کے محب پس وہ لوگ آواز دیں گے ملائکہ رحمت ان کو گھیر لیں گے اور ان سب کے آگے آگے چل کر جناب فاطمہ ان سب کو جنت میں داخل کریں گی [77]

---

[74] مستدرک الجزء الثالث ص۱۵۴، ص۱۵۵، صحیح ترمذی امین بریدہ، مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص۸ اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص۴۳۰ الاستیعاب ابن عبدالبر [75] مستدرک الجزء الثالث ص۱۵۶ مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص۹ اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص۴۳۰ [76] مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص۱۰۵، مناوی کنز الدقائق، اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص۴۳۶ [77] مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص۸

عامر الشعبی والحسن البصری وسفیان ثوری، مجاہد ابن جبیر، جابر الانصاری، محمد الباقر جعفر الصادق علیہما السلام روایت کرتے ہیں کہ فرمایا جناب رسولِ خدا نے کہ فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جس نے اس کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔ صحیح مسلم حلیۃ الاولیاء، حافظ ابی نعیم میں ہے کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جو شئے اس کو خوش کرتی ہے وہ مجھ کو خوش کرتی ہے اور جو شئے اس کو ایذا دیتی ہے وہ مجھ کو ایذا دیتی ہے۔ سعد بن وقاص کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول خداؐ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس سے فاطمہ خوش ہے اس سے میں خوش ہوں۔ اور جس سے فاطمہ ناراض ہے اُس سے میں ناراض ہوں [78]

آں حضرتؐ کا معمول تھا کہ روزانہ رات کو سوتے وقت آپ جناب فاطمہ کے سر و جبین پر بوسہ دیتے، پھر ان کے لیے خدا سے دعا مانگتے۔ اور پھر سونے جاتے [79]

ابن شہر آشوب اپنے مناقب میں بحوالہ ابوعلی الصولی در اخبار فاطمہ، ابوالسعادات در فضائل العشرہ اسناد کے ساتھ ابوذر غفاری سے روایت کرتے ہیں۔ ابوذر غفاری کہتے ہیں کہ مجھے رسولِ خدا نے حضرت فاطمہ کے گھر علی کو بلانے کے لیے بھیجا میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چکی چل رہی ہے اور کوئی اس کے پاس نہیں ہے۔ میں نے اس کا ذکر جناب رسول خدا سے کیا۔ انھوں نے فرمایا اے ابوذر تعجب نہ کر۔ ملائکہ آسمان کے اکثر زمین پر آتے رہتے ہیں۔ وہ آل محمدؐ کی اعانت کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ اسی طرح حسن بصری و ابن اسحاق حماد و میمونہ سے روایت کرتے ہیں وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ فاطمہ کے گھر کی چکی چل رہی تھی اور خود فاطمہ سو رہی تھیں۔ اس کا ذکر ہم نے جناب رسول خدا سے کیا آپ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ کو اپنی لونڈی فاطمہ کی جسمانی کمزوری کا علم ہے، اس نے حکم دیا ہے چکی خود بخود چل رہی ہے۔ اسی روایت کو ابوالقاسم نے مناقب امیرالمومنینؑ میں ابو صالح المؤذن نے الاربعین میں باسناد خود میمونہ سے اور ابن الفیاض نے شرح الاخبار میں نقل کیا ہے [80]

---

[78] مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص۹ حلیۃ الاولیاء المجلد الثانی ص۴۰ اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص۴۳۵ [79] ایضاً ص۱۰

[80] مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص۱۳

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جناب فاطمہ اپنی نماز و عبادت میں مشغول ہوتی تھیں۔ ان کے بچے جھولے میں روتے تو جھولا خود بخود ہلنے لگتا۔ حضرت محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ سلمان کو آں حضرتؐ نے کسی کام کے لیے حضرت فاطمہؑ کے گھر بھیجا۔ سلمان کچھ وقفہ کے لیے دروازے پر کھڑے ہوے۔ پھر سلام کیا اور سُنا کہ فاطمہ قرآن شریف پڑھ رہی ہیں اور دوسری طرف چکی خود بخود چل رہی ہے۔ جب آں حضرتؐ سے ذکر کیا تو آں حضرتؐ نے فرمایا کہ اے سلمان خداوند تعالیٰ نے فاطمہ کے قلب و اعضا کو ایمان کامل سے پُر کردیا ہے تاکہ اطاعتِ خداوند تعالیٰ کے لیے وہ فارغ ہو جائے۔ خداوند تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو حکم دیا کہ اس کی چکّی چلادے جبکہ وہ عبادت کرے ۵۸۱

الثعلبی نے اپنی تفسیر میں اور ابن المؤذن نے الاربعین میں اپنے اپنے اسناد کے ساتھ جابر ابن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن جناب رسول خداؐ نے کچھ کھایا نہیں۔ اپنی ازواج کے مکانوں میں آئے تو وہاں بھی کچھ نہ ملا۔ قصہ بہت طویل ہے پس آں حضرتؐ نے جناب فاطمہؑ کے پاس طباق میں کھانا دیکھا۔ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ یہ کہاں سے آیا۔ فاطمہؑ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ آں حضرتؐ بہت خوش ہوے اور فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ مجھے موت نہ آئی جب تک میں نے وہ نہ دیکھ لیا جو زکریا نے مریم کے لیے دیکھا تھا ۵۸۲

جناب فاطمہؑ نے اپنی ردا زید یہودی کے پاس گرو میں رکھی اور اس سے کچھ جَو قرض لیے۔ جب زید اپنے گھر میں داخل ہوا تو سارا گھر نور سے بھرا ہوا پایا۔ اپنی عورت سے پوچھا کہ یہ نور کیسا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہمارے گھر میں حضرت فاطمہؑ کی چادر ہے۔ پس وہ اس کی عورت اور اس کے ہمسائے کل اسّی آدمی فوراً ایمان لے آئے ۵۸۳

آں حضرتؐ نے ایک دن حضرت فاطمہؑ سے دریافت کیا کہ عورت کے لیے بہترین شے کیا ہے۔ جناب فاطمہ نے فرمایا یہ کہ وہ کسی مرد کو نہ دیکھے اور کوئی مرد اس کو نہ دیکھے۔ آں حضرتؐ نے یہ جواب سُن کر جناب فاطمہؑ کو گلے سے لگا لیا اور فرمایا کہ ماں باپ کے

۵۸۱ مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص ۱۲۰
۵۸۲ ایضاً ص ۱۲۱ ۵۸۳ ایضاً ص ۱۳۱

اوپر ہی اولاد ہوتی ہے۔ حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ آں حضرتؐ کی رحلت کے بعد کسی نے جناب فاطمہؑ کو ہنستے ہوے نہیں دیکھا ۵۸۴

ملائکہ اور خدمت دختر رسولؐ ہم نے چند روایات نقل کی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ گاہ بگاہ حضرت فاطمہ کی خدمت کے لیے جب وہ عبادت الٰہی میں مشغول ہوتی تھیں فرشتے آیا کرتے تھے۔ یہی نہیں کہ ہمارا ایمان و عقیدہ ہے کہ ایسا ہوا کرتا تھا بلکہ یقین کامل ہے کہ ایسا ہوتا تھا اور اگر میرا یہ کہنا حد ادب و احتیاط سے باہر نہ سمجھا جائے تو میں کہوں گا کہ ایسا ہونا ہی چاہیے تھا۔ عبادت دو قسم کی ہوتی ہے۔ مومن کامل کا اپنے بچّوں کو پرورش کرنا اور گھر کا کام کرنا عبادت الٰہی میں داخل ہے۔ یہ ایک قسم کی عبادت ہوئی دوسری ظاہری عبادت کو سب جانتے ہیں۔ نماز، تسبیح و تہلیل۔ دونوں قسم کی عبادتیں اپنی اپنی جگہ خوب ہیں۔ عبادتِ ظاہری تو فرشتے کرتے ہی رہتے ہیں اگر حضرت فاطمہ کی اس عبادت ثانیہ میں بھی بحکم خداوندی انھوں نے شرکت کرلی تو عبادت تو ان کی اسی طرح جاری رہی بلکہ ان کو فخر اس بات کا اور ہو گیا کہ انھوں نے دونوں قسم کی عبادتوں کے مزے چکھ لیے۔ دوسرے ملائک سے ان کو یہ امتیاز حاصل ہو گیا۔ اور اگر وہ اس پر فخر و مباہات کریں تو بیجا نہ ہوگا۔ ان بزرگواروں نے اپنا نفس خدا کے ہاتھ فروخت کردیا تھا۔ اگر خدا نہ بھی فرشتے بھیجتا تو یہ اسی طرح اپنے فرائض انجام دیتے۔ فرشتوں کو بھیج کر خدا نے ان کی عزت و عظمت کا ذرا سا نمونہ دکھا دیا تاکہ امت کو ان کی معرفت حاصل کرنے میں مدد ملے اور حجت بھی پوری ہو جائے کہ ہم نے ان کی عظمت و منزلت جو ہمارے نزدیک ہے تمھاری جسمانی آنکھوں سے دکھا دی پھر بھی تم نے ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جو کیا۔ روزانہ ہر وقت تھوڑی فرشتے آیا کرتے تھے۔ روزانہ تو وہ ہی حالت تھی کہ چکّی پیستے پیستے ہاتھ میں چھالے پڑ گئے اور پانی کی مشک اُٹھاتے اُٹھاتے سینہ پر داغ ہو گئے۔

ممکن ہے کہ وہ لوگ جن کو اس زمانے کی ہوا لگ گئی ہے اعتراض کریں کہ اول تو فرشتوں کا وجود ہی ثابت نہیں۔ پھر اس طرح ان کا آدمیوں میں آن کر ان کے بچّوں کو

۵۸۴ مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص ۱۴۰

جھولا جھلانا یا ان کی چکی پیسنا ہمارے تو قیاس سے باہر ہے۔ یہ تو محض خوش اعتقادی ہے جس کی پابندی عقل سلیم نہیں کر سکتی۔ ہم اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں۔ اس اعتراض کے دو حصے ہیں (۱) فرشتوں کی ہستی (۲) فرشتوں کا آدمیوں میں آن کر ان کے کام کرنا۔

فرشتوں کی ہستی فرشتوں کی موجودگی سے کسی مسلمان کو انکار نہ ہونا چاہیے۔ فرشتوں پر ایمان لانا ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے۔ قرآن شریف میں اس کی تاکید بلیغ ہے۔ اور فرشتوں کا ذکر قرآن شریف میں اس کثرت سے آیا ہے کہ اس شخص کی ہمت تو فرشتوں کی ہستی سے انکار کرنے کی ہو نہیں سکتی جو اپنے تئیں مسلمان کہلوانا چاہتا ہے۔ یہی حالت مذہب عیسویت کی ہے۔ وہ بھی فرشتوں کی موجودگی کے اسی طرح قائل ہیں جس طرح کہ مسلمان قائل ہیں۔ یہی تعلیم انجیل کی ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ فرشتوں کی موجودگی دنیا کی ہر ایک قوم ہر ایک ملت از ابتدائے عالم تا ایندم مانتی چلی آئی ہے۔ اسلام و عیسائیت اس امر میں متفق ہیں۔ انجیل و قرآن شریف ہم زبان ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے دیگر مذاہب بھی ان کے قائل ہیں۔ یونان کے اولمپک دیوتا اور ہندوستان کے اکاس کے ہوائی باشندگان جو مینھ برساتے ہیں، بجلیاں گراتے ہیں، بادلوں کو دوڑاتے ہیں، دھوپ کو نکالتے ہیں۔ چاندنی کو پھیلاتے ہیں سب فرشتوں کے تخیل کی صورتیں ہیں۔ ایران کا قدیم مذہب جس کو تاریخ نے ہم تک پہنچایا ہے زرتشت کا نکالا ہوا ہے اس کے ماننے والے اب صرف کراچی و بمبئی کے اردگرد پائے جاتے ہیں اور پارسی مشہور ہیں۔ اس پرانے مذہب کو زمانۂ حال کی کتر بیونت کا لباس بہترین شکل میں مانک جی نصروانجی دھلا نے پہنایا ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب HISTORY OF ZOROASTRIANISM میں اس مذہب کے جملہ ارتقائی منازل نہایت خوبی سے بیان کیے ہیں۔ میں نے ان سے کئی دفعہ ملاقات کی لیکن افسوس ہے کہ بہت اونچا سنتے ہیں۔ صرف ان کی بیوی ہی کسی کی گفتگو کو انھیں سمجھا سکتی ہیں۔ ایسی ملاقات میں کھل کر بحث کسی مضمون پر کیا ہو سکتی تھی۔ لہذا میرے دل کی حسرت دل ہی میں رہ گئی۔ ورنہ ان مقامات پر بحث کرتا جہاں ان کا قدم

لڑکھڑایا ہے بہر صورت نہایت لائق آدمی ہیں۔ ہر مذہب سے اچھی واقفیت رکھتے ہیں اور نہایت نیک ہیں۔ ان کی کتاب سے صاف عیاں ہے کہ زرتشتی مذہب میں فرشتوں کا اعتقاد نہایت پختہ ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے باب ہفتم کا عنوان ہی ہے:-

MAZDA'S MINISTERING ANGELS

یعنی مزدا کے کارکن فرشتے۔ اس مذہب میں جس طرح بھی یہ خدا کا تخیل کر سکتے ہیں اس کو مزدا کہتے ہیں۔ گویا مزدا پارسیوں یا زرتشتیوں کا خدا ہے۔ اس تمام بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح خدا کا تخیل دنیا کے ہر ایک مذہب میں ہے اسی طرح فرشتوں کا ہے اور کسی تخیل کا تمام دنیا پر حاوی ہو جانا اس تخیل کے ایک اٹل اور لا فانی حقیقت ہونے کا ثبوت ہے۔ گویا جہاں تک مذاہب کا تعلق ہے فرشتوں کی ہستی مسلم ہے اور ایک اٹل اور لا فانی حقیقت ہے۔

لیکن اب ایک ایسا فرقہ بھی پیدا ہوتا جاتا ہے کہ جو کسی مذہب کو نہیں مانتا خدا کو نہیں مانتا تو فرشتوں کو کیا مانے گا۔ اور اب اس فرقہ کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ مذہب اور سائنس ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ مذہب خلاف عقل ہے اور سائنس عین مطابق عقل ہے۔ جو خلاف عقل ہو وہ قبول کرنا حماقت ہے۔ ہم وہ بات مانیں گے جو سائنس مانتا ہے۔ مذہب اور سائنس کی یہ جنگ و جدل نہایت دلچسپ ہے۔ ہم یہاں اس تخیل کی مختصر تاریخ لکھتے ہیں۔

یہ خیالات اگرچہ مذہب عیسائیت کے خلاف ہیں لیکن ان لوگوں کا اور ان کے اس خیال کا باعث مذہب عیسائیت ہی ہے۔ وہ ہم بتاتے ہیں کس طرح۔ جب یورپ میں سائنس نے ابھرنا شروع کیا تو اس زمانے میں جو مذہب یورپ میں تھا یعنی مذہب عیسائیت اس میں اتنی خلاف عقل و تہذیب باتیں داخل ہو گئی تھیں کہ اہل سائنس کا یہ نتیجہ نکالنا کہ مذہب خلاف عقل ہوتا ہے کوئی تعجب انگیز بات نہ تھی مثلاً جادوگرنیوں کا قتل عام ہر جگہ تقریباً ہر عیسائی کے ہاتھوں پر معجزوں کا قائم ہو جانا، تصویروں کی پرستش کرنا اور ان کے سامنے اپنی حاجتیں بیان کرنا۔ تین میں ایک اور ایک میں تین کا معمہ وغیرہ وغیرہ اور پھر ان غلط عقائد کے نہ ماننے والوں کو اس قدر سنگین و بے رحمانہ اور دل ہلانے والی سزائیں دی گئی کہ وہ ایک معجزہ ہوتا۔

اگر اس مذہب کے خلاف عام ناراضگی کا اظہار اس سے قطعی انکار کی صورت میں ظاہر نہ ہوتا۔ بائبل کے عہد عتیق میں جہاں بنو اسرائیل کے لیے خداوند تعالیٰ نے قوانین مقرر کیے ہیں۔ (Leviticus) اور حضرت موسیٰ کو ان کے اجراء کا حکم دیا ہے۔ وہاں کئی جگہ یہ بھی حکم ہے کہ جادوگرنیوں کو جینے کا حق نہیں ہے۔ وہ جہاں بھی ملیں انھیں مارو۔ پندرہ سو سال تک یورپ کے پادریوں نے اس حکم پر نہایت سختی سے عمل کرایا۔ یہ بھی انھوں نے نہ دیکھا کہ جادوگرنی (witch) کس کو کہتے ہیں اور اس کا کیا قصور ہے۔ بائبل میں بھی اس کی تشریح نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو جادوگرنی کی تعریف کسی نے اپنے تخیل سے بنالی وہ ہی کارگر ہوئی۔ پادریوں نے یہ بھی نہ بتایا کہ ان کی شناخت کیا ہے اور ان کا قصور کیا ہے۔ ہر ایک نے جو سمجھا وہ سمجھ لیا اور پھر پادریوں نے ہاں میں ہاں ملادی اور وہ ہی ان کا جرم سمجھا جانے لگا۔ عام خیال تھا کہ ارضی و سماوی جتنی آفتیں آتی ہیں وہ جادوگرنیوں کی بلائی ہوئی ہوتی ہیں مثلاً بیماریاں پھیلانا۔ جہازوں کو غرق کرانا۔ طوفانِ بادو باراں۔ ژالہ باری۔ یہ سب اور جہاں بھی ہوتے تھے سب جادوگرنیوں کے سر تھوپے جاتے تھے۔ پادریوں نے لوگوں کو بھڑکانے کے لیے اس میں اور جوش پیدا کر دیا تھا۔ اس کا ثبوت تو ان کے پاس کیا تھا کہ یہ امور جادوگرنیوں کے پیدا کردہ ہیں۔ صرف اپنے غلط اعتقاد کی بنا پر یہ قتل عام شروع کر دیا تھا۔ ہر ایک سیاسی جرم عدالت کے ذریعہ سے کرانا یہ تو یورپ کی شروع سے عادت ہے۔ عدالتیں مقرر ہوئیں اور اس میں ثبوت بہم پہنچائے جانے لگے۔ ثبوت تو کیا پیش کر سکتے تھے۔ کوشش یہ کرتے کہ کسی طرح ملزم اور ملزمہ خود ہی اقبال جرم کر لے۔ اقبال جرم یہ ہوتا تھا کہ واقعی میں شیطان سے ملی ہوئی ہوں شیطان میرے پاس آتا ہے اور اس کے ذریعہ سے یہ جرائم میں کرتی ہوں۔ اس اقبال کو حاصل کرنے کے لیے ایک مزید عذاب دیا جاتا تھا جو کسی گنتی میں نہ تھا اور جس کا مقصد محض یہ اقبال حاصل کرنا ہوتا تھا۔ اس غرض کے حصول کے لیے ایک لوہے کی قضئی ملزمہ کے منہ کے اندر ٹھسائی جاتی تھی۔ اس قضئی کے چار نوکدار سرے ہوتے تھے جو اندر جا کر اس کو تکلیف دیتے تھے۔ اس قضئی کو ایک لوہے کی زنجیر میں لگاتے تھے۔ اور اس کا سرا پیچھے دیوار سے اس طرح باندھ دیا جاتا تھا

کہ ملزمہ لیٹ کر سو نہیں سکتی تھی۔ اس طرح کئی کئی دن گزر جاتے تھے۔ ایک دفعہ پورے گیارہ دن اس طرح ملزمہ کو بندھے ہوئے ہو گئے۔ اس کے علاوہ بڑی بڑی لوہے کی کیلیں اس کے جسم میں چبھوئی جاتی تھیں۔ مزید براں یہ کہ ملزمہ کو متواتر کئی دن تک پانی نہیں دیتے تھے۔ آخر کار اس اذیت سے تنگ آ کر اور موت کو اس سے بہتر سمجھ کر بیچاری اقبال کر لیتی تھی کہ واقعی میں جادوگرنی ہوں۔ ایسے بھی گواہ پیدا ہو جاتے تھے کہ جو یہ بیان کرنے کے لیے تیار تھے کہ ہم نے ملزمہ کو ہوا میں اڑتے دیکھا۔ جنگل میں تنہا جا کر شیطانوں سے باتیں کرتی سنی گئی تھی۔ عمل پڑھتے ہوئے ہم نے سنا تھا۔ عام طور سے یہ وہ بڑھیا غریب عورتیں ہوتی تھیں جن کا حال غربت کی وجہ سے خراب ہوتا تھا۔ بال بکھرے ہوئے۔ کپڑے پھٹے ہوئے، آنکھیں کمزوری و بھوک کے مارے اندر دھنسی ہوئیں۔ دنیا سے بیزار، اکثروں کے دماغ ماؤف ہوتے تھے۔ بک بک کرتے پھرنا۔ جنگلوں میں لکڑیاں چننے جانا۔ بارش یا ژالہ باری ہو تو وہیں جھاڑیوں میں بیٹھ جانا۔ یہ تھیں وہ علامتیں جن سے یہ جادوگرنیاں پہچانی جاتی تھیں۔ بعض دفعہ ہمسایوں کی دشمنی اور آپس کا حسد و رشک ہی الزام کے باعث ہوا کرتے تھے۔

موت سے بدتر تو ان کے لیے کوئی سزا ہی نہ تھی لیکن موت بھی سیدھی سادی موت نہیں۔ بلکہ ہر قسم کی اذیت کے بعد موت بھی ایک رحمت معلوم ہونے لگتی تھی۔ پندرہ سو سال تک عیسائی پادریوں نے اس کار ثواب کو جاری رکھا۔ یورپ کا کوئی ملک نہ تھا جس میں جادوگرنیوں کے قتل کا قانون نہ ہو۔ جتنا بے رحمی کے ساتھ انھیں قتل کیا جاتا تھا اتنا ہی زیادہ ثواب ملنے کا امکان تھا۔ لہٰذا ترکیبیں سوچی جاتی تھیں کہ کس طرح زیادہ سے زیادہ اذیت پہنچائی جا سکتی ہے۔ زندہ جلانا معمولی اور نہایت رحم دلانہ طریقۂ قتل سمجھا جاتا تھا۔ آگ میں ڈالنے سے پہلے ملزمہ کی بوٹی بوٹی ہڈی سے ایک نوک دار چمیٹا نما لوہے کے آلہ سے جدا کی جاتی تھی۔ جادوگرنیوں کو سزا دینا بالکل پادریوں کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ یہ ہی مدعی ہوا کرتے تھے یہی گواہ اور یہی جج اور پھر سزا پر نگرانی کرنے والے بھی یہی ہوتے تھے۔ تین قسم کے آلے اذیت دینے کے لیے بنائے جاتے تھے۔ ایک تو ایک قسم کا پیچ ہوتا تھا جو جسم کے اندر

داخل کر کے پھرایا جاتا تھا۔ دوسرا ایک لوہے کا فریم ہوتا تھا جس میں ملزمہ کا پیر ڈال کر توڑا جاتا تھا۔ تیسرا بھی لوہے کا فریم پیر کے لیے ہوتا تھا جس میں ملزمہ کا پیر ڈال کر نہایت بے رحمی کے ساتھ چورا چورا کیا جاتا اور اس کو اکثر آگ پر رکھ دیا جاتا تھا۔ گھنٹوں ملزمان کو اس طرح رکھا جاتا تھا۔ آگ کے جلتے جلتے شعلے ملزمہ کے بدن پر لگائے جاتے تھے۔ اس طرح بعض دفعہ گیارہ [۱۱] دن بلکہ چودہ [۱۴] چودہ دن ملزم رہتے تھے۔ اور روزانہ ان کو ایک اذیت دی جاتی تھی۔ بعض کو اوپر سے کوڑے بھی مارے جاتے تھے۔ اس سارے ظلم کا اہتمام پادریوں کے ہاتھ میں تھا۔ پاپائے اعظم بار بار احکام صادر کرتے تھے کہ جادوگرنیوں کو زندہ چھوڑنا خداوند تعالیٰ کی توہین ہے ۱۴۸۴ء میں پوپ INNOCENT VIII نے ۱۵۰۴ء میں پوپ Julius II نے اور ۱۵۲۳ء میں ADRIAN VI نے ایسے نہایت سخت احکامات جاری کیے جن کی وجہ سے ان بیچاروں کے قتل میں اور اذیت میں بہت زیادتی ہوگئی۔

جب سائنس نے ترقی کی اور لوگوں کو بتایا کہ ہر بیماری اور اس کے دفع کے کچھ نہ کچھ اسباب ہوتے ہیں۔ ان اسباب کو تفصیل سے بیان کیا۔ عناصر کی طاقتوں اور ان کے فعل سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ طوفان باد و باراں و ژالہ باری کے قدرتی اسباب بتا کر لوگوں کو قائل کیا کہ یہ بیچاری بڑھیائیں ان آفتوں اور بیماریوں کی موجد اور باعث نہیں ہوسکتی تھیں۔ تو لوگوں کی آنکھیں کھلنے لگیں اور پھر انھوں نے مڑ کر گزری ہوئی پندرہ صدیوں پر نظر ڈالی اور اس مذہب کی وجہ سے کروڑوں بے گناہ انسانوں کو اس اذیت و بہیمیت کے ساتھ قتل ہوتے دیکھا تو قدرتاً ان کا پہلا خیال تو یہ ہوا کہ مذہب ایک لایعنی چیز عقل کا دشمن ہے۔ پھر مذہب سے انکار اس کا لازمی نتیجہ تھا۔

صرف جادوگروں کا یہ ظالمانہ بے دردانہ قتل ہی مذہب سے نفرت و انکار کا موجب نہ تھا بلکہ اور بھی باتیں تھیں۔ ان پادریوں نے اپنی جماعت کے رسوخ و اثر کو بڑھانے کے لیے معجزوں کا دائرہ اتنا وسیع کر دیا کہ خواہ مخواہ تمسخر کا باعث بن گیا۔ اور ان کے پیرووں کی عقل معطل ہوگئی۔ حضرت عیسیٰؑ کے معجزے دو تین ہی تھے اور شاذ و نادر زیر عمل آتے تھے۔ وہ واقعی خداوند تعالیٰ کی قدرت اور حضرت عیسیٰؑ کی عظمت و نبوت کی دلیل تھے۔ اور ان کے ساتھ ختم ہوگئے۔ لیکن ان پادریوں نے ان کی کثرت ہی

کر دی۔ ہر ایک مردہ پادری کی جوتی کے تسمے یا چادر کے پھٹے ہوئے ٹکڑے سے معجزوں کی سوتیں جاری ہوگئیں۔ اور محض معجزے تو خاص خاص پیغمبروں کو دیے جاتے ہیں۔ تاکہ لوگ اس کو پیغمبر سمجھیں۔ حضرت عیسیٰ کے بعد نہ تو کوئی امام تھا اور نہ کوئی پیغمبر۔ پھر کس کی تصدیق ان معجزوں سے مدنظر تھی۔ معجزوں کی اس بہتات نے اہل سائنس کو موقع دیا۔ انھوں نے ثابت کیا کہ فلاں مریض جو فلاں مرض سے شفایاب ہوا اُس کی یہ قدرتی وجوہات تھیں۔ جوتی کے تسمہ کو اُس کی شفا سے کوئی تعلق نہ تھا۔ پادریوں نے اہل سائنس کو بے دین۔ اور عیسائیت کا دشمن قرار دینے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سائنس کامیاب ہوگیا اور لوگوں کو یقین ہوگیا کہ مذہب کو عقل سے کوسوں کا بھی واسطہ نہیں۔ اور مشہور ہوگیا کہ سائنس اور مذہب میں ازلی دشمنی ہے [۵۸۳]

یہ وجوہات چند در چند جن کا ہم نے تفصیل سے "البلاغ المبین" میں ذکر کیا ہے مسلمانوں کا بے وقت عرب سے نکل کر فتوحات ملکی کی طرف متوجہ ہونا مذہب اسلام کی کمزوری اور آخر کار مسلمانوں کی سیاسی موت کا باعث ہوا۔ اس مغلوبیت کا پہلا نتیجہ یہ تھا کہ انھوں نے اپنے اپنے فاتحین کو اپنا استاد بھی مان لیا۔ اور جو جو خرابیاں ان کے استادوں میں تھیں ان کو فخر کے ساتھ اپنے میں جذب کر لیا۔ مذہب سے مغائرت ان خرابیوں میں سے ایک خرابی تھی۔ حالانکہ مسلمانوں کا مذہب عین سائنس کے مطابق ہے اور سائنس اسلام کا دشمن نہیں بلکہ معاون ہے لیکن مسلمان بھی سمجھنے لگے کہ ہمارا مذہب عقل کے خلاف ہے۔ اور سائنس کا اگر مقابلہ ہمارے مذہب سے ہوا تو ہم ہار جائیں گے یہی وجہ ہے کہ جنت، حور، دوزخ کا جب یہ ذکر کرتے ہیں تو شرماتے ہوئے اور جو ان میں سے ذرا ذہین ہیں وہ ان تینوں چیزوں کی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ جو انکار کے مرادف ہوتی ہیں۔ علامہ یوسف علی کا انگریزی ترجمہ قرآن ان کی ان تاویلوں کا آئینہ ہے۔ اور جس حیرت انگیز

---

[۵۸۳] History of The Rise and Inlwence of the shirit of Rationalism by Leeky vol. I PP I to 187

سرعت کے ساتھ مسلمانوں میں یہ ترجمہ مقبول ہوا ہے وہ ثبوت ہے اس امر کا کہ قوم میں یہ مرض عالمگیر ہوگیا ہے جو باتیں ان کے دل میں تھیں وہ انھوں نے اس ترجمۂ قرآن میں دیکھیں اور اس کے گرویدہ ہوگئے۔ ہم نے اپنی دیگر تصنیفات میں اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ یہ سمجھنا بالکل بیجا ہے۔ جنت۔ دوزخ وحوریں ہیں اور اسی طرح ہیں جس طرح کہ ان کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ یہاں اس بحث کی ضرورت نہیں۔

اپنی اس مغلوبیت سے متاثر ہو کر مسلمان بھی یہی سمجھنے لگے ہیں کہ اسلام و سائنس کی آپس میں دشمنی ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ ان ہی دو مضمونوں کو لے لو۔ جادو اور معجزے اسلام بھی جادو کا قائل ہے اور ساحروں کے اثر سے واقف ہے لیکن اس حد تک جس حد تک یہ امر واقعہ ہے۔ قرآن شریف میں جادوگر کی صرف دو طاقتوں کا ذکر ہے میاں بیوی میں تفرقہ پیدا کرنا اور نظر بندی کرنی۔ سو میاں بیوی میں تفرقہ تو جادوگروں کے علاوہ اور لوگ بھی ڈال سکتے ہیں۔ نظر بندی ایک ایسی شعبدہ بازی ہے جس کو اسلام میں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ بہرصورت ان کو کسی قسم کی سزا دینے کا ذکر نہیں۔ ان کی موجودگی کسی صورت میں خداوند تعالیٰ کی توہین نہیں ہے جس طرح خدا کے اور گنہگار زندگی بسر کرتے ہیں، یہ بھی کر رہے ہیں۔ اسلام نے ان کو نہایت حقارت کے ساتھ نظر انداز کرنا ہی مناسب سمجھا۔ ان سے منہ لگنا اپنی شان کے خلاف سمجھا۔ قرآن شریف میں صاف ذکر ہے کہ طوفانِ باد و باراں، ژالہ باری، بیماری، صحت، موت سب خدا کی طرف سے ہے۔ اور مصائب سے بچنے کے لیے ایک ہی طریقہ ہے کہ خدا سے توبہ و استغفار اپنے گناہوں کی کرو۔ کسی میں کچھ طاقت نہیں کہ بغیر اذن خدا کوئی ضرر کسی کو پہنچا سکے۔ جادوگروں کے لیے صاف طور سے فرما دیا وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (۲: ۱۰۲) یعنی وہ حکم خدا کے بغیر کسی کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

پادریوں نے اہل سائنس کو اپنا دشمن اور لوگوں کو علم حاصل کرنے سے منع کیا۔ برعکس اس کے اسلام کا تقاضا ہے کہ جس طرح ہو سکے علم حاصل کرو۔ اگر علم تم کو چین جیسے بعید اور کافر ملک میں ملے تب بھی وہاں جاؤ اور اسے سیکھو۔ جب آں حضرتؐ نے یہ فرمایا تھا اس وقت چین بالکل کافر تھا۔ گویا کافروں تک سے علم سیکھنے کی

ہدایت کی گئی ہے۔ جتنا علم بڑھے گا اتنی ہی اسلام کی حقانیت ثابت ہوگی۔ علم الابدان سے خداوند تعالیٰ کی حکمت اور سائنس کے اعجوبوں سے خداوند تعالیٰ کی قدرت کا پتہ ملتا ہے۔ معجزوں کے متعلق اسلام نے کہا کہ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا خداوند تعالیٰ کی سنت (یعنی قوانین) میں تم کہیں تبدیلی یا اختلاف نہ پاؤ گے واقعات اپنے اسباب کے مطابق ظاہر ہوا کریں گے۔ بغیر سبب کے کوئی واقعہ نہ ہوگا۔ یہ ضرور ہے کہ اس سنت الٰہیہ میں سے ایک یہ بھی سنت ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے پیغمبر اور رسول کو کچھ نشانیاں یا معجزے دے کر بھیجتا ہے تاکہ یہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم فلاں پیغمبر کو نہ پہچان سکے۔ موسیٰ کو عصا اور ید بیضا دیا گیا۔ عیسیٰ کو بھی کئی نشانیاں دی گئیں۔ اُن کی ولادت ہی بڑی نشانی تھی۔ اسی کے ثبوت میں ان کا مہد میں بولنا ایک معجزہ تھا۔ اندھے اور کوڑھی کو شفا دینا یہ بھی معجزہ تھا۔ لیکن یہ معجزے معدودے چند ہوتے ہیں اور ان کی غرض و غایت ایک ہی ہوتی ہے یعنی تصدیقِ رسالت یا امامت یہ نہیں کہ ہر ایک کے ہاتھ میں معجزے دیدیے اور وہ شعبدہ بازی کر رہا ہے۔ معجزوں کی نوعیت زمانہ کی ضرورتوں کے ساتھ بدلتی رہی۔ جناب رسول خدا ختم المرسلین تھے سائنس و عقل و غور و فکر کے زمانے میں مبعوث ہوئے تھے۔ اور زیادہ سائنس و عقل کا زمانہ آنے والا تھا۔ لہٰذا ان کو جو معجزے دیے گئے ان کی نوعیت اور تھی اسلام نے کہا کہ محمدؐ کا معجزہ ان کا قرآن اور خود ان کے اہلبیت کی ذات ہے۔ یہ بہترین معجزے ہیں ان پر غور کرو اور خوب غور کرو۔ اگر ان معجزوں سے خداوند تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی طرف تمھاری رہنمائی نہیں ہوتی اور تمھارے نزدیک ان سے تصدیق رسالت محمدیہ نہیں ہوتی تو پھر کوئی معجزے تمھیں قائل نہ کر سکیں گے جو ایمان لائیں گے ان کو ہی دیکھ کر ایمان لائیں گے۔ اور جو باوجود ان کی موجودگی کے ایمان نہ لائیں گے تو بس ان کے لیے کوئی امید نہیں خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ دیکھیے کیا بہترین اور سائنٹیفک طریقہ ہے۔ اسلام کی طرف بلایا جا رہا ہے۔ خود غور کرو۔ اچھی طرح امتحان کرو۔ دیکھو اس کا دعویٰ درست ہے یا نہیں۔ تم عقل رکھتے ہو۔ اپنی عقل سے کام لو۔ معجزوں پر انحصار نہ کرو۔ اسلام نہیں کہتا کہ خدا کی کسی مخلوق سے خدا کی توہین ہوتی ہے۔ وہ ذات توہین سے بالاتر ہے۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا کی حقیر سے حقیر اور طاقتور سے طاقتور شئے سے خدا کی قدرت وحکمت و وحدانیت نمایاں ہوتی ہے ہر ایک شے جو دُنیا میں پائی جاتی ہے وہ کسی مطلب اور غرض کے لیے ہے۔ ہمیں یقین کامل ہے کہ اگر سائنس کو اپنے اُٹھان کے زمانے میں اسلام سے پالا پڑتا اور اس زمانے میں یورپ میں علیسائیت کے بجائے اصلی اسلام ہوتا تو ایک دوسرے کا نہایت فراخدلی سے خیر مقدم کرتے۔ سائنس کو یہ کہنے کا موقع نہ ملتا کہ مذہب کو عقل سے سروکار نہیں اور مذہب کو نہ کہنا پڑتا کہ سائنس دہریت اور لامذہبیت کی تحریک ہے۔

بدیہی امر سے انکار بے فائدہ ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت دل سے اس بات کی قائل ہے کہ اسلام کے بہت سے اصول عقل و تہذیب کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ اصلی بات ماننے کی وہی ہے جو سائنس کے اصول سے ثابت ہو باقی بے فائدہ کی عقیدتمندی ہے۔ اسی ذہنیت کے ماتحت جنت، دوزخ اور حوروں کی تاویل کرنے کی ضرورت انھیں ہوئی۔ اور اسی اثر کی وجہ سے انھیں فرشتوں کی ہستی کو ماننے سے تامل ہے۔ ہم ابھی ثابت کرتے ہیں کہ فرشتوں کی ہستی اصول سائنس کے خلاف نہیں۔ ذرا ایک امر کی طرف توجہ دلاتے چلیں، اخباروں میں، تقریروں میں، لکچروں میں ہمارے لیڈر کہتے پھرتے ہیں کہ انگریزوں کو بڑے بڑے عہدوں سے نکالو۔ لیکن ان کے دماغوں اور دلوں پر وہی انگریزیت چھائی ہوئی ہے ان کے لباس، طرز رہائش، بول چال، تخیلات سب سے انگریزیت ٹپکی پڑتی ہے۔ انگریزوں کو نکالنا اور انگریزیت کی پرستش کرنا یہ کیا بات ہوئی۔ لیکن غور کرو۔ اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ دونوں خواہشیں ایک ہی اصول پر مبنی ہیں۔ انگریزوں کو نکالو تاکہ ہمیں اور ہمارے رشتہ داروں کو عہدے ملیں۔ انگریزیت کو برقرار رکھو۔ کیونکہ اس کی زندگی نہایت آرام وآسائش کی زندگی ہے۔ اگر اس کو چھوڑا تو اسلامی زندگی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ وہ تو بڑی خشک زندگی ہوتی ہے۔ نہ سینما میں جاؤ۔ نہ لہو ولعب میں حصہ لو۔ پانچ وقت کی نماز پڑھو۔ فرصت ملے تو تہجد بھی پڑھو سال میں پورے تیس دن بھوکے رہو۔ زندگی ہوئی کہ قید بامشقت۔ دیکھا آپ نے وہی ایک اصول نفس پروری ہے۔

سائنس کے بدنام کرنے والے کہتے ہیں کہ سائنس ہمیں اُس چیز کے ماننے سے منع کرتا ہے جو انسان کے کسی حس سے محسوس نہ ہوسکے۔ اس وجہ سے ہم فرشتوں کی ہستی سے انکار کرتے ہیں۔ ہمارا تو خیال نہیں کہ سائنس یہ کہتا ہے۔ اگر کہتا ہے تو غلطی کرتا ہے۔ خود سائنس نے جو ترقیاں اب تک کی ہیں اُن سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ اس وقت فضا میں کتنی آوازیں ہوتی ہیں جو میں نہیں سُن سکتا۔ کتنی تصویریں ہیں جو میں نہیں دیکھ سکتا۔ اس فضا میں جو میرے کانوں اور آنکھوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ابھی ریڈیو لاکر کہ دو کہتے ہیں کہ Tele vision کے مطابق بولنے والوں کی تصویریں بھی نظر آئیں گی۔ ریڈیو نکالا اور لگایا۔ پھر وہ ساری آوازیں محسوس ہونے لگیں۔ تصویریں نظر آنے لگیں۔ سائنس کے اس اصول کے مطابق تو ان آوازوں اور تصویروں سے انکار کردیتے لیکن ریڈیو نے بچالیا اور جب ریڈیو نہیں تھا تو انکار ہی کرتے تھے کہ جب تک کوئی شئے کسی حس سے نہ معلوم ہوسکے اس سے انکار کرنا چاہیے۔ اگر انکار کرتے ہو تو انکار کرنے سے پہلے دو امور ضرور ثابت کرنے پڑیں گے۔ اول تو یہ کہ ہمارے قوائے حسیہ اتنے کامل ہوچکے ہیں کہ کوئی چیز اگر وہ موجود ہے ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ دوئم جو چیزیں ہمیں معلوم ہوچکی ہیں۔ ان کی موجودگی سے اس متنازعہ شئے کی موجودگی کی نفی لازم آتی ہے۔ اسی کو بالفاظ دیگر اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایسے صحیح اور معلوم واقعات کا اجتماع ہوچکا ہے کہ جن کی وجہ سے شئے متنازعہ کی غیر موجودگی لازماً ثابت ہوتی ہے۔ یہ ہے سائنٹیفک طریقہ کسی شئے کی موجودگی سے انکار کرنے کا۔ اس طریقے پر چلنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم نہ تو خدا کی اور نہ فرشتوں کی موجودگی سے انکار کرسکتے ہیں لہذا آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ تخیل خدا کا اور فرشتوں کا جو ابتدائے عالم سے بنی نوع انسان کے ساتھ ساتھ چلا آتا ہے اور اب فطرت ثانیہ ہوگیا ہے محض اس وجہ سے غلط ہے کہ آپ کے موجودہ نامکمل اور ناقص قوائے حسیہ ان کو جسمانی طریقہ سے محسوس نہیں کرسکتے۔ آپ اوپر فضا میں ہوائی جہاز میں بیٹھ کر چلے جائیں وہاں فضا میں اڑنے والے پرندے مثلاً عقاب۔ چیلیں۔ شاہین، شکرے وہ چیزیں دیکھ سکیں گے جو آپ کی ننگی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ اگر محض اس وجہ سے آپ

اس شئے کی موجودگی سے انکار کریں گے تو جہالت ہوگی۔ ہاں دُوربین لگانے سے ذرا کچھ دُور کی چیزیں نظر آتی ہیں۔ لیکن اس میں ہمیشہ ترقی کا امکان ہے۔ تیز سے تیز تر دُوربین بن سکتی ہے۔ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو آپ خوردبین سے بھی نہیں دیکھ سکتے۔ Atomic Energy کی ماہیت کا مطالعہ اس حقیقت کو آشکارا کرتا ہے۔ آپ Electric current یا Electrone کو کس خوردبین سے دیکھ سکتے ہیں۔ اس کو آپ جبھی محسوس کرتے ہیں کہ جب وہ آپ کو Shock پہنچائے۔ اور اگر وہ علیحدہ خاموش رہے تو پھر کیا۔ اس کی موجودگی سے تو انکار نہیں ہوسکتا۔ ہم اس فضا میں ہیں کہ جہاں ہم ہُوا کو نہیں دیکھ سکتے جس طرح مچھلیاں پانی کو نہیں دیکھ سکتیں۔ یہ خدا کی حکمت بالغہ ہے اگر ہم ہوا کو اور مچھلیاں پانی کو دیکھ سکتیں تو ہوا ہماری نظر کے سامنے ایک حجاب ہو جاتی اور پانی مچھلیوں کی نظر کے سامنے ایک حجاب ہو جاتا نتیجہ یہ ہوتا کہ نہ ہم ہُوا میں چل سکتے۔ اور نہ مچھلیاں پانی میں۔ جب آگے کچھ نظر ہی نہ آئے تو کہاں چلیں جس حکمتِ بالغہ نے ہماری نظروں کی طاقت کو ہمارے ماحول کے مطابق بنایا ہے اسی حکمت نے ہماری آنکھوں کی وضع اس قسم کی رکھی کہ ہم فرشتوں کو نہ دیکھ سکیں۔ اگر ہم فرشتوں کی حضوری کو ہر جگہ محسوس کرتے تو پھر ہم کوئی کام بھی آزادی سے نہ کر سکتے اور سارا انتظام درہم برہم ہو جاتا۔

اب صورت حالت یہ ہے کہ سائنس کے کسی اصول کے مطابق ہم فرشتوں اور خدا کی موجودگی سے انکار نہیں کر سکتے۔ برعکس اس کے بنی نوع انسان کا متفقہ فیصلہ از ابتدائے عالم تا ایں دم یہ ہے کہ دونوں موجود ہیں۔ لہٰذا کسی اہل سائنس کے لیے خدا و فرشتوں کے وجود کے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

فرشتوں کا آدمیوں کے معاملات میں مدد کرنا انجیل و قرآن شریف کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرشتگان الٰہی اس کے حکم کے منتظر رہتے ہیں اور اس کے حکم کی بے چون وچرا تعمیل کرنا ان کا فرض اوّلین ہے۔ بدر کی لڑائی کے حالات قرآن شریف میں پڑھو۔ فرشتوں نے مسلمانوں کی مدد کی تھی اگرچہ مسلمان ان کو نہ دیکھ سکے۔ فرشتوں کا انسانوں کی مدد کے لیے متعین ہونا

قرآن شریف سے ثابت ہے۔ هو القاهر فوق عباده ويرسل عليكم حفظة (الانعام آیت ۶۱ یعنی ۶: ۶۱) ہر ایک آدمی کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر ہیں۔ کراماً کاتبین کا نام تو سُنا ہوگا۔ ہمارے اقوال و افعال کے دیکھنے والے فرشتے ہیں یہ تو ہر ایک آدمیوں کے لیے ہے۔ اگر کوئی انسان معمولی آدمیوں میں سے برتر ہو۔ خدا کی محبت میں سرشار، خدا کی عبادت میں مشغول رہنے کی وجہ سے گھر کے کام کاج یا اولاد کے بہلانے کا وقت نہ ملا، اور خدا کے حکم سے فرشتوں نے کبھی کبھی مدد کر کے وہ کام کر دیا یا جھولا جھلا دیا تو کون سی غیر معمولی بات ہوئی۔ جھولا ہلا دینا یا چکّی چلا دینا تو پھر آسان ہے بہ نسبت ایک مسلح قوم سے لڑنے کے۔ چونکہ آلِ محمدؐ کے ذریعے سے اُمتِ محمدؐ کا امتحان لینا مشیّتِ ایزدی میں قرار پا چکا تھا۔ لہٰذا اُمتِ محمدؐ کو آلِ محمدؐ کے رتبہ سے آگاہ کرنا بھی ضروری تھا تاکہ اُن کے رتبہ سے لاعلمی کی حجت نہ باقی رہے۔

باب ہشتم

مناقب اہلبیت علیہم السلام (آیۂ تطہیر، حدیث کسا و آیۂ مباہلہ)

یہاں تو اس طویل بحث کی ضرورت نہیں۔ ہم نے "البلاغ المبین" میں بہت اچھی طرح ثابت کر دیا ہے۔ اہلبیت محمدؐ یا آلِ محمدؐ میں ازواجِ محمدؐ شامل نہیں ہیں۔ اہلبیت محمدؐ میں صرف محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ علیہم السلام اور آلِ محمدؐ میں فقط علی، فاطمہ حسن اور حسین علیہم السلام شامل ہیں۔ موجودہ بحث کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ یہ متفقہ امت ہے کہ اہلبیتِ رسالت میں حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ شامل ہیں۔ یہ تنازعہ بھی نہ پیدا ہوتا۔ لیکن اہلبیتِ محمدؐ کے اتنے فضائل بروئے حدیث و قرآن مسلّمہ طور سے ثابت ہیں کہ ہر ایک کے مُنہ میں پانی بھر آتا ہے کہ کیا اچھا ہوتا کہ ہمارا پیر و مرشد بھی ان میں کا ایک ہوتا۔ اور یہ احادیث اس پر حاوی ہوتیں۔ کوئی اور تو کیونکر آ سکتا تھا لے دے کے ازواجِ رسولؐ کے لیے گنجائش نکل سکتی تھی۔

وہ بھی حضرت ام سلمہ نے اپنے تئیں آگے کرکے جناب رسول خداؐ کے منہ سے کہلوایا کہ اہلبیتِ محمدؐ میں ازواج شامل نہیں ہیں۔

آیۂ تطہیر و حدیث کساء سورہ ۲۳ آیت ۳۳ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا (سورہ ۲۳ آیت ۳۳) یعنی پیغمبرؐ کے اہلبیت خداوند تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تم کو ہر طرح کی برائی و نجاست سے دور رکھے۔ اور جیسا پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا ہی پاکیزہ رکھے۔

جمع بین الصحاح ستہ میں رزین بن معاویہ اندلسی نے بخاری، مسلم، موطا، امام مالک و سنن ابی داؤد و سجستانی، صحیح کبیر نسائی سے حدیث کساء کو نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں (ترجمہ لفظی)

"حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ آیۂ تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی تھی۔ میں دروازۂ خانہ کے نزدیک بیٹھی ہوئی تھی۔ پس میں نے عرض کی کہ اے رسول خداؐ کیا میں اہلبیت میں نہیں ہوں۔ جناب رسولِ خداؐ نے جواب دیا کہ تیری عاقبت بخیر ہے لیکن تو تو ازواج رسول میں ہے۔ اس وقت اس گھر میں جناب رسول خداؐ، علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ تھے۔ آں حضرتؐ نے ان کو اپنی چادر (عبا کساء) کے نیچے لے لیا۔ اور کہا کہ خداوندا یہ میرے اہلبیت ہیں۔ ان کو رجس سے دور رکھ اور ان کو اتنا پاک رکھ کہ جتنا پاک رکھنے کا حق ہے"۔

صحیح مسلم میں روایت کساء اس طرح مروی ہے۔ (لفظی ترجمہ)

"حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن صبح جناب رسولِ خدا اپنے گھر سے باہر نکل رہے تھے۔ ردا خیبری سیاہ بالوں والی آپ کے دوش مبارک پر تھی کہ اتنے میں امام حسنؑ تشریف لائے۔ جناب رسول خداؐ نے انھیں اپنی ردا کے اندر داخل کرلیا۔ پھر امام حسینؑ آئے انھیں اسی طرح اپنی کساء کے اندر داخل کرلیا پھر حضرت فاطمہؑ آئیں انھیں اسی طرح اپنی کساء کے اندر داخل کرلیا۔ پھر علیؑ آئے انھیں بھی اس رداء میں داخل کرلیا۔ پھر اس کے بعد آں حضرتؐ نے آیۂ تطہیر تلاوت فرمائی" ۸۴؎

۸۴؎ صحیح مسلم مطبوعہ مصر۔ کتاب فضائل الصحابہ باب فضائل اہلبیت الجزء السابع ص ۱۳۰

علامہ حاکم نے مستدرک علی الصحیحین میں اس روایت کو کئی طرق سے بیان کیا ہے۔ یہاں ہم اس کا لفظی ترجمہ اردو میں لکھتے ہیں (اسماء رواۃ ہم نے چھوڑ دیے ہیں۔)

"حضرت ام سلمہ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ آیۂ تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی تھی۔ اسی وقت جناب رسول خداؐ نے علیؑ و فاطمہؑ و حسن و حسینؑ کو بلوایا اور فرمایا کہ یہ میرے اہلبیت ہیں۔ یہ حدیث بخاری کی شرائط کے بموجب صحیح ہے"۔

واثلہ بن سقع کہتے ہیں کہ میں حضرت علیؑ کے پاس ان کے گھر آیا۔ لیکن وہ گھر پر موجود نہ تھے۔ جناب فاطمہؑ نے فرمایا کہ وہ تو جناب رسول خداؐ کی طرف گئے ہیں۔ کیونکہ جناب رسول خداؐ نے انھیں بلایا تھا۔ اتنے میں حضرت علیؑ جناب رسول خداؐ کے ہمراہ تشریف لائے۔ اور وہ دونوں گھر میں داخل ہوئے۔ پس جناب رسولِ خداؐ نے حسنؑ و حسینؑ کو بلا کر اپنے دونوں طرف بٹھا لیا۔ پھر ان سب کے اوپر ایک ردا ڈالی۔ آیۂ تطہیر تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ میرے اہلبیت ہیں۔ یہ حدیث شیخین کی شرائط کے بموجب صحیح ہے۔

سعد بن وقاص سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ کے اوپر وحی کے آثار ظاہر ہوئے۔ پس آپ نے علیؑ و فاطمہؑ اور ان کے دونوں بیٹوں کو اپنی ردا کے اندر داخل کرکے فرمایا کہ اے خدا یہ میرے اہلبیت ہیں اور میری آل ہیں۔

عبداللہ ابن جعفر بن ابی طالب سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب جناب رسولِ خداؐ نے وحی کے نازل ہونے کے آثار محسوس فرمائے تو فرمایا کہ میرے پاس بلاؤ۔ ام المومنین صفیہ نے دریافت کیا کہ کس کو بلائیں۔ رسول خداؐ نے فرمایا کہ میرے اہلبیت علیؑ و فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ کو بلاؤ۔ پس وہ چاروں صاحبان تشریف لائے تو جناب رسول خداؐ نے ان کے اوپر ایک چادر ڈالی اور پھر آسمان کی طرف ہاتھ بلند کرکے فرمایا کہ خداوندا یہ میری آل ہیں۔ صلوٰۃ بھیج محمد اور آل محمد پر۔ اس وقت خداوند تعالیٰ نے آیۂ تطہیر نازل فرمائی۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور شرائط شیخین کے مطابق صحیح ہے۔ جناب رسول خداؐ نے

اہلبیتؑ پر اسی طرح صلواۃ بھیجنے کو فرمایا ہے جس طرح آل پر[۵۸۵]

علامہ تیمیہ حدیث کساء کے متعلق لکھتے ہیں:۔ اما حدیث الکساء فھو صحیح رواہ احمد والترمذی من حدیث ام سلمہ ورواہ مسلم فی صحیحہ من حدیث عائشہ[۵۸۶]

یعنی حدیث کساء صحیح ہے۔ اس کو احمد حنبل و ترمذی نے ام سلمہ سے اور مسلم نے اپنی صحیح میں عائشہ سے روایت کیا ہے۔ حدیث کساء کی صحت کے ثبوت کے لیے مندرجہ ذیل حوالہ جات ملاحظہ ہوں[۵۸۷]

مباہلہ کا واقعہ ہم شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مدارج النبوۃ سے لکھتے ہیں۔ مندرجہ ذیل عبارت فارسی سے اُردو میں اس کا لفظی ترجمہ ہے:۔

"جناب رسول خداؐ نے ایک مکتوب نصاریٰ نجران کے پاس بھجوایا اور ان کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ اہل نجران نے بعد مشورت ۱۴ آدمیوں کو اپنے میں سے منتخب کر کے آں حضرتؐ کی خدمت میں مدینہ بھیجا۔۔۔۔ جب وفد آں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آں حضرتؐ نے ان کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ انھوں نے پوچھا کہ آپ عیسیٰؑ کی شان میں کیا کہتے ہیں؟ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ اس کا جواب میں تم کو آج نہیں دیتا۔ تم اس شہر میں ٹھہرو تاکہ اس سوال کا

---

۵۸۵ الحاکم۔ مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث ص۱۴۶ ۵۸۶ منہاج السنہ الجزء الثالث ص۴

۵۸۷ صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ الجزء السابع ص۱۳۰ منہاج السنہ ابن تیمیہ الجزء الثالث ص۴ امام احمد حنبل مسند الجزء الاول ص۳۳۱، الجزء الثالث ص۲۸۵، ص۲۵۹، ص۱۵۱ الجزء الرابع ص۵، ص۱۰۷ الجزء السادس ص۲۹۲، ص۲۹۶، ص۲۹۸، ص۳۰۴، ص۳۲۲ جلال الدین السیوطی، کتاب الدر المنثور الجزء الخامس ص۱۹۸، ص۱۹۹ ابن عبدالبر۔ کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب الجزء الثانی ترجمہ علی ابوداؤد الطیالسی۔ مسند الجزء الثامن ص۲۷۴ حدیث ۲۰۵۵۔ امام مالک چلپی امام بغوی۔ مصابیح السنہ الجزء الثانی ص۲۷۸۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص۳۷۸، ص۳۷۹۔ صحیح ترمذی ک ۴۴ ح ۷، ک ۴۶ ب ۳۱، ۶۰۔ الحاکم المستدرک الجزء الثالث ص۱۴۶۔ سلیمان ابن ابراہیم بلخی ینابیع المودۃ الباب الثالث والثلاثون فی تفسیر آیہ تطہیر ص۱۰۸ تا ص۱۰۹۔ اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص۲۳۲

جواب مجھ سے سنو گویا آپ منتظر وحی تھے۔ پس دوسرے روز یہ آیات نازل ہوئیں۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْہِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ قف ثُمَّ نَبْتَہِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ۔

جناب رسول خداؐ نے نصرانیوں کو بلایا اور یہ آیات پڑھ کر سنائیں لیکن انھوں نے اس کو نہ مانا اور اپنے اعتقاد پر قائم رہے۔ اس پر جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ چونکہ تم کو اعتبار و یقین نہیں ہے۔ لہذا آؤ اور مباہلہ کریں یعنی ایک دوسرے کے متعلق خدا سے دعا کریں کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہو۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں مہلت دیجئے۔ ہم غور کر لیں اور کل آئیں۔ دوسرے روز صبح جناب رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوے۔ اور حضرتؐ بھی مباہلہ کے لیے تیار تھے۔ اس طرح کہ حسینؑ کو بغل میں لے لیا۔ حسنؑ کی انگلی پکڑ لی۔ حضرت فاطمۃ زہراؑ آں حضرتؐ کے پیچھے اور حضرت علیؑ اُن کے پیچھے تھے۔ آں حضرتؐ نے اُن سے کہا کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ سبحان اللہ کیا وقت اور کیا حالت ہے۔ کیسے گواہان ہیں اور کیسا مشہود۔ جماعت نصاریٰ نے جب ان پنجتن پاکؑ کو دیکھا اور دعا اور آمین کی بات سُنی تو ڈر گئے۔ ابوالحارث بن علقمہ کہ ان سب میں زیادہ عالم و عقلمند تھا بولا کہ میں جماعت میں چند ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ چاہیں تو خدا ان کی خاطر پہاڑ کو اس کی جگہ سے سرکا دے۔ ہرگز مباہلہ نہ کرنا ورنہ ہلاک ہوگے۔ اور کوئی نصرانی روے زمین پر باقی نہ رہے گا اور آں حضرتؐ نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر وہ مباہلہ کرتے تو مسخ ہو جاتے بصورت بندر و سُور۔ اور اس وادی سے ان پر آتش برستی۔ تمام اہل نجران ہلاک ہوتے۔ ان کے درختوں پر کے پرندے مر جاتے اور ایک نصرانی باقی نہ رہتا۔ پس ان لوگوں نے کہا کہ ہم مباہلہ نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا مسلمان ہو جاؤ۔ انھوں نے کہا یہ بھی ہمیں

گوارا نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پھر لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ انھوں نے کہا کہ ہم میں آپ سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہے لیکن ہم صلح کرتے ہیں اس پر کہ ہر سال چالیس درہم کے قیمتی دو ہزار حُلّے (پوشاک) دیں گے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے تیس گھوڑے، تیس شتر، تیس زرہ تیس نیزہ دیں گے۔ پس ان سب پر مصالحت ہوگئی [۵۸۸]

علامہ جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری اپنی تفسیر کشاف میں آیۂ مباہلہ کی تفسیر میں یہ واقعات بالکل اسی طرح لکھنے کے بعد حضرت عائشہ سے اس طرح روایت کرتے ہیں (لفظی ترجمہ)

"جناب عائشہ فرماتی ہیں کہ جناب رسول خداؐ مباہلہ کے لیے اس طرح نکلے کہ آپ کالی ردا اوڑھے ہوئے تھے۔ حسنؑ آئے انھیں اپنی ردا کے اندر کر لیا حسینؑ آئے اپنی ردا کے اندر کر لیا۔ پھر فاطمہؑ پھر علیؑ آئے اور ان کو بھی آں حضرتؐ نے اپنی ردا کے اندر داخل کر لیا۔ پھر آیۂ تطہیر تلاوت فرمائی کہ یہ اہلبیت ہیں جن سے رجس دُور رکھا گیا ہے اور جن کو پاک و صاف کیا گیا ہے ..... اس میں آل عبا کے لیے نہایت قوی دلیل ان کی فضیلت کی ہے [۵۸۹]

ہر ایک تاریخ و حدیث کی کتاب میں اس واقعہ کو اسی طرح تحریر کیا ہے اور مباہلہ کے لیے محض ان ہی پنجتن پاک کا نکلنا اور تیار رہنا بیان کیا ہے۔ چند حوالے ملاحظہ ہوں [۵۹۰]

---

[۵۸۸] شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ مدارج النبوۃ جلد دوم ص۴۹۸ تا ص۵۰۰ مطبوعہ نولکشور سنہ ۱۹۰۴ء تاریخ حبیب السیر جلد اوّل جزء سوم ص۳۰ و ص۴۲۔ روضۃ الاحباب ص۵۲۳

[۵۸۹] تفسیر کشاف الجزء الاول ص۳۰۷ تفسیر آیۂ مباہلہ صحیح مسلم الجزء السابع کتاب فضائل الصحابہ باب من فضائل علی ص۱۲۰، ص۱۲۱ ابن حجر مکی۔ صواعق محرقہ باب التاسع فصل الثانی حدیث ثالث ص۴۲ و باب الحادی عشر فصل الاوّل آیت تاسعہ ص۹۳۔ ابن کثیر شامی۔ البدایہ والنہایہ فی التاریخ الجزء السابع ص۳۳۹۔ الحاکم۔ المستدرک الجزء الثالث کتاب معرفۃ الصحابہ ص۱۵۰۔ جلال الدین سیوطی۔ تفسیر در المنثور الجزء الثانی ص۳۹۔ فخر الدین رازی۔ تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد دوم ص۷۰۰ تفسیر بیضاوی مطبوعہ نولکشور۔ تفسیر آیہ مباہلہ۔ علی بن برہان الدین سیرۃ الحلبیہ الجزء الثالث ص۲۴۰

غور و فکر

واقعہ مباہلہ سے بہت اہم اور دُور رس نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ ناظرین غور و فکر کریں۔ ہم ان کی توجہ مندرجہ ذیل امور کی طرف دلاتے ہیں۔

۱۔ قرآن شریف کا دعویٰ ہے اور یہی اس کا معجزہ ہے کہ آیندہ آنے والے واقعات و مسائل کا جواب اور مشکلات کا حل اس میں موجود ہے۔ خداوند تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ایک موقع پر آگے چل کر اس کے رسول اور امت میں تنازعہ پیدا ہو جائے گا۔ رسول تو یہ کہے گا کہ میں تمھارے درمیان دو بزرگ چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ قرآن شریف اور میری عترت۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے قیامت تک جدا نہ ہوں گے۔ تم کو چاہیئے کہ ان دونوں کی اطاعت اور پیروی کرو۔ اور اگر تم نے ان دونوں سے تمسک رکھا تو قیامت تک گمراہ نہ ہوگے لیکن امت کی اکثریت کہے گی کہ نہیں حسبنا کتابُ اللہ۔ ہمیں تو صرف کتاب اللہ کافی ہے عترت کی ضرورت نہیں۔ خداوند تعالیٰ نے عترت رسولؐ کی عظمت اور ضرورت کو کس عمدگی سے ظاہر کر دیا۔ کاش وہ قرآن شریف کا غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کرتے تو بھی اسی نتیجہ پر پہنچتے کہ اس کے صحیح معنی سمجھنے کے لیے ایک صاحب علم مرکز یعنی عترت کی ہدایت کی ضرورت ہے۔ ورنہ ہر شخص اپنی عقل سے معنی کرے گا تو تفرقہ پڑ جائے گا چنانچہ تفرقہ پڑ ہی گیا۔ بہر صورت اس واقعہ مباہلہ سے خداوند تعالیٰ نے اس مسئلہ کو حل کر دیا۔ عملی طور سے امت کو دکھا دیا کہ قرآن صامت کافی نہیں ہے اور وہ ہدایت تامہ کے لیے عترت رسول کا محتاج ہے۔

۲۔ نساءنا کا مقصود محض حضرت فاطمہؑ ہوئیں کیسی اور عورت کو ہمراہ نہ لیا ورنہ بہت آسان تھا کہ اپنی ازواج میں سے کسی کو لے جاتے۔ کیا وجہ؟ اس کی تین وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ آیۂ تطہیر ان ہی بزرگوں کی شان میں نازل ہوئی تھی۔ ازواج اس میں شامل نہ تھیں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ معاملہ نازک تھا۔ کاذب پر قہر خدا نازل ہونا تھا۔ ایسے ہی لوگ ساتھ جا سکتے تھے جنھوں نے عمر بھر میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۴) ابن تیمیہ۔ منہاج الدین الجزء الثالث ص۱۱۔ مسند احمد حنبل الجزء الاول ص۱۸۵ نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض جلد ثالث ص۴۳۰ ص۴۵۶ شرح زرقانی علی مواہب لدنیہ الجزء الرابع ص۴۳۳۔ علامہ بغوی۔ مصابیح السنہ الجزء الثانی ص۲۷۸

کبھی کذب سے واسطہ نہ رکھا ہو۔ کذب کی کسی شکل سے ملوث نہ ہوئے ہوں۔ سیاسی یا ذاتی اغراض و مقاصد کے لیے بھی کبھی جھوٹ نہ بولا ہو۔ کیونکہ آخر فقرہ دعا کا تو یہی تھا کہ جو جھوٹا ہے اس پر خدا کی لعنت۔ اندریں صورت صادق کامل کی ضرورت تھی۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر وہ صاحب تطہیر نہ ہوتا۔ اور ایمان بھی اس کا کامل نہ ہوتا تو وہ خود آمین کہتے ہوئے ڈرتا۔ اور اگر موقع کی اہمیت دیکھ کر آدھے دل سے آمین کہہ بھی دیتا تو اس آمین میں وہ اثر نہ ہوتا۔ جو محض ایمان کامل سے پیدا ہوتا ہے۔ جب تک یقین کے ساتھ آمین نہ کہی جاتی اُس کا اثر نہ ہوتا۔ دعا کے اثر کے لیے یقین کی سخت ضرورت ہے ایمان بھی کامل ہونا چاہیے تھا۔ اس جماعت کا ایک ایک فرد ایمان کامل رکھنے والا ہونا چاہیے تھا۔ ورنہ امتحان میں فیل ہو جاتے۔ ممکن ہے کہ جن میں طہارت کامل نہ تھی ان کا یقین کامل نہ ہوتا۔ اگر ذرا بھی خیال آتا کہ شاید نصاریٰ ہی سچ کہتے ہوں۔ آدمؑ کے تو ماں باپ دونوں نہ تھے عیسیٰؑ کی ماں تو تھی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ رسولِ خداؐ کو مغالطہ ہوا ہو۔ اور نصاریٰ ہی سچ کہتے ہوں تو ہم مارے جائیں گے۔ دوسرے لوگوں نے ایسی نکتہ چینیاں بسا اوقات کی ہیں لہٰذا ضرورت ہوئی کہ وہ لوگ ساتھ ہوں جو رسولِ خداؐ کو ہر حالت میں ہر صورت میں سچا جانتے ہیں۔

۳۔ جو لوگ اس میں شامل تھے ان کی فضیلت سارے عالم پر مسلّمہ طور سے ثابت ہے۔ ہم اس وقت جناب فاطمہ علیہا السلام کی سوانح حیات اور ان کے فضائل پر غور کر رہے ہیں۔ جناب عائشہ کہتی ہیں کہ تمام مخلوق میں سب سے زیادہ سچی حضرت فاطمہؑ تھیں۔ باستثناء والد خود واقعات مباہلہ بتا رہے ہیں کہ وہ صدیقہ کاملہ تھیں۔ اگر ان کے صدق میں ذرا سا شائبہ بھی شک کا ہوتا تو اس نازک ترین اور نبوت کے اہم ترین واقعہ میں ان کی شمولیت ناممکن تھی لیکن جب یہی صدیقہ کاملہ اپنا فدک کا حق لینے دربارِ خلافت میں تشریف لے گئیں تو کہا گیا کہ فقط تمہارے قول کا ہمیں اعتبار نہیں۔ گواہان لاؤ۔ جب گواہان پیش کیے وہ گواہان جو واقعہ مباہلہ میں شریک تھے۔ تو کہا گیا کہ لڑکوں کی شہادت ماں کے حق میں قابل قبول نہیں۔

۴۔ وہ لوگ جو اعتراض کرتے ہیں کہ کارِ نبوت میں شریک ہونے کے کیا معنی وہ اس واقعہ سے اس شرکت کی تشریح و معانی سمجھنے کی کوشش کریں۔

۵۔ کارِ نبوت و خلافت میں لوگوں کی رایوں کو اور اُن کے انتخاب کو دخل نہیں ہے ورنہ یہاں کثرتِ رائے سے فیصلہ کیا جاتا۔

۶۔ ممبرانِ مباہلہ تمام امت میں افضل ترین افراد تھے۔

۷۔ بزرگی بایمان است نہ بسال۔

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝

(سورہ ۷۶ : ۷، ۸، ۹)

(ترجمہ: وہ منتوں کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں کہ جس کی سختی ہر طرف پھیلی ہوگی۔ اور اس کی محبت میں محتاج، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم تو تم کو بس خالص خدا کے لیے کھلاتے ہیں۔ ہم نہ تم سے بدلہ کے خواستگار ہیں۔ اور نہ شکر گزاری کے۔)

ایسی آیتیں جن میں مومنین کو اعمالِ صالح کی ترغیب دی گئی۔ یا افعالِ بد سے پرہیز کرنے کو کہا گیا ہے دو قسم کی ہیں۔ ایک تو وہ جو عام ہیں۔ مثلاً سورہ بقر کی پہلی ہی آیت کو لو۔ اس میں متقین کی عام تعریف کی گئی ہے۔ دوسری قسم کی وہ آیات ہیں جو خاص واقعہ اور اس واقعہ کے خاص آدمیوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں مدعا ان کا بھی تحریض و تلقین، ترغیب ہی ہوتا ہے لیکن وہ خاص واقعہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً واقعہ افک کے متعلق جو آیات ہیں۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ ان کے ذریعہ سے حضرت عائشہ کو جھوٹی تہمت سے بری کیا گیا لیکن حضرت عائشہ کا ان میں نام تک نہیں ہے۔ صرف احادیث کے ذریعہ سے ہم کو یہ واقفیت ہوئی ہے اسی طرح آیات مندرجہ بالا ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ہم تفسیر کشاف سے حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت کا لفظی ترجمہ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

"ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حسنین علیہما السلام بیمار ہو گئے اور جناب رسول خداؐ عیادت کو تشریف لائے۔ ان کے ہمراہ اور لوگ بھی تھے۔ انھوں نے حضرت علیؑ سے کہا کہ بہتر ہوتا اگر تم اپنے فرزندوں کے لیے

نذر مانتے ۔ پس جناب امیرؑ و جناب سیدہؑ اور فضہ ان کی لونڈی نے ان دونوں کی تندرستی کے لیے تین تین روزے رکھنے کی منت مانی پس جب دونوں صاحبزادے صحت یاب ہوگئے تو سب نے مل کر روزے رکھے لیکن اس وقت ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا ۔ جو افطار کے لیے کام آتا ۔ لہذا جناب امیر نے شمعون یہودی سے جو کے تین پیمانے قرض لیے اس میں سے ایک پیمانہ کو جناب سیدہ علیہا السلام نے پیس کر پانچ روٹیاں تعداد کے مطابق تیار کیں ۔ جب افطار کے لیے ان کے آگے رکھیں تو ایک سائل نے آن کر آواز دی ۔ السلام علیکم اے اہلبیت محمدؐ ۔ میں مسلمان مساکین میں سے ایک مسکین ہوں ۔ مجھے کچھ کھلاؤ ۔ خدا تم کو جنت کی نعمتوں سے سیر کرے ۔ سب نے اپنا کھانا اس کو بخش دیا ۔ اور پانی سے افطار کر کے سو رہے ۔ دوسرے دن پھر روزہ رکھا اور جب افطار کے لیے انھوں نے اپنے آگے کھانا رکھا تو ایک سائل نے آن کر آواز دی کہ میں یتیم ہوں سب نے اپنا کھانا اس کو دے دیا اور پانی سے افطار کر کے سو رہے ۔ اسی طرح تیسرے دن کی افطاری ایک قیدی کو بخش دی ۔ صبح کو جناب امیرؑ حسنینؑ کا ہاتھ پکڑ کر جناب رسول خدا کے حضور میں لے گئے ۔ وہ سب بھوک سے چوزۂ مرغ کی طرح کانپ رہے تھے ۔ آں حضرتؐ نے ان کو دیکھ کر فرمایا یہ کیا حالت ہے جس سے مجھ کو بہت رنج ہوتا ہے ۔ پھر آپ جناب امیرؑ کے گھر تشریف لے گئے وہاں جناب سیدہ علیہا السلام کو محراب عبادت میں کھڑا ہوا دیکھا ۔ درانحالیکہ ان کی کمر ان کے پیٹ سے لگ گئی تھی ۔ اور ضعف سے ان کی آنکھوں میں حلقے پڑ گئے تھے ۔ آں حضرتؐ کو یہ دیکھ کر بہت ملال ہوا ۔ اتنے میں جناب جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہنے لگے کہ اے محمد یہ لو ۔ خداوند تعالیٰ تم کو تمھارے اہلبیت پر مبارکباد دیتا ہے ۔ اب حضرت جبریل نے یہ سورۃ پڑھی[۹۱]

جناب فاطمہ علیہا السلام کے زہد و عبادت کا حال اس واقعہ سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہلبیت رسول کون ہیں ۔ خدا کن کو اہلبیت محمد کہہ کر مبارکباد دیتا ہے ۔ عوام الناس کن کو اہلبیت محمد سمجھ کر عطا و بخشش طلب کرنے کے لیے جاتے ہیں ۔

[۹۱] زمخشری ۔ تفسیر کشاف الجزء الثانی ص۵۱۱ ، ص۵۱۲ ۔ عبید اللہ امرتسری ارجح المطالب باب دوم ص۴۲

باب نہم

مناقب اہلبیت علیہم السلام (آیہ صلوۃ ، آیہ مودۃ)

آیہ صلوۃ :- اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (پارہ ۲۲ سورۃ الاحزاب ع ۵)

(ترجمہ ۔ بتحقیق اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر ، اے لوگو جو ایمان لائے ہو درود بھیجو اس پر اور سلام جیسا کہ درود و سلام بھیجنے کا طریقہ ہے ۔)

صحیح بخاری کی عبارت کا لفظی ترجمہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں :-

"کعب ابن عجزہ (و ابن عباس و ابن مسعود ، و عمار یاسر وغیرہم) سے مروی ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی تو ہم نے عرض کی کہ یارسول اللہ ہم آپ پر صلوٰۃ و سلام کس طریقہ پر بھیجیں ؟ آپ نے فرمایا کہو اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ[۹۲]

یہی مضمون صحیح مسلم و دیگر کتب احادیث میں ہے[۹۳]

علمائے شیعہ و سنی کا اتفاق ہے کہ اگر تشہد نماز میں محمدؐ اور آل محمدؐ پر صلوٰۃ نہ بھیجی جاوے

[۹۲] صحیح بخاری الجزء الثالث کتاب التفسیر ص۱۱۹ [۹۳] صحیح مسلم ۔ مطبوعہ مصر الجزء الثانی ص۶۱ امام احمد حنبل ۔ مسند الجزء الثالث ص۴۷ ، ص۵۹ الجزء الرابع ص۱۱۸ ، ص۱۱۹ ، ص۲۴۱ ، ص۲۴۳ ، ص۲۴۴ ۔ الجزء الخامس ص۲۷۴ ۔ ابن حجر مکی صواعق محرقہ الباب الحادی عشر الفصل الاول ص۸۸ علی متقی ۔ کنز العمال الجزء الاول ص۱۲۳ ، حدیث ۲۱۵۶ ، ص۱۲۴ ، حدیث ۲۱۷۵ ، ۲۱۸۹ ص۱۲۵ ، حدیث ۲۱۹۰ لغایت ۲۱۹۳ شمس الدین الجزری اسنی المطالب ص۲۱ ۔ مستدرک الجزء الثالث ص۱۴۸

تو نماز جائز نہیں ہوتی اور نیز یہ کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ وہ دعا بارگاہِ الٰہی تک نہیں پہنچتی جس میں محمدؐ اور آل محمدؐ پر درود نہ بھیجی گئی ہو [۹۴] چنانچہ امام شافعی کے مشہور اشعار جو علامہ ابن حجر مکی نے اپنی کتاب صواعق محرقہ میں نقل کیے ہیں اس امر پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ اشعار یہ ہیں [۹۵]

یا اھل بیت رسول اللہ حبکم — فرض من اللہ فی القرآن انزلہ

کفاکم من عظیم القدر انکم — من لم یصل علیکم لا صلوٰۃ لہ

(ترجمہ:۔ اے اہلبیت رسول اللہ۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے قرآن میں جو اس نے اپنے پیغمبر پر نازل کیا تمہاری محبت کو امت اسلامیہ پر فرض قرار دیا۔ تمہاری عظمت قدر کے لیے یہ کافی ہے۔)[۹۵]

آیہ مودۃ القربیٰ

قُلْ لَّآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰي قَلْبِكَ ۭ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ (س ۴۲ : ۲۴)

(ترجمہ:۔ تم اے نبی یہ کہہ دو کہ میں تو اس تبلیغ رسالت کا تم سے کچھ اجر سوائے اس کے طلب نہیں کرتا کہ میرے نزدیکی رشتہ داروں سے محبت کرو۔ اور جو اس بارے میں کوئی نیکی بھی کرے گا اس کی خاطر ہم اس کی نیکی کو بہت بڑھا دیں گے۔ بیشک اللہ بخشنے والا اور بہت بڑا قدر دان ہے۔ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹ بہتان باندھا ہے۔ پس اگر اللہ چاہے تو اے نبی تیرے دل پر مُہر لگا دے اور اللہ باطل کو مٹاتا ہے اور اپنے کلمات کے ذریعے سے حق کو ثابت کرتا ہے۔ بیشک وہ دلوں کی حالت سے پورا پورا آگاہ ہے۔)

لفظ "قربیٰ" کی تشریح خود جناب رسول خداؐ نے فرما دی ہے جیسا ہم ابھی ثابت کرتے ہیں۔ یہ مسلمہ ہے کہ یہ چاروں حضرات علیؑ و فاطمہ و حسنین علیہم السلام تو اس لفظ کے سب سے پہلے مصداق ہیں۔ اب تو اتنی ہی کوشش رہ گئی کہ حضرت علیؑ کے بھائیوں اور بھتیجوں کو اس میں داخل کر کے ذرا ان کی فضیلت میں کمی کر دی جائے۔ لیکن وہ کبھی ممکن نہ ہوا۔ جب آیۂ تطہیر نازل ہوئی تب رسولِ خدا نے ان پر چادر ڈال کر بتلا دیا کہ

[۹۴] ابن حجر مکی۔ صواعق محرقہ الباب الحادی عشر الفصل الاول ص۸۸ [۹۵] ایضاً ایضاً

ان کے اہلبیت اور آیۂ تطہیر کے مقصود صرف یہ حضرات ہیں۔ آیۂ مباہلہ کے وقت اس تشریح کا اعادہ کیا گیا۔ آیۂ صلوٰۃ کے نازل ہونے پر جناب رسول خدا نے صاف طور پر بتلا دیا کہ اس کے مصداق صرف آں حضرتؐ، علیؑ، فاطمہ، حسنؑ، حسینؑ ہیں۔ اب آیۂ مودت کے نزول کے وقت بھی یہ ہی تشریح کی۔ اس پر آں حضرتؐ کے معترضین اور حضرت علیؑ کے مخالفین کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ دیکھو جناب رسول خداؐ اپنے خاندان خصوصاً علیؑ و فاطمہؑ کی محبت میں اس طرح سرشار ہیں کہ خدا پر بھی بہتان باندھنے لگے۔ اس آیہ میں ان معترضین کی اس نکتہ چینی کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا۔ اور ان کو جواب بھی دیا گیا ہے کہ یہ اعتراض غلط ہے۔ بلکہ خداوند تعالیٰ اپنے کلمات کے ذریعے سے باطل کو مٹاتا ہے اور حق کو ظاہر کرتا ہے۔ اور وہ کلمات بھی قرابت داران محمدؐ ہیں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم اپنے قیاس سے یہ تفسیر ان آیات کی کر رہے ہیں۔ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں:۔

ونقل الثعلبی و بغوی عن ابن عباس انہ لما نزل قولہ تعالیٰ قُلْ لَّآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى قال قوم فی نفوسھم ما یرید الا ان یحثنا علی قرابتہ من بعدہ فاخبر جبرئیل النبی صلی اللہ علیہ وسلم انھم اتھموہ فانزل ام یقولون افتری علی اللہ کذبا الآیہ [۹۶]

ثعلبی و بغوی نے ابن عباس سے نقل کیا کیا ہے کہ جب یہ آیۂ مودۃ القربیٰ نازل ہوئی تو ایک جماعت نے اپنے دل میں کہا کہ رسول خدا کا اس سے یہ منشا ہے کہ ان کے بعد ہم ان کے قرابت داروں کے ساتھ تمسک کریں۔ پس جبرئیل نے اس اعتراض کی اطلاع جناب رسول خدا کو دی کہ وہ آپ پر یہ تہمت لگاتے ہیں اور یہ آیت نازل ہوئی۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا۔

عن ابن عباس قال لما نزلت ھذہ الآیہ قل لا اسئلکم الآیہ

ابن عباس کہتے ہیں کہ جب یہ آیۂ مودۃ القربیٰ نازل ہوئی تو لوگوں نے پوچھا کہ

[۹۶] ابن حجر مکی۔ صواعق محرقہ الباب الحادی عشر الفصل الاول ص۱۰۲

اے رسول مقبول وہ کون سے آپ کے قرابتدار ہیں جن کی محبت کا حکم خداوند تعالیٰ نے ہم کو دیا ہے آپ نے فرمایا کہ علیؑ و فاطمہؑ اور ان کے دونوں پسران ۔	قالوا یا رسول من ھؤلآء الذی امرنا اللہ تعالیٰ بمودتھم قال علی و فاطمہ وابناھما ۹۷

شیخ علی ہمدانی نے جو اہلسنت و جماعت کے بہت بڑے عالم ہیں اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام کتاب مودۃ القربیٰ ہے۔ اس کتاب کی تشریح و تفصیل قسطنطنیہ کے مفتی اعظم شیخ سلیمان قندوزی نے کی ہے اور اس کا نام ینابیع المودۃ رکھا ہے۔ یہ کتاب اسلامبول میں چھپ چکی ہے۔

باب دہم

فضائل اہلبیت علیہم السلام

جناب رسول خداؐ نے فرمایا فلوان رجلاً صفن بین الرکن والمقام فصلی وصام ثم لقی اللہ وھو مبغض لاھل بیت محمد دخل النار۔ حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث بروئے شرائط شیخین یعنی بخاری و مسلم بالکل صحیح ہے۔ اگرچہ انھوں نے نقل نہیں کی ۹۸

ترجمہ۔ اگر ایک شخص رکن و مقام کے درمیان نماز پڑھے اور روزہ رکھے ہو لیکن وہ مبغض اہلبیت محمدؐ ہو تو سیدھا دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

۹۷ جلال الدین سیوطی احیاء المیت فی الاحادیث الواردۃ فی اہل البیت برحاشیہ کتاب اتحاف ص۱۱۰، ص۱۱۱ ۔ ابن حجر مکی ۔ صواعق محرقہ الباب الحادی عشر الفصل الاول ص۱۰۱ ۔ شیخ سلیمان ۔ ینابیع المودۃ ۔ سید علی ہمدانی مودۃ القربیٰ ۔ میرزا معتمد خاں نزل الابرار ص۵ ۔ شیخ عبداللہ کتاب الاتحاف ص۵ ۔ روضۃ الندیہ ص۱۰ عبیداللہ امرتسری ۔ ارجح المطالب باب دوم ص۷ ۔ شیخ یوسف بن اسماعیل الشرف المؤید لآل محمد ص۵
۹۸ مستدرک الجزء الثالث ص۱۴۹ ینابیع المودۃ ص۳۴

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ نے علیؑ و فاطمہؑ و حسن و حسین علیہم السلام کی طرف نظر کی اور فرمایا انا حرب لمن حاربکم وسلم لمن سالمکم یعنی میری لڑائی ہے اس سے جو تم سے لڑتا ہے اور میری صلح ہے اس سے جو تم سے صلح رکھتا ہے ۹۹ یہی روایت زید ابن ارقم سے بھی مروی ہے ۱۰۰

عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، النجوم امان لاھل الارض من الغرق واھل بیتی امان لامتی من الاختلاف فاذا خالفتھا قبیلۃ من العرب اختلفوا فصاروا حزب ابلیس۔ ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ ۱۰۱

یعنی حضرت عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ جس طرح نجوم زمین کے رہنے والوں کے لیے غرق سے امان ہیں اسی طرح میرے اہلبیت میری امت کے لیے اختلاف سے امان ہیں۔ جب امت ان کی مخالفت کرے گی تو امت کے لوگ آپس میں اختلاف کریں گے اور بس اس وجہ سے وہ شیطان کے لشکر بن جائیں گے۔

وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا نے اپنے بعد کے زمانے کے لیے امت کا کچھ انتظام نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ اپنے جانشین مقرر کرنے کی طرف بھی کچھ توجہ نہیں کی۔ اس حدیث کو بہت غور سے پڑھیں۔ ہر ایک مذہب و قوم کے لیے ایک مرکز کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس میں انتشار و اختلاف نہ پیدا ہو۔ بغیر مسلمہ مرکز کے قوم شتر بے مہار کی طرح ڈانوا ڈول پڑی پھرتی ہے، یہاں تک کہ آپس کے اختلاف پیدا ہو کر اس کو نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر مذہب میں کوئی مرکز نہیں ہے تو ہر ایک شخص اپنی رائے سے مذہب کے اصول کے معانی کرے گا۔ اور اس طرح فرقوں کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ جناب رسول خداؐ نے اس انتشار و اختلاف کے

۹۹ مستدرک الجزء الثالث ص۱۴۹ صواعق محرقہ الباب حادی عشر ص۱۱۲، ص۸۵ ینابیع المودۃ ص۳۷
۱۰۰ مستدرک الجزء الثالث ص۱۴۹۔ ینابیع المودۃ ص۱۹۴ ۱۰۱ مستدرک الجزء الثالث ص۱۴۹۔ ینابیع المودۃ شیخ سلیمان قندوزی مفتی اعظم قسطنطنیہ الباب التاسع والخمسون ص۲۹۸ نیز باب السادس والخمسون ص۱۹۱ ۔ الباب الثالث ص۱۹ ، ص۲۰ صواعق محرقہ ابن حجر مکی الباب الحادی عشر ص۹۱

روکنے کے لیے ایک مرکز قائم کردیا اور حکم دیا کہ اس مرکز کی اطاعت کریں اور اس کے احکام کو مانیں اگر ایسا کریں گے تو وہ اختلاف و فتنہ سے بچے رہیں گے ورنہ مختلف فرقے شیطانوں کی جماعتیں بن جائیں گی۔ اور اس مرکز کے لیے آپ نے اپنے اہلبیت کو بحکم خداوندی قرار دیا۔ لیکن لوگوں نے آپ کے اس حکم کی اطاعت نہ کی۔ آپ کی اختلاف والی پیشین گوئی پوری ہوئی اور اسلام میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے۔ آپ کے اہلبیت امت کو اختلاف سے بچانے والے تھے لیکن امت نے ان کی نہ سنی۔ دیکھ لو آپس میں کتنا اختلاف ہے۔ اسی مطلب کی ایک دوسری حدیث ہے جس کو حدیثِ ثقلین کہتے ہیں۔

کانی دعیت فاجبت انی ترکت فیکم الثقلین احدھما اکبر من الآخر کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی فانظروا کیف تخلفونی فیھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی ابدا[102]

میری طلبی بارگاہِ احدیت میں ہوئی ہے اور میں نے لبیک کہہ دی ہے۔ میں تمھارے درمیان دو گراں بہا چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ان میں سے ایک دوسرے سے بڑی ہے۔ قرآن کریم و میرے اہلبیت یعنی میری عترت خیال رکھو کہ تم ان دونوں سے میرے بعد کیسا سلوک کرتے ہو وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے حتی کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر قیامت کے دن وارد ہوں۔ اگر تم نے ان دونوں کے ساتھ تمسک رکھا تو میرے بعد قیامت تک گمراہ نہ ہو گے۔

اسلام کی اس تاریخ کے چہرے پر جو سقیفہ بنی ساعدہ سے شروع ہوئی ہے اور اب تک جاری ہے جلی حروف میں یہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ اسلام میں جو حکومت آں حضرتؐ کے بعد قائم ہوئی اس کی سیاست کا پہلا اور آخری اصول اہلبیتِ رسولؐ سے عناد

[102] صحیح مسلم الجزء السابع ص۱۲۲، ص۱۲۳ - مسند احمد حنبل - الجزء الثالث ص۱۴، ص۱۵، ص۱۷ ص۲۶ - الجزء الرابع ص۳۶۶، ص۳۷۱ - الجزء الخامس ص۱۸۲، ص۱۸۹ سیرۃ الحلبیہ الجزء الثالث ص۳۰۸ ابن تیمیہ - منہاج السنہ الجزء الرابع ص۱۰۴، ص۱۰۵ - الحاکم - مستدرک علی الصحیحین - الجزء الثالث ص۱۴۸ الخفاجی نسیم الریاض شرح شفائی قاضی عیاض الجزء الثالث ص۴۵۵

رکھنا تھا اور جو اسلام آں حضرتؐ کی رحلت کے بعد امت کی اکثریت میں رائج کیا گیا اس کے دستور العمل کا پہلا عنوان عترت رسولؐ سے انحراف کرنا اور ان کے غیر کی طرف رجوع کرنا تھا۔ اس طرزِ عمل کا جو نتیجہ ہوا اس نے حدیثِ ثقلین کی پیشین گوئی کی صداقت کو ثابت کردیا۔ اسلامی قوم اس طرح وادیٔ ضلالت میں پڑی کہ اب تک اس سے نکلنے کی صورت نظر نہیں آتی۔ نہ عترتِ رسول کی طرف رجوع کریں گے نہ یہ ضلالت ضائع ہوگی۔ اس عناد و انحراف کی پوری تاریخ اور اس کی تفصیلات اگر کوئی معلوم کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ ہماری "کتاب التفریق والتحریف فی الاسلام" کا بغور مطالعہ کرے۔

اسی حدیث کے سلسلۂ بیان میں آں حضرت نے یہ بھی فرمایا سالت ربی ذالک لھما فلا تقدموھما فتھلکوا ولا تقصروا عنھما فتھلکوا ولا تعلموھم فانھم اعلم عنکم[103] یعنی تم ان دونوں (میرے عترت و قرآن) سے پیش قدمی نہ کرو ورنہ ہلاک ہو گے۔ اور نہ ان کی پیروی میں کوتاہی کرو ورنہ ہلاک ہو گے۔ اور میری عترت اہلبیت کو تم سکھانے کی کوشش نہ کرو۔ کیونکہ وہ تم سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔

ناظرین ان احادیث کے مضمون کو اچھی طرح ذہن میں محفوظ رکھیں کیونکہ آگے چل کر فدک کے مقدمہ میں جب حکومت نے حضرت فاطمہؑ اور حضرت علیؑ کو جھوٹا سمجھا اور لاوارث حدیث ان کو سکھانے کی کوشش کی۔ ہمیں ان احادیث کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

آں حضرتؐ نے یہ بھی فرمایا انا حرب لمن حاربھم وسلم لمن سالمھم[104] میری لڑائی ہے اس سے جو میرے عترت سے لڑتا ہے اور میری صلح ہے اس سے جو میری عترت سے صلح کرتا ہے۔

[103] نورالدین علی بن عبداللہ السمہودی - جواہر العقدین - ابن حجر مکی - صواعق محرقہ الباب الحادی عشر الفصل الاول ص۸۹ - احمد بن الفضل باکثیر - وسیلۃ المآل فی عد مناقب الآل - محمود بن محمد - الشیخانی القادری - صراط سوی فی مناقب آل النبی -
[104] ابن حجر مکی صواعق محرقہ الباب الحادی عشر ص۸۵، ص۸۶ - الحاکم مستدرک جزء ثالث صفحہ ۱۴۹

فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ مجھ سے محبت کرو خدا کی محبت کی وجہ سے اور میری عترت اہلبیت سے محبت کرو میری محبت کی وجہ سے [illegible]

فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ اس قادرِ مطلق کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ جو شخص بھی ہم اہلبیت سے بغض کرے گا خدا اسے دوزخ میں داخل کرے گا۔ [illegible]

باب خانۂ کعبہ کو پکڑ کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہے جو نہیں جانتا وہ معلوم کرے کہ میں ابوذر ہوں۔ میں نے جناب رسول خداؐ کو کہتے ہوئے سُنا ہے کہ میرے اہلبیت کی مثال کشتیٔ نوحؑ کی ہے کہ جو اس پر سوار ہو گیا اُس نے نجات پائی اور جس نے اس سے اعراض کیا وہ غرق ہوا یعنی جس نے اُن سے تمسک کیا اس نے نجات پائی اور جس نے ان سے انحراف کیا وہ غرق ہوا [illegible]

باب یازدہم

حجۃ الوداع

اسلام میں حج اس وقت فرض ہوا ہے کہ جب آں حضرتؐ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف لا چکے تھے۔ ہجرت کے بعد نہ تو آں حضرتؐ نے اور نہ علی مرتضیٰؑ و فاطمہ زہراؑ نے کوئی حج کیا تھا۔ لہذا جناب رسول خداؐ نے ارادہ حج فرمایا اور تمام اطراف و اکناف عرب میں اس آخری حج کی منادی کرا دی گئی۔ ہزاروں آدمی مدینہ سے آں حضرتؐ کے ہمراہ حج پر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ آں حضرتؐ جمعرات اور بقولے ہفتہ ۲۵ ذیقعدہ سنہ ۱۰ھ کو مدینہ منورہ سے حج کے لیے نکلے۔ اس وقت آں حضرتؐ کے ہم رکاب ۹۰ ہزار آدمی تھے لیکن راستے میں بہت سے لوگ شامل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ جب آپ مکہ معظمہ پہنچے ہیں تو

[illegible] حاکم المستدرک الجزء الثالث ص۱۵۰ [illegible] ایضاً [illegible] المستدرک الجزء الثالث ص۱۵۰، ۱۵۱

آپ کے ہمراہ ایک لاکھ بیس ہزار آدمی تھے [illegible] حضرت فاطمہؑ اور ازواج رسولؐ بھی آں حضرتؐ کے ہمراہ تھیں۔ حضرت علیؑ اس وقت یمن میں تھے۔ آں حضرتؐ نے علیؑ کو لکھا کہ حج کے لیے آکر شریک ہو۔ راستہ میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ حضرت عائشہ کا اسباب ہلکا تھا اور ان کا اونٹ جس پر یہ اسباب تھا تیز رفتار تھا۔ حضرت صفیہ کا اسباب بھاری تھا اور اُن کا اونٹ سُست رفتار تھا۔ لہذا اکثر وہ قافلے کے پیچھے رہ جاتا تھا۔ یہ ملاحظہ فرما کر آں حضرتؐ نے حکم دیا کہ حضرت صفیہ کے اسباب کو حضرت عائشہ والے اونٹ پر لاد دیا جائے اور حضرت عائشہ کے اسباب کو حضرت صفیہ والے اونٹ پر رکھ دیا جائے۔ اور آں حضرتؐ نے حضرت عائشہ سے کہا کہ اے ام عبداللہ تیرا اسباب ہلکا تھا اور اونٹ تیز رفتار اور صفیہ کا اسباب بھاری ہے اور اونٹ سُست رفتار، پس ہم نے تیرے اسباب کو صفیہ کے اونٹ پر رکھ دیا ہے۔ اور صفیہ کے اسباب کو تیرے اونٹ پر رکھ دیا ہے۔ اس پر حضرت عائشہ کو بہت غصہ آگیا۔ اور فرمایا "اور آپ کا یہ گمان ہے کہ آپ خدا کے رسول ہیں"۔ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ کیا تم کو اس میں شک ہے کہ میں رسول اللہ ہوں اے ام عبداللہ۔ اس پر حضرت عائشہ نے فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ انصاف نہیں کرتے [illegible] جب آں حضرتؐ مکہ کے قریب پہنچے تو حضرت علیؑ بھی آگئے۔ اور آں حضرتؐ کے ساتھ حج میں شریک ہو گئے۔

اس سفر سے واپسی پر ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کو بمقام غدیر خم آیت یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الایہ نازل ہوئی۔ آپ فوراً وہیں ٹھہر گئے۔ زمین صاف کرائی۔ پالان ہائے شتر کا منبر بنایا۔ اور مشہور اعلان من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ الخ فرمایا۔ اس کا تذکرہ مفصل ہم البلاغ المبین حصہ اول میں کر چکے ہیں۔

[illegible] اعیان الشیعہ [illegible] عاملی الجزء الثانی ص۲۵۱ [illegible] سیرۃ حلبیہ الجزء الثالث ص[illegible]

باب دوازدہم

رحلت رسولؐ

ھذا النبی ولم تخلد لامتہ	لو خلد اللہ خلقا قبلہ خلدا
للموت فینا سہام غیر خاطیۃ	من فاتہ الیوم سہم لم یفتہ غدا

(علیؑ)

اذا مات یوم میت قل ذکرہ	وذکر ابی مذ مات واللہ ازیدا
فلو کانت الدنیا یدوم بقائہا	لکان رسول اللہ فیہا مخلدا

(فاطمہؑ)

شاہ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوت میں تحریر فرماتے ہیں کہ روز دوشنبہ بست و ششم ماہ صفر ۱۱ھ جناب رسول خدا نے تجہیز جیش اسامہ کا حکم دیا۔ روز چہارشنبہ بتاریخ بست و ہشتم ماہ صفر آپ کو مرض اخیر لاحق ہوا لیکن علامہ شبلی کی تحقیق ہے کہ ۱۸ یا ۱۹ صفر ۱۱ھ کو یہ مرض شروع ہوا اور ان کے بموجب روز رحلت یکم ماہ ربیع الاول ۱۱ھ ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ آپ تیرہ ۱۳ دن بیمار رہے۔ مرویات اہلبیت علیہم السلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ آں حضرتؐ نے ۲۸ ماہ صفر ۱۱ھ کو رحلت فرمائی۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ آپ کا مرض ۱۵ ماہ صفر ۱۱ھ کو شروع ہوا۔ مولوی اولاد حیدر صاحب بلگرامی صاحب اسوۃ الرسول نے یکم ربیع الاول ۱۱ھ کو تاریخ رحلت ماننے سے انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ تاریخ دفن ہے۔ انھوں نے ۲۸ صفر ۱۱ھ کو تاریخ رحلت قرار دیا ہے لیکن یہ مانتے ہیں کہ وہ دن دوشنبہ کا تھا جس دن رحلت فرمائی۔ ابن سعد نے ۲ ربیع الاول ۱۱ھ روز دوشنبہ قرار دیا ہے۔ اگر یہ بات ہے تو ۲۸ صفر کو دوشنبہ کا دن نہیں ہوسکتا لیکن جو لوگ ۲۸ صفر کو رحلت کا دن قرار دیتے ہیں وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ دن دوشنبہ کا تھا غرضکہ یہ تو تقریباً متفقہ امت ہے کہ دن دوشنبہ کا تھا۔ تاریخ میں اختلاف ہے بہرصورت

جو بھی تاریخ ہو وہ دن، عترت اہلبیت رسول کے لیے سخت ترین مصیبت کا دن تھا۔ کہ اسی دن سے ان پر مصائب و آلام و ظلم و جور کا وہ سلسلہ شروع ہوا جو اب تک بھی ختم نہیں ہوا۔ ان کی زندگیاں ختم ہوگئیں لیکن مرنے کے بعد بھی ظلموں کا سلسلہ جاری ہے۔ رحلت والے دن آں حضرتؐ نے حضرت علیؑ کو خاص طور سے بلایا۔ وہ کسی کام کے لیے باہر چلے گئے تھے۔ حضرت علیؑ آئے۔ آں حضرتؐ نے اشارہ کیا۔ حضرت علیؑ جھک گئے اور آں حضرتؐ دیر تک حضرت علیؑ سے باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد حضرت علیؑ آں حضرتؐ کے نزدیک بیٹھ گئے۔ مرض پھر تیز ہوگیا۔ جب احتضار کا وقت ہوا تو آں حضرتؐ نے علیؑ سے کہا کہ میرا سر اپنی گود میں لے لو۔ اور جب حکم خدا پورا ہوجائے اور میری روح نکل جائے تو اپنے ہاتھ سے اپنے چہرے کو میرے چہرے سے ملنا۔ اور مجھے قبلہ رُو لٹا دینا۔ اور مجھے نہ چھوڑنا جب تک کہ دفن نہ کرلو۔ پس حضرت علیؑ نے آں حضرتؐ کا سر اپنی گود میں لیا۔ اور آں حضرتؐ بے ہوش ہوگئے [۵۵۰] جناب فاطمہؑ نے گریہ و بکا شروع کیا۔ اور بہت ہی روئیں۔ آں حضرتؐ نے اشارہ سے انھیں اپنے پاس بلایا۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آں حضرتؐ نے اپنے مرض کے آخیر میں فاطمہؑ کو بلا کر کچھ چپکے سے کہا۔ وہ رونے لگیں۔ پھر آں حضرتؐ نے کچھ اور بات کہی تو وہ خوشی سے ہنس پڑیں۔ آں حضرتؐ کے انتقال کے بعد ہم نے فاطمہؑ سے وجہ پوچھی۔ انھوں نے کہا پہلے تو آں حضرتؐ نے کہا تھا کہ میں اس مرض میں انتقال کر جاؤں گا۔ اس پر میں رونے لگی۔ پھر آں حضرتؐ نے فرمایا کہ اہلبیت میں سے سب سے پہلے میں آں حضرتؐ سے جا کر ملوں گی اس پر میں خوش ہوگئی [۵۵۱]

اب حضرت عزرائیل اہلبیت رسالت کی اجازت سے اندر داخل ہوئے۔ اور وہ روح اقدس اپنے رفیق اعلیٰ سے ملاقی ہوگئی۔ گھر میں ایک کہرام مچ گیا۔ ازواج رسولؐ بین کرکے روتی تھیں۔ اور جناب فاطمہؑ کی تو یہ حالت تھی کہ غم کے مارے پچھاڑیں کھاتی تھیں آنسوؤں کی لڑی تھی کہ آنکھوں سے رواں تھی معلوم ہوتا تھا کہ

---

[۵۵۰] اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص۳۸۱، ص۳۸۲ [۵۵۱] مدارج النبوۃ نولکشوری جلد دوم ص۵۵۴، ص۵۵۵۔ طبقات ابن سعد ق ۲ ج ۲ ص۱۰ صحیح بخاری مطبوعہ مصر الجزء الثالث باب المرض النبی ص۲

اب آنسوؤں کے ساتھ روح بھی کھنچ کر چلی آئے گی حسنین علیہم السلام نانا کے جسدِ اقدس سے لپٹ کر پچھاڑیں کھاتے تھے۔ علی مرتضیٰ کی آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی۔ کہتے ہیں کہ اس وقت کے بعد سے پھر کسی نے جنابِ فاطمہؑ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔

یہاں گھر میں یہ کہرام تھا وہاں حضرت عمرؓ خلافت کے انتظام میں لگے ہوئے تھے مشکل یہ آپڑی تھی کہ اُن کے ساتھی حضرت ابو بکر اپنی نئی دُلہن کے گھر محلہ سخ میں تھے۔ اُن کے بغیر کام شروع نہیں ہو سکتا تھا۔ اتنی دیر کے لیے انھوں نے یہ انتظام کیا کہ آں حضرتؐ کی خبرِ مرگ نہ پھیلنے پائے۔ لہذا تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کہ جو یہ کہے گا کہ محمدؐ مر گئے تو میں سر قلم کر دوں گا۔ وہ تو حضرت موسیٰ کی طرح میقات کے لیے تشریف لے گئے ہیں۔ واپس آن کر منافقین کا سر قلم کریں گے۔ حضرت موسیٰ تو میقات کے لیے مع جسم کے تشریف لے گئے تھے۔ یہاں تو مردہ جسم سامنے پڑا ہوا تھا۔ مولوی شبلی کہتے ہیں کہ یہ ایک پالیسی تھی [112] تھوڑی دیر میں حضرت ابو بکر آ گئے۔ اپنا مشہور خطبہ ادا کیا کہ جو خدا کی عبادت کرتا ہے وہ تو جان لے کہ خدا زندہ ہے۔ کبھی نہیں مرے گا۔ اور جو محمدؐ کی پرستش کرتا ہے وہ سمجھ لے کہ محمدؐ مر گئے۔ آؤ چلیں مل کر خلیفہ کا انتخاب کریں کہ ہم اپنے میں سے کسی کو خلیفہ مقرر کریں [113] آں حضرتؐ کی محبت کو پرستش کا نام دینے سے یہ مدعا تھا کہ محبت کا زور زیادہ ہو کر لوگوں کو عترتِ متوفی کی طرف نہ لے جائے۔ خیر یہ سُن کر حضرت عمرؓ کا شرحِ صدر ہو گیا۔ اور وہ دونوں مل کر سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف چلے۔ راستے میں ابو عبیدہ بن الجراح ملے۔ انھیں ساتھ لے لیا اور صرف یہ تین بزرگوار سقیفہ میں پہنچے۔ وہاں جا کر اس طرح خلافت کے لیے لڑائی لڑی ہے کہ بقول مولوی شبلی کے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان پر کوئی حادثہ ہی نہیں پڑا۔ حضرت علیؑ ماتمِ رسول میں آں حضرتؐ کے پلنگ سے لگے بیٹھے رہے۔ جیسا کہ محبت و وفاداری کا تقاضا ہے [114] اس موقع کے متعلق عرفی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

امامیکہ روزِ وفاتِ پیمبر   خلافت گذارد بماتم نشیند

---

[112] الفاروق حصہ اول ص۶۵ [113] صواعق محرقہ المقدمۃ الثانیہ ص۵
[114] الفاروق حصہ اول ص۶۶

مولوی شبلی کی عبارت پر ہم نے "البلاغ المبین حصہ دوم" میں مکمل بحث کی ہے [115] بسترِ مرگ پر آں حضرتؐ نے حدیثِ ثقلین کا اعادہ کیا۔ اور جس دن انتقال ہوا اس دن آخری وصیت جو کی وہ یہ تھی کہ دیکھو میری عترت سے حُسنِ سلوک کرنا۔ قیامت کے دن میں تم سے سوال کروں گا کہ تم نے میری عترت کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا [116] لیکن اُمت نے جو سلوک عترتِ رسولؐ سے آں حضرتؐ کے بعد کیا اور جس طرح دخترِ رسولؐ کو ان کے باپ کا پُرسا دیا وہ بنی نوع انسان کے لیے قیامت تک باعثِ شرم و ذلت اور ابلیس کے لیے موجبِ فخر و مباہات رہے گا۔

دَورانِ مرض میں آں حضرتؐ باری باری سے اپنی ازواج کے گھر میں تشریف لے جاتے تھے لیکن آپ حضرت میمونہ کے گھر میں تھے کہ صاحبِ فراش ہو گئے۔ باقی ایام حضرت عائشہ کے گھر میں گذارے۔ مؤرخ طبری حضرت عائشہ کے گھر میں تشریف لانے کے واقعہ کو اس طرح لکھتا ہے۔

"آپ میمونہ کے گھر میں تھے کہ صاحبِ فراش ہو گئے۔ آپ نے اپنی سب ازواج کو بُلایا اور ان سے اجازت لی کہ آپ کی تیمارداری میرے (حضرت عائشہ کے) گھر پر ہو۔ انھوں نے اس کی اجازت دے دی۔ آپ وہاں اپنے خاندان کے دو شخصوں کے سہارے جن میں ایک فضل بن عباس تھے اور دوسرے ایک اور شخص تھے اس طرح آئے کہ صرف آپ کا قدم زمین پر پڑتا تھا۔ اور سر پر پٹی بندھی تھی اسی طرح میرے گھر آپ آ گئے۔ عبیداللہ سے مروی ہے کہ میں نے عائشہ کی یہ روایت عبداللہ ابن عباس سے بیان کی اور پوچھا کہ یہ دوسرے شخص کون تھے۔ انھوں نے کہا کہ وہ علی ابن ابی طالب تھے۔ جہاں تک بھی ان سے ہو سکتا تھا حضرت عائشہ علی کا ذکرِ خیر کے ساتھ نہیں کرتی تھیں [117]"

اگر منافقین اور کفار یہ کہیں کہ آخری وقت تک آں حضرتؐ کے لیے حُسن و جمال کی جاذبیت نہ تھی۔ تو یہ غلط ہو گا۔ حضرت عائشہ کے یہاں مرض کے آخری دن

---

[115] البلاغ المبین حصہ دوم ص۱۰۸۲ [116] صواعق محرقہ الباب الحادی عشر ص۹۰، ص۱۳۵
[117] تاریخ طبری الجزء الثالث ص۱۹۱

گزارنے میں چند مصلحتیں تھیں۔ اور اس کی وجوہات تھیں۔ (۱) یہ امر واقعہ ہے جیسا کہ حضرت عائشہ نے بیان کیا ہے کہ ازواج رسولؐ دو مخالف جماعتوں میں منقسم تھیں۔ ایک میں حضرت عائشہ، حضرت سودہ اور صفیہ اور دوسری میں حضرت ام سلمہ اور باقی ازواج تھیں۔ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کا مزاج جیسا تھا اس کا تذکرہ قرآن شریف میں آگیا ہے۔ حضرت ام سلمہ اور ان کی جماعت کی ازواج نے تو آں حضرتؐ کو اجازت دے دی کہ حضرت عائشہ کے مکان میں قیام فرمائیں لیکن اگر آں حضرتؐ ام سلمہ کے مکان میں قیام فرمانا چاہتے تو حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کبھی اجازت نہ دیتیں اور ایک تنازعہ پیدا ہو جاتا۔

(۲) آں حضرتؐ کا ارادہ تھا کہ مرض کے آخری ایام میں حضرت علیؑ کے حق میں وصیت تحریر کرائیں گے۔ اگر آں حضرتؐ اپنی دختر یا حضرت ام سلمہ کے گھر میں ہوتے تو مخالفین کہتے کہ آں حضرتؐ پر زور ڈال کر یہ وصیت لکھائی گئی ہے۔ اپنے گھر میں ہوتے ہوئے تو کہہ دیا کہ یہ شخص ہذیان بک رہا ہے۔ اگر دوسرے کے گھر پہ ہوتے تو معلوم نہیں کیا کہتے۔

(۳) آں حضرتؐ جب حضرت عائشہ کے گھر آگئے تو پھر اتنی طاقت نہ رہی تھی کہ دوسرے گھروں پر باری باری سے جاتے۔

یوں تو اہلبیت علیہم السلام میں سے ہر ایک کو جناب رسول خداؐ کی جدائی کا رنج و صدمہ عظیم ہوا لیکن جناب فاطمہؑ کے رنج کی تو کوئی حد ہی نہ تھی۔ اس واقعہ کے بعد کسی نے حضرت فاطمہؑ کو ہنستے ہوئے نہ دیکھا۔ رات دن رونے سے کام تھا۔ ان کے شور بکا سے محلے والے بے چین رہتے تھے۔ انھوں نے حضرت علیؑ کی خدمت میں آن کر عرض کی کہ فاطمہؑ کی گریہ و زاری و شیون سے ہمارا آرام حرام ہو گیا ہے۔ حضرت علیؑ نے جناب فاطمہ کو یہ پیغام بھیجا۔ اس دن سے جناب معصومہ نے جنت البقیع میں ایک جھونپڑی ڈال لی۔ دن کو وہاں چلی جاتی تھیں اور باپ کے فراق میں رویا کرتی تھیں۔

جناب فاطمہؑ نے اپنے والد بزرگوار کے فراق میں جو اشعار کہے ہیں۔ اس کے

ان کے رنج کی گہرائی اور اہلبیت علیہم السلام کی فصاحت و بلاغت زبان کے درجے کی بلندی اچھی طرح نمایاں ہیں۔ آپ فرماتی ہیں ؎

(۱) اذا مات یوم میت قل ذکرہ — وذکر ابی مذمات واللہ ازید
(۲) فذکرت لما فرق الموت بیننا — فعزیت نفسی بالنبی محمد
(۳) فقلت لہا ان الممات سبیلنا — ومن لم یمت فی یوم مات غد

(ترجمہ (۱) جب کوئی مرتا ہے تو مرنے والے کا غم اور اس کی یاد اسی دن سے کم ہونے لگتی ہے لیکن بخدائے لایزال میرے والد کی یاد جس دن سے ان کی رحلت ہوئی ہے روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔

(۲) جب موت نے ہمارے درمیان میں تفرقہ ڈال دیا اسی دن سے میں یاد کرتی ہوں اور اپنے جی کو یہ کہہ کر تعزیت کرتی ہوں کہ

(۳) موت تو ہم سب کا راستہ ہے جو آج نہیں مرا وہ کل مرے گا۔)

پھر فرماتی ہیں ؎

(۱) قل للغیب تحت اطباق الثری — ان کنت تسمع صرختی وندائیا
(۲) صبت علی مصائب لو انہا — صبت علی الایام صرن لیالیا
(۳) قد کنت ذات حمی بظل محمد — لا احتشی ضیما وکان جمالیا
(۴) فالیوم اخشع للذلیل واتقی — ضیمی وارفع ظالمی بردائیا
(۵) فاذا بکت قمریۃ فی لیلہا — شجنا علی غصن بکیت صباحیا
(۶) فلاجعلن الحزن بعدک مونسی — ولاجعلن الدمع فیک وشائیا
(۷) ماذا علی من شم تربۃ احمد — ان لایشم مدی الزمان غوالیا[۱۱۵]

(ترجمہ (۱) کہہ دے مٹی کے تہوں کے نیچے غائب ہونے والے سے کہ کاش تو میری آہ و زاری و نالہ سنتا۔

(۲) میرے اوپر اتنے مصائب پڑے کہ اگر روشن دنوں پر پڑتے تو وہ کالی راتیں بن جاتیں

(۳) میں محمدؐ کے سایہ کے نیچے محفوظ تھی۔ میں کسی ظلم اور ظالم سے نہیں ڈرتی تھی وہ میری مضبوط ڈھال تھے۔

۱۱۵ مناقب ابن شہر آشوب المجلد الاولیٰ صفحہ ۱۳۰، صفحہ ۱۳۱

(۴) اب میں ہر ایک ذلیل کی منت سماجت کرتی ہوں اور اپنے ظالم سے ڈرتی ہوں۔ اس کے ظلم کو اپنی ردا سے دفع کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ (کیونکہ میری تلوار چلی گئی)

(۵) پس جب رات کو قمری درخت کی شاخ پر اندوہگیں ہو کر نالے کرتی ہے تو میں بھی اس کے ساتھ صبح تک روتی ہوں۔

(۶) میں نے تمھارے بعد غم و حزن کو اپنا مونس بنا لیا ہے اور آنکھوں سے جو آنسوؤں کی لڑی جھڑتی ہے۔ وہ میری تلوار ہے۔

(۷) احمد کی قبر کی مٹی سونگھنا میرے اوپر فرض ہو گیا ہے کیونکہ میں اگر اُسے نہ سونگھوں تو ہلاک ہو جاؤں۔ یعنی اس مٹی ہی کی خوشبو سے زندہ ہوں۔

غور و فکر کرنے والا دل چاہیے۔ ایک ایک لفظ میں غم و اندوہ و حزن و ملال کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ پھر اُس پر اُمت کے سلوک اور ان کے مظالم کی طرف جو اشارہ ہے وہ پڑھنے والے کے دل کو اور بھی چاک کر دیتا ہے۔ یہاں تک نوبت آگئی تھی کہ ہر ایک ذلیل کی منت و سماجت کرنی پڑتی تھی۔ اور ظالموں کے ظلم کو روکنے کے لیے کوئی چیز نہ تھی مظلومیت کی آخری حد ہے کہ ان کے ظلم کی تلوار وں کو اپنی ردا سے روکتی ہوں۔ امت نے اس طرح دختر رسولؐ کو ان کے باپ کے مرنے پر تسلی و تشفی دی تھی۔

باب سیزدہم
رحلت محمد صلعم کے ایک ہفتہ کے اندر کے واقعات

یہ مضمون نہایت تکلیف دہ ہے۔ اس کے لیے صرف ابن قتیبہ کی کتاب الامامت والسیاست کے صفحوں کو اُردو میں ترجمہ کرنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں :-

"جب یہ سب متخلفین (حضرت ابوبکر سے بیعت نہ کرنے والے) مسجد میں جمع ہوئے تو ابوبکر، عمر و ابو عبیدہ بن الجراح ان کے پاس آئے جبکہ ابوبکر کی بیعت ہو چکی تھی۔ عمر نے اُن سے کہا کہ میں تم کو یہاں کیوں

جمع دیکھتا ہوں۔ اٹھو اور ابوبکر کی بیعت کرو۔ میں نے اور انصار نے ان کی بیعت کر لی ہے۔ اس پر عثمان ابن عفان اور تمام بنو امیہ نے انکی بیعت کر لی اور پھر سعد و عبدالرحمن اور ان کے ساتھی اٹھے اور انھوں نے بھی بیعت کر لی۔ لیکن حضرت علیؑ و عباس اور جو بنو ہاشم ان کے ساتھ تھے وہ بغیر بیعت کیے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور ان کے ساتھ زبیر ابن العوام بھی چلے گئے۔ پس ان کی طرف حضرت عمر مع ایک جماعت کے جن میں اسید بن حصیر اور سلمہ بن اشیم تھے گئے اور کہا کہ چلو ابوبکر کی بیعت کرو۔ انھوں نے انکار کیا۔ زبیر بن العوام تلوار لے کر نکلے۔ حضرت عمر گھبرا کر لوگوں سے کہنے لگے کہ اس آدمی کو پکڑ لو۔ پس اُن لوگوں نے زبیر کو پکڑ لیا۔ سلمہ بن اشیم نے اُچھل کر تلوار چھین لی اور دیوار سے دے مارا اور زبیر کو پکڑ کر لے گئے اس حالت میں اُس نے بیعت کر لی۔ اور اسی طرح بنو ہاشم نے بھی ماسوائے علی کے بیعت کر لی۔ پھر حضرت علیؑ کو پکڑ کر حضرت ابوبکر کے پاس لائے۔ حضرت علیؑ کہتے جاتے تھے کہ میں خدا کا مطیع بندہ ہوں اور رسول خدا کا بھائی ہوں۔ اُن سے کہا گیا کہ ابوبکر کی بیعت کرو۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ بیعت لینے کا میں تم سے زیادہ مستحق ہوں۔ میں تم سے ہرگز بیعت نہ کروں گا۔ تم کو چاہیے کہ مجھ سے بیعت کر لو۔ تم نے انصار سے یہ امر خلافت اس دلیل و حجت کے ساتھ لیا ہے کہ تم کو رسول خداؐ سے قرابت ہے جو انصار کو حاصل نہ تھی اور اب ہم اہلبیت سے یہ امر خلافت تم غصب کر کے لیتے ہو۔ کیا تم نے انصار سے یہ بحث نہیں کی کہ تم اس امر خلافت کے ان کی نسبت زیادہ مستحق ہو۔ کیونکہ محمد تم میں سے ہیں۔ اس دلیل کو مان کر انھوں نے یہ امر تمھارے سپرد کر دیا۔ اور حکومت تم کو دے دی۔ اب میں تم پر وہی حجت قائم کرتا ہوں جو حجت تم نے انصار پر قائم کی تھی۔ ہم رسول خداؐ کے ان کی حیات و ممات میں ولی و وارث ہیں۔ پس اگر تم محمد اور اسلام پر ایمان لائے ہو تو ہمارے ساتھ انصاف کرو۔ ورنہ تم یہ ظلم جان بوجھ کر کر رہے ہو۔ عمر نے کہا ہم تم کو نہیں چھوڑیں گے

جب تک تم بیعت نہ کرلو گے۔ حضرت علیؑ نے کہا وہ نفع تو حاصل کرلے جس میں تیرا بھی حصہ ہے۔ آج ابو بکر کے لیے تو شدت کرتا ہے تاکہ کل وہ اس کو تیری طرف واپس کردے۔ عمر قسم بخدا میں تیرا قول قبول نہ کروں گا۔ اور ابو بکر کی بیعت نہ کروں گا ۔۔۔۔۔۔ اے گروہ مہاجرین محمد (صلعم) کی ریاست و حکومت کو ان کے گھر سے نکال کر اپنے گھروں کی طرف نہ لے جاؤ۔ اور آں حضرتؐ کے اہلبیت کو ان کے مقام عزت سے نہ ہٹاؤ۔ قسم بخدا اے گروہ مہاجرین ہم تم سب سے اس امر خلافت کے زیادہ مستحق اور حقدار ہیں۔ کیونکہ ہم اہلبیت رسول ہیں۔ اگر کوئی عالم قرآن جاننے والا، فقیہ دین خدا، عالم سنت رسول، صاحب اطلاع امور رعایا، عادل و منصف، رعایا سے ان کی تکالیف دور کرنے والا ہے تو وہ ہم ہیں۔ پس تم اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے اور حق سے بعید ہو جاؤ گے۔ بشیر ابن سعد انصاری نے کہا کہ اے علی اگر انصار تم سے یہ کلام ابو بکر سے بیعت کرنے سے پہلے سنتے تو کبھی تمہاری مخالفت نہ کرتے۔ حضرت علیؑ بغیر بیعت کیے اس مجمع سے واپس آ گئے۔[۱۱۹]

پھر آگے چل کر ابن قتیبہ کہتے ہیں:۔

راوی کہتا ہے کہ ابو بکر نے ان لوگوں کو جنھوں نے ان کی بیعت سے تخلف کیا تھا تلاش کرنا شروع کیا۔ تو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ حضرت علیؑ کے یہاں جمع ہیں۔ پس ان کی طرف حضرت عمر کو بھیجا۔ عمر نے حضرت علیؑ کے گھر پر آن کر آواز دی۔ ان لوگوں نے باہر آنے سے انکار کیا۔ اس پر حضرت عمر نے جلنے والی لکڑیاں منگائیں اور کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں عمر کی جان ہے۔ تم لوگ باہر نکل آؤ۔ ورنہ میں اس گھر کو آگ لگا دوں گا۔ اور وہ لوگ جو اس گھر میں ہیں سب جل جائیں گے۔ لوگوں نے حضرت عمر سے کہا کہ اس گھر میں تو فاطمہ بنت رسولؐ ہیں۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ ہوا کریں مجھے ان کی پرواہ نہیں ہے۔ اس پر وہ سب لوگ سوائے

۱۱۹۔ ابن قتیبہ۔ کتاب الامامۃ والسیاسۃ الجزء الاول صلا، صلا۔ تاریخ حبیب السیر جلد اول جزء چہارم صـ۲

حضرت علیؑ کے باہر نکل آئے اور جاکر بیعت کرلی۔ حضرت علیؑ نے کہا میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن کو جمع نہ کرلوں گا۔ گھر سے باہر نہ نکلوں گا۔ اور نہ اپنے کندھے پر ردا ڈالوں گا۔ حضرت فاطمہؑ اپنے گھر کے دروازے پر آن کر کھڑی ہو گئیں اور فرمایا کہ میں ایسی قوم سے سروکار نہیں رکھتی جو اتنی بدی کرتی ہے۔ تم رسول خداؐ کے جنازے کو ہمارے درمیان میں چھوڑ کر چلے گئے اور اس امر کا خود ہی فیصلہ کرلیا اور ہم کو پوچھا تک نہیں اور ہمارے حق کو ہم سے چھین لیا۔ پھر حضرت عمر واپس آئے۔ اور حضرت ابو بکر سے جاکر کہا کہ تم اس متخلف سے بیعت کیوں نہیں لیتے (حضرت ابو بکر نے اپنا غلام بار بار حضرت علیؑ کے پاس بھیجا۔ وہ نہ آئے تو) پھر حضرت عمر کھڑے ہوئے اور ایک جماعت کو لے کر حضرت فاطمہؑ کے دروازے پر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب حضرت فاطمہؑ نے ان کی آواز سنی تو آواز بلند کرکے فرمایا کہ اے والد بزرگوار، اے رسول خدا ہم کو آپ کے بعد ابن الخطاب اور ابن ابی قحافہ سے کیا کیا مصائب دیکھنے نصیب ہوئے ہیں جب اس جماعت نے حضرت فاطمہؑ کی آواز سنی اور گریہ و زاری ملاحظہ کی تو وہ روتے ہوئے واپس ہو گئے۔ صرف حضرت عمر ایک قلیل جماعت کے ساتھ باقی رہ گئے اور انھوں نے زبردستی حضرت علیؑ کو حضرت فاطمہؑ کے گھر سے نکال لیا اور اُن کو لے کر حضرت ابو بکر کے پاس آئے (اس کے بعد فاضل مؤلف نے حضرت علیؑ و مخالفین کی رد و قدح لکھی ہے اور بیان کیا ہے کہ آخر کار حضرت علیؑ بغیر بیعت کیے ہوئے واپس چلے گئے اور قبر رسولؐ پر جاکر فریاد کی) اس کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے کہا کہ چلو فاطمہ کے پاس چلیں۔ ہم نے ان کو غضبناک کر دیا ہے۔ پس ان دونوں نے حضرت فاطمہؑ کے دروازے پر آکر اندر آنے کی اجازت چاہی۔ حضرت فاطمہؑ نے ان کو اجازت نہ دی تو یہ دونوں حضرت علیؑ کے پاس آئے۔ پس حضرت علیؑ ان کو اندر لے گئے۔ جب وہ دونوں فاطمہؑ کے پاس آکر کھڑے ہوئے تو حضرت فاطمہؑ نے ان کی طرف سے منہ موڑ کر دیوار کی طرف رُخ کر لیا۔ ان دونوں نے آپ پر سلام کیا

تو حضرت فاطمہؑ نے جواب سلام نہ دیا۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ اے رسولؐ کی پیاری بیٹی بخدا مجھے رسول اللہؐ کے قرابتدار۔۔۔۔۔۔۔ اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ جناب فاطمہؑ نے کہا کہ کیا تم دونوں چاہتے ہو کہ میں تمھیں جناب رسولِ خداؐ کی ایسی حدیث سناؤں جو تم جانتے ہو۔ انھوں نے عرض کی کہ ضرور وہ حدیث آپ ہمیں سنائیں۔ حضرت فاطمہؑ نے کہا کہ میں تم دونوں کو قسم دے کر پوچھتی ہوں کہ کیا تم نے جناب رسولِ خداؐ کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ فاطمہ کی خوشنودی میری خوشنودی ہے اور فاطمہ کا غضب میرا غضب ہے۔ پس جس نے میری دختر فاطمہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے فاطمہ کو راضی کیا اس نے مجھے راضی کیا اور جس نے فاطمہ کو غضبناک کیا اور آزردہ کیا اس نے مجھے غضبناک اور آزردہ کیا۔ ان دونوں نے کہا کہ ہاں ہم نے یہ حدیث جنابِ رسولِ خداؐ سے اسی طرح سنی ہے۔ اس پر جناب فاطمہؑ نے فرمایا کہ میں خدا اور اس کے ملائکہ کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے آزردہ کیا اور غضب دلایا۔ اور تم نے مجھے راضی نہیں کیا۔ اور جب میں رسولِ خداؐ سے ملاقات کروں گی تو تم دونوں کی شکایت اُن سے کروں گی۔ حضرت ابوبکر بہت روئے یہاں تک کہ قریب تھا کہ جان نازنیں بدن سے مفارقت کر جائے لیکن حضرت فاطمہؑ کہتی جاتی تھیں کہ قسم بخدا ہر ایک نماز میں جو میں پڑھوں گی تیرے لیے بددعا کروں گی [۱۲۰]

حضرت فاطمہؑ کے گھر کے جلانے کے لیے لکڑیوں کے لے جانے کا واقعہ ہر ایک مورخ نے بیان کیا ہے۔ دیکھو نوٹ [۱۲۱]

---

۱۲۰ کتاب الامامت والسیاست الجزء الاول ص۱۴، ص۱۲۰ [۱۲۱] تاریخ طبری الجزء الثالث ص۱۹۸ تاریخ ابی الفداء الجزء الاول ص۱۵۶، مروج الذہب مسعودی الجزء الثالث ص۲۴۔ الاستیعاب الجزء الاول ذکر عبداللہ بن ابی قحافہ ابوبکر ص۳۶۵۔ اردو ترجمہ ازالۃ الخفاء مقصد دوم ماثر ابوبکر ص۲۲۶ ابن شحنہ کی روضۃ المناظر برحاشیہ جلد یازدہم تاریخ الکامل ص۱۱۲۔ ابن عبد ربہ عقد الفرید جلد ص۱۴۵

باب چہاردہم

خلافت کے ایوانِ عدالت میں دخترِ رسولؐ کے مقدمہ کی سماعت اور اُس کا فیصلہ

جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کی زندگی کا اہم ترین واقعہ قضیۂ فدک ہے۔ اس عالمِ حزن و یاس میں کہ جب آپ کی آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی اور اپنی زندگی ہی دوبھر معلوم ہوتی تھی۔ اس مشکل معاملہ پر غور کرنا اور صحیح راستہ اختیار کرنا معمولی بات نہ تھی۔ فدک جناب فاطمہ کے قبضہ میں تھا۔ حکومت نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اور حضرت فاطمہ کے عمال کو زبردستی بے دخل کر دیا۔ حکامِ خلافت کا جو طرزِ عمل آپ دیکھ چکی تھیں اور جو سلوک انھوں نے آپ کے ساتھ اب تک کیا تھا اس سے ایک معمولی عقل کا آدمی بھی نتیجہ نکال سکتا تھا کہ ان کے دعویٰ کرنے پر بھی وہ لوگ فدک واپس نہ دیں گے۔ باوجود اس کے آپ نے دعویٰ کیا۔ پھر یہ اس زمانے کے رسم و رواج کے مطابق ہوتا اگر آپ گھر پر حضرت عائشہ یا حضرت ابوبکر کے پاس جا کر کہتیں کہ ہمارے لیے یہی ایک ذریعۂ معاش ہے تم نے وہ چھین لیا۔ وہ ہمیں واپس کر دو لیکن آپ نے ایسا نہ کیا بلکہ باضابطہ سرِ دربار لوگوں کی موجودگی میں جا کر دعویٰ کیا اور لوگوں کے سامنے یہ فیصلہ سُنا کہ آلِ رسولؐ جھوٹ بول رہے ہیں۔ آپ نے منفعتِ دنیاوی کے لیے جھوٹا دعویٰ کیا ہے جو ہم خارج کرتے ہیں اور یہی حکومت کی سیاسی شکست تھی۔ ملکی سیاست کا پہلا اور نہایت اہم گُر یہ ہے کہ اپنے دل کی حالت مخالف کو معلوم نہ ہو۔ اپنے دل کی حالت کو ظاہر کر دینا وہ احمقانہ فعل اور مجرمانہ عمل ہے جو سیاسی ضابطہ میں کسی صورت سے قابلِ معافی نہیں۔ اندریں صورت ایسے فریق کی سب سے بڑی فتح یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے حریف کو ایسے قول و فعل پر مجبور کر دے کہ اُسے بغیر دلی حالت ظاہر کیے ہوئے کوئی اور چارہ کار ہی نظر نہ آئے۔

جناب رسولِ خداؐ نے جیش اسامہ میں ان لوگوں کو شامل کر کے حکم دیا کہ فوراً ہم پر چلے جاؤ۔ انھوں نے نافرمانی کی۔ دل کی حالت ظاہر ہوئی۔ پھر آں حضرتؐ نے حکم دیا کہ قلم دوات لاؤ میں ایسی وصیت لکھ دوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اس وقت بھی نافرمانی کی اور ایسے چکرائے کہ یہ کہہ دیا کہ رسول تو ہذیان بک رہا ہے۔ اس سے زیادہ دل کی حالت اور کس طرح ظاہر ہوتی۔ اسی طرح جناب فاطمہؑ نے براہ راست دعویٰ فدک کر کے فریق مخالف کے اصلی مدعا و مقصد کو بے نقاب کر دیا۔ حضرت فاطمہؑ نے خود دربارِ خلافت میں اپنا دعویٰ اصالتاً پیش کر کے بحث کے سارے پہلوؤں کو غیر متعلق بنا دیا۔ اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ان گواہوں کو پیش کر کے جن کی شہادت رسالت کی تصدیق کے لیے خداوند تعالیٰ نے کفار کے سامنے اپنے رسول سے پیش کرائی تھی حکومت کے بچاؤ کے سارے راستے بند کر دیے۔ اب تو صرف ایک ہی سوال رہ گیا تھا۔ بتاؤ تم مجھ کو اور علی اور حسنین کو جھوٹا قرار دیتے ہو یا تسلیم کرتے ہو کہ تم ناحق پر ہو۔ دربارِ خلافت سے دعویٰ خارج ہوا جس کے صریح معنی یہ تھے کہ تم اور تمھارے گواہان جھوٹے ہیں اور کذب کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اس وقت حضرت فاطمہؑ نے نہایت فصیح و بلیغ خطبہ لوگوں کے سامنے ادا فرمایا۔ اور واپس تشریف لے آئیں۔ دیکھنے والی آنکھ اور غور کرنے والا دماغ اور حق کو سمجھنے والا دل چاہیے۔ خود بخود صحیح نتیجے نکلتے آئیں گے۔ اس سے بہتر طریقہ حق کو ظاہر کرنے کا اس صورتِ حالات کے اندر اور کوئی نہ تھا۔ اس نے اس فقرہ حسبنا کتاب اللہ کو بھلا دیا جس کے اوپر فریق مخالف نے اپنی بحث کو قائم کیا تھا اور خود ہی اس فقرہ کی تردید اور کتاب اللہ کی مخالفت کرنے لگے کتاب اللہ کے احکامِ وراثت کو نظرانداز کرنے کے لیے ایک حدیث وضع کرنی پڑی۔ اس مقدمہ کے فیصلہ میں بہت کم عرصہ لگا ہوگا۔ لیکن اس قلیل عرصہ میں روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حق کس طرف تھا۔

اب ہم اس مقدمہ کو عام اصول عدل و انصاف کے مطابق ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

دعویٰ۔ حضرت فاطمہؑ کا دعویٰ یہ تھا کہ جناب رسول خداؐ نے فدک ان کو

ہبہ کر کے دیا ہے۔ اور خمس خیبر و اقطاعِ حوالی مدینہ میں ان کا حصہ بطور وارث کے ہے۔ یعنی ترکۂ رسولِ خدا کی وہ حقدار ہیں[۱۲۲]

عذرِ مدعا علیہ مدعا علیہ نے ہبہ کے متعلق حضرت فاطمہؑ سے کہا کہ ہم تمھارے بیان کو سچا نہیں سمجھتے۔ گواہان پیش کرو۔ وراثت سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے متعلق کہا کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکناہ صدقۃ یعنی ہم گروہ انبیا نہ تو کسی کا ورثہ لیں اور نہ کوئی وارث ہمارا ترکہ لے سکتا ہے۔ ہم جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

ثبوتِ دعویٰ جناب فاطمہؑ نے اپنے دعوائے ہبہ کے ثبوت میں حضرت علیؑ، ام ایمن، حضرت ام کلثوم۔ جناب امام حسنؑ اور جناب امام حسین علیہم السلام کو پیش کیا۔ جنھوں نے بیان دیا کہ واقعی ہمارے روبرو جناب رسولِ خداؐ نے ان اراضیات کو بحق فاطمہؑ ہبہ کر کے قبضہ ان کو دے دیا تھا[۱۲۳]

قبضۂ فدک جناب فاطمہؑ نے دعویٰ کیا تھا کہ آں حضرتؐ نے فدک مجھے ہبہ کر کے دیا ہے۔ اتنا تو وہ بھی جانتی تھیں کہ بغیر قبضہ کے ہبہ نا مکمل ہوتا ہے۔ اگر ان کو قبضہ مل کر ہبہ مکمل نہ ہو گیا ہوتا تو وہ ایسا خلافِ واقعہ امر نہ بیان فرماتیں جو سب کے علم میں اس وقت غلط ہوتا۔ علاوہ اس کے اگر حضرت فاطمہؑ کا قبضہ نہ ہوتا تو حضرت ابو بکر کو شہادت طلب کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ فوراً فرما دیتے کہ ہبہ نامکمل تھا۔ کیونکہ تمھارا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ حضرت ابو بکر کے عذرات میں عدمِ قبضہ کا عذر نہ ہونا۔ صاف دلیل ہے اس بات کی کہ جناب فاطمہؑ کا قبضہ تھا۔ بہت سی روایات میں ہے کہ ان ابا بکر انتزع من فاطمۃ فدک یعنی ابو بکر نے حضرت فاطمہؑ سے فدک کا قبضہ چھین لیا[۱۲۴] حضرت علی مرتضیٰؑ نے

[۱۲۲] صحیح بخاری کتاب الخمس باب فرض الخمس مطبوعہ مصر الجزء الثانی ص۱۲۶۔ فتوح البلدان بلاذری مطبوعہ ۱۳۵۰ھ ص۴۴، ص۴۵ وغیرہ وغیرہ [۱۲۳] صواعق محرقہ ابن حجر مکی باب الاول فصل الخامس ص۲۲۔ وفاء الوفا سید نور الدین سمہودی الجزء الثانی باب السادس فصل الثانی ص۱۵۶۔ شرح مواقف کتاب الاکفاء الایراہیم بن عبداللہ الیمانی۔ [۱۲۴] وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ الجزء الثانی باب السادس ص۱۶۱

اپنے عامل کو لکھا:۔

بلی کانت فی ایدینا فدک من کل ما اظلتہ السماء فشحت علیھا نفوس قوم وسخت عنھا نفوس اخرین نعم الحکم اللہ ۱۲۵	ہاں فدک ہمارے قبضۂ خاص میں تھا ہمارے سوائے آسمان کے نیچے جو بھی ہے اس کا فدک سے کچھ تعلق نہ تھا پس قوم کے چند لوگوں نے اس کی بابت بخل کیا اور بہتوں کے دل میں آگ لگی اور ہم سے چھین لیا مگر سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا خدا ہے۔

قبضہ کا تنازعہ تو خود حضرت عمر کے قول سے طے ہو جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں ثم توفی اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابوبکر انا ولی رسول اللہ فقبضھا ابوبکر (صحیح بخاری باب الخمس و باب المغازی قول عمر الفاروق حصہ دوم ۲۵۸)

(ترجمہ:۔ پھر خداوند تعالیٰ نے ...... اپنے نبی کو اپنے جوار رحمت میں بلا لیا۔ پس ابوبکر نے کہا کہ میں رسول خدا کا ولی ہوں اس بنا پر فدک کو انھوں نے اپنے قبضہ میں لے لیا۔)

حصول ملکیت فدک

خداوند تعالیٰ نے یہ اصول مقرر فرمایا کہ جو ملک یا جاگیر یا مال غنیمت مسلمانوں کی مشترکہ جد وجہد سے حاصل ہو اس میں مسلمانوں کا حصہ ہے۔ لیکن جو زمین یا جائداد جناب رسول خدا کو بغیر مسلمانوں کی امداد کے حاصل ہو جائے وہ محض جناب رسول خدا کی ملکیت ہوگی۔ اس میں مسلمانوں کا حصہ نہیں ہے۔ یہ قاعدہ ان الفاظ میں مقرر کیا گیا تھا۔

وما افاء اللہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء واللہ علی کل شیٔ قدیر۔

(ترجمہ:۔ اور جو مال حق تعالیٰ نے اپنے رسول کو لڑائی کے بغیر عنایت کیا ہے۔ اس پر نہ تم نے گھوڑے دوڑائے ہیں اور نہ اونٹ۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے۔)

اب دیکھیں فدک کس طرح حاصل ہوا تھا۔ خیبر سے واپسی کے وقت جناب رسول خدا نے محیصہ بن مسعود الانصاری کو اہل فدک کے پاس دعوت اسلام دینے کے لیے بھیجا

۱۲۵ نہج البلاغہ مطبوعہ مصر الجزء الثانی ص ۹۰

پس ان لوگوں نے جناب رسول خدا کو نصف اراضی فدک دے کر مصالحت کر لی۔ اور آں حضرت نے اس کو منظور کر لیا۔ پس یہ نصف فدک خاص جناب رسول خدا کی ملکیت تھا۔ کیونکہ اس کے حصول کے لیے مسلمانوں نے اونٹ گھوڑے نہیں دوڑائے تھے۔ (یہ فتوح البلدان کی عبارت کا ترجمہ ہے۔) ۱۲۶

خود حضرت عمر اس کو جناب رسول خدا کی ملکیت بلا شرکت غیرے سمجھتے تھے۔ چنانچہ مولوی شبلی تک نے اس کو تسلیم کیا ہے۔ ہم "الفاروق" سے مولوی شبلی کی عبارت نقل کرتے ہیں:۔

"اس آیت سے پہلے جو آیت ہے اس سے فدک وغیرہ کا آں حضرت کی خاص جائداد ہونا ثابت ہے اور خود حضرت عمر اس کے یہی معنی قرار دیتے تھے۔ آیت یہ ہے:۔ وما افاء اللہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء چنانچہ حضرت عمر نے اس آیت کو پڑھ کر کہا تھا کہ فکانت خالصۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ واقعہ صحیح بخاری باب الخمس اور باب المغازی اور باب المیراث میں بہ تفصیل مذکور ہے" ۱۲۷

حضرت ابوبکر بھی ان اراضیات کو خاص جائداد جناب رسول خدا کی سمجھتے تھے جب ہی تو لا نورث ولا نورث کی لاوارث حدیث پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

تنقیحات فیصلہ طلب

ایسے مقدمات میں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ امور متنازعہ کیا ہیں اور ان کے ثابت کرنے کا بار کس کے اوپر ہے اور کس کو اپنا ثبوت پیش کرنا چاہیے۔ بار ثبوت کسی امر متنازعہ کا اس کے اوپر ہوتا ہے جس کا دعویٰ یا عذر ثبوت چاہتا ہے یعنی اگر کوئی ثبوت پیش نہ ہو تو اس کا دعویٰ یا عذر باطل سمجھا جائے گا۔ اس تنازعہ میں قرآن شریف کے

۱۲۶ ابوالحسن البلاذری۔ فتوح البلدان ص ۴۲، ۴۳۔ حسین دیار بکری تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص ۶۴۔ ابن الاثیر تاریخ الکامل الجزء الثانی ص ۸۵۔ تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۹۵، ص ۹۶۔ سہیلی روض الانف الجزء الثانی ص ۲۴۷۔ الفاروق حصہ دوم ص ۲۵۶، ص ۲۵۷۔ ابن ہشام سیرۃ النبی الجزء الثالث ص ۴۰۸

۱۲۷ الفاروق۔ مطبوعہ مفید عام آگرہ حصہ دوم ص ۲۵۶، ص ۲۵۷

احکامات جناب فاطمہ علیہا السلام کے حق میں تھے لہذا اس کے قانون وراثت میں کوئی استثنا جائدادِ رسول کے متعلق نہیں ہے۔ لہذا وراثت کے مقدمہ میں تو مندرجہ ذیل امور تنقیح طلب پیدا ہوتے ہیں۔ اور وہ سب بذمہ مدعا علیہ ہیں:-

۱۔ کیا حضرت فاطمہؑ کو ان کے والد بزرگوار کا ورثہ نہیں پہنچتا تھا اور شرعی و قرآنی قانون وراثت ان پر حاوی نہ تھا۔ ثبوت بذمہ مدعا علیہ (حضرت ابوبکر)

۲۔ اگر جناب فاطمہؑ کے لیے قرآن شریف کا قانونِ وراثت منسوخ ہو گیا تھا تو کیوں منسوخ ہوا اور کس نے منسوخ کیا۔ ثبوت بذمہ مدعا علیہ (حضرت ابوبکر)

۳۔ کیا مفروضہ روایت لا نورث ولا نورث واقعی کلامِ رسولؐ تھا۔ ثبوت بذمہ مدعا علیہ۔ (حضرت ابوبکر)

۴۔ (أ) کیا جناب رسول خداؐ نے اس اہم تنسیخ آیات قرآنی کا اعلان کیا۔ کب کیا۔ کس طرح اور کس موقع پر کیا؟ ثبوت بذمہ مدعا علیہ۔ (حضرت ابوبکر)

(ب) کیا یہ روایت قرآن شریف کے قانون وراثت کو منسوخ کر سکتی تھی..... ثبوت بذمہ مدعا علیہ۔ (حضرت ابوبکر)

ہبہ کے مقدمہ میں بھی تنقیح کا بارِ ثبوت بذمہ مدعا علیہ ہوتا۔ اگر مدعا علیہ نے اپنی حکومت کی طاقت سے حضرت فاطمہؑ کو بے دخل نہ کر دیا ہوتا۔ اس صورت میں حکومت کو قبضہ کا دعویٰ کرنا پڑتا۔ اور تنقیح یہ ہوتی:-

۱۔ کیا حضرت فاطمہؑ کا قبضہ ناجائز ہے۔ اور جناب رسولِ خداؐ نے ان کو فدک ہبہ کر کے نہیں دیا۔ لیکن اب چونکہ حضرت فاطمہؑ کو دعویٰ کرنا پڑا۔ اور قبضہ حاصل کرنا پڑا تو تنقیح فیصلہ طلب یہ ہوئی:-

۱۔ کیا جناب رسولِ خدا نے یہ جائداد بحق مدعیہ (دختر خود) ہبہ کر دی تھی..... بارِ ثبوت بذمہ مدعیہ۔

عام مقدمات میں تو اب بھی بارِ ثبوت بذمہ حکومت ہی ہونا چاہیے۔ کیونکہ محض مقدمہ کی خاطر ناجائز طور سے مدعیہ کو بیدخل کر کے اسے دعویٰ کرنے پر مجبور کرنے سے بارِ ثبوت نہیں بدلتا۔

اس سارے قضیہ میں زیادہ سے زیادہ حضرت فاطمہؑ کو محض ہبہ کا ثبوت دینا تھا۔

باقی سب تنقیحات بذمہ حضرت ابوبکر تھیں وہ نہ بتا سکے کہ قانون وراثت کیونکر منسوخ ہوا۔ لاوارث حدیث کو کیوں نہ مجمع عام میں مسجد میں پیش کیا۔ سارے قرائن اس حدیث کی صحت کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ ہم ابھی بیان کرتے ہیں۔

ثبوت ہبہ حضرت علیؑ و حسنینؑ و حضرت فاطمہؑ کے بیانات سے زیادہ وقعت دار اور کیا ثبوت ہو سکتا تھا کہ جس سے یہ ثابت ہوتا۔

البزار۔ ابویعلی۔ ابن ابی حاتم و ابن مردویہ ابوسعید الخدری سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وآت ذالقربی حقه تو جناب رسول خداؐ نے فاطمہؑ کو بلایا اور فدک ان کو ہبہ کر دیا اور ابن مردویہ نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وآت ذالقربی حقه تو جناب رسول خداؐ نے فدک جناب فاطمہ کو ہبہ کر دیا۔ بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ایک وثیقہ ہبہ کا جناب فاطمہ و حسنین علیہم السلام کے حق میں لکھ دیا۔ اور یہ وہی وثیقہ تھا جو حضرت معصومہ دربار خلافت میں لائیں۔ اور پیش کیا [۱۲۹]

حضرت فاطمہ علیہا السلام کی بحث

جب دوران مقدمہ میں حضرت فاطمہؑ نے جناب ابوبکر کے عذرات سنے (کیونکہ وہ خود ہی مدعا علیہ تھے۔ مدعا علیہ کی طرح عذرات پیش کرتے جاتے تھے اور خود ہی فیصلہ کرنے والے تھے) تو جناب فاطمہؑ نے سوال کیا کہ جب تم مر جاؤ گے تو تمہاری جائداد کون لے گا؟ حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ میری اولاد۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ وائے ہو تم پر۔ تمہارا ورثہ تو تمہاری اولاد لے۔ اور میں اپنے باپ کا ورثہ نہ پاؤں۔ یہ لاوارث حدیث محض تمہاری بناوٹ ہے۔ اگر یہ جناب رسول خدا کا کلام ہوتا تو سب سے پہلے آں حضرتؐ اس کا ذکر ہم سے کرتے۔ قرآن شریف میں ہے وورث سلیمان داؤد اور حضرت ذکریاؑ کی دعا

[۱۲۸] جلال الدین سیوطی۔ کتاب الدر المنثور الجزء الرابع ص۱۷۷ [۱۲۹] تاریخ حبیب السیر جلد اول جزو سوم ص۸۵۔ ملا معینؒ کاشفی۔ معارج النبوۃ رکن چہارم باب دہم در بیان وقائع سال ہفتم از ہجرت، واقعہ سیزدہم

قرآن شریف میں اس طرح ہے وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَائِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ اور یہ علیؑ و حسنینؑ وہی ہیں جن کو روز مباہلہ رسالت محمدیہ اور خلقت عیسیٰ کی شہادت کے لیے خداوند تعالیٰ کے حکم سے پیش کیا گیا تھا۔ آج ان کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ۱۳۰؎

حضرت ابوبکر کا فیصلہ

حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہؑ کی بحث کو صحیح تسلیم کر کے جناب فاطمہؑ کے حق میں فدک وغیرہ اراضیات کا وثیقہ لکھ دیا۔ اس وثیقہ کو لے کر آپ چلنے لگی تھیں کہ حضرت عمر تشریف لے آئے اور حضرت فاطمہؑ سے وہ وثیقہ لے کر چاک کر ڈالا اور حضرت ابوبکر سے کہا کہ جناب فاطمہؑ کا مقدمہ خارج کر دو ۱۳۱؎ چنانچہ حضرت ابوبکر نے یہ کہہ کر مقدمہ خارج کر دیا کہ نصاب پورا نہیں ہوا۔ اور حدیث لانورث مانع حصول ورثہ ہے۔

اس فیصلہ کی حمایت

اس فیصلہ کی حمایت اس طرح کی جاتی ہے کہ نصاب شہادت پورا نہیں ہوا۔ شوہر کی گواہی اپنی زوجہ کے حق میں اور اولاد کی گواہی اپنے والدین کے حق میں قابل قبول نہیں ہے۔ بلکہ باطل ہے۔ رسول خداؐ نے فرمایا تھا کہ ہم انبیاء نہ تو ورثہ لیں اور نہ ہم سے کوئی ورثہ لے۔ ہم جو چھوڑتے ہیں وہ امت کے لیے ہوتا ہے۔ ہبہ ثابت نہیں۔ ورثہ ملتا نہیں لہذا دعویٰ درست طور پر خارج ہوا ۱۳۲؎

حضرت ابوبکر کا قضایا فیصلہ کرنے کا معمولی طریقہ

اس سلسلہ میں یہ معلوم کرنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ حضرت ابوبکر عام طور سے ایسے تنازعات کس طرح فیصلہ کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر کے زمانے میں مدینہ میں چند اصحاب مقرر تھے۔ جو مقدمات فیصلہ کیا کرتے تھے ۱۳۳؎ ان کے علاوہ حضرت ابوبکر بھی مقدمات فیصلہ کیا کرتے تھے۔ لیکن

۱۳۰؎ طبقات ابن سعد ج ۲ ق ۲ صفحہ ۳۔ تاریخ طبری الجزء الثالث صفحہ ۲۰۲ ۱۳۱؎ علی بن برہان الدین۔ انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون الجزء الثالث صفحہ ۴۰۰ مطبوعہ مصر ۱۳۲؎ ابن حجر مکی صواعق محرقہ باب الاول فصل الخامس صفحہ ۲۳، نورالدین سمہودی وفاء الوفا الجزء الثانی باب السادس فصل الرابع صفحہ ۱۵۷ ۱۳۳؎ تاریخ طبری الجزء الرابع صفحہ ۵

وہ اس طرح کہ مسجد میں بیٹھ گئے۔ اکابر صحابہ کو بلا لیا۔ اور ان کے مشورے سے مقدمات فیصلہ کر دیے ۱۳۴؎

صحابہ کے اس قسم کے دعاوی حضرت ابوبکر کس طرح فیصلہ کرتے تھے

جب بحرین کا مال آیا تو حضرت ابوبکر نے عام منادی کرا دی جس جس سے جناب رسول خداؐ نے جو کچھ وعدہ فرمایا ہے وہ میرے پاس آن کر لے لے۔ جابر کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ جناب رسول خداؐ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر بحرین کا مال آیا تو ہم تم کو اتنا اتنا اور اتنا دیں گے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے مجھ سے کہا کہ اس مال میں سے ایک لپ بھر لو۔ میں نے ایک لپ بھر لی تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ اس کو شمار کرو۔ میں نے شمار کیا تو وہ پانچ صد تھے۔ پس حضرت ابوبکر نے مجھ کو پندرہ صد عنایت کیے ۱۳۵؎ زنباع والد ابی روح نے اپنے غلام کی ناک کاٹ ڈالی۔ جناب رسول خداؐ کے انتقال کے بعد وہ غلام حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور دعویٰ کیا کہ جناب رسول خداؐ نے میری کٹی ہوئی ناک دیکھ کر اور میرا حال سن کر فرمایا تھا کہ جا تو آزاد ہے۔ میں نے پوچھا کہ میں اپنے تئیں کس کا آزاد کردہ غلام ہوں۔ تو آں حضرتؐ نے فرمایا تھا کہ خدا و رسول کا۔ حضرت ابوبکر نے اس سے کچھ گواہ شاہد نہیں مانگے۔ اور محض اس کے بیان کو سچا تسلیم کر کے اس کا اور اس کے اہل و عیال کا نان و نفقہ مقرر کر دیا۔ جب حضرت ابوبکر کا انتقال ہو گیا تو وہی غلام حضرت عمر کے پاس آیا۔ اور یہی دعویٰ پیش کیا۔ انھوں نے فوراً پوچھا کہ تو کہاں کی جاگیر چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ مصر کی جاگیر چاہتا ہوں حضرت عمر نے فوراً عامل مصر کو لکھا کہ اس کو مصر میں جاگیر دے دے۔ چنانچہ اس کو مصر کی جاگیر مل گئی۔ نہ کسی نے گواہ مانگا نہ شاہد طلب کیا۔ زنباع نے اس کی ناک اس وجہ سے کاٹی تھی کہ وہ اس کی لونڈی سے زنا کرتا ہوا پایا گیا تھا ۱۳۶؎ نہ تو

۱۳۴؎ طبقات ابن سعد جلد ۲ ق ۲ صفحہ ۱۰۹ ۱۳۵؎ صحیح بخاری میں کتاب الخمس باب ما اقطع النبی من البحرین او عد من مال البحرین الجزء الثانی صفحہ ۱۳۵۔ طبقات ابن سعد جلد ق ۲ صفحہ ۸۸ ۱۳۶؎ مسند امام احمد حنبل الجزء الثانی صفحہ ۲۲ الجزء الاول صفحہ ۳۳ الجزء الثالث صفحہ ۲۸۵، صفحہ ۱۵۹، صفحہ ۲۵۱، الجزء الرابع صفحہ ۵، صفحہ ۱۰۴ الجزء السادس صفحہ ۲۹۲، صفحہ ۱۹۶، صفحہ ۲۹۵، صفحہ ۲۰۳

جابر ابن عبداللہ سے اور نہ اس زانی غلام سے گواہ و ثبوت مانگا گیا، وہ ایسے سچے سمجھے گئے کہ محض ان کا بیان ہی ان کے دعوے کے ثبوت کے لیے کافی ہوا۔ لیکن حضرت فاطمہؑ کے بیان کو سچا نہ مانا گیا اور گواہان طلب ہوئے اور فیصلہ کیا گیا کہ وہ گواہان یعنی حضرت علیؑ و حسنین معاذ اللہ قابلِ اعتبار نہیں۔ رشتہ داری و جلب منفعت کی وجہ سے حق نہیں بول رہے ہیں۔

حکومت کا سلوک دیگر موہوب الیہم کے ساتھ

یہودان بنی نضیر کی بھی آراضیات ایسی ہی تھیں کہ جن کو عام مسلمانوں نے بذریعہ فوج کشی فتح نہیں کیا تھا۔ بلکہ بذریعہ صلح انھوں نے یہ آراضیات جناب رسولِ خداؐ کے حوالے کی تھیں۔ ان آراضیات میں سے جناب رسول خداؐ نے اسی طرح آراضیات حضرت ابوبکر و عبدالرحمٰن بن عوف و ابودجانہ، سماک بن خرشہ الساعدی اور دیگر صحابہ کے حق میں ہبہ کی تھیں ۱۳۷؎ حکومت کو چاہیے تھا کہ فدک کی طرح ان پر بھی قبضہ کر لیا جاتا اور جب یہ لوگ دعویٰ کرتے تو پھر ان سے بھی گواہ و شاہد طلب کیے جاتے۔ اگر علی و حسنین علیہم السلام سے بہتر گواہ لاتے تو ان کی آراضیات واپس کر دیتے ورنہ وہ بھی فدک کی طرح اپنے قبضے میں کر لیتے۔ اور ان کے دعاوی خارج کرتے۔

مقدمہ فدک میں قرآن و احادیث رسولؐ کی توہین

یہ متفقہ امت اسلامیہ ہے کہ آیۂ تطہیر میں حضرت علی حضرت فاطمہ اور جناب حسنین علیہم السلام شامل ہیں لیکن فدک کے قضیہ کا فیصلہ اس نتیجہ پر مبنی ہے کہ خداوند تعالیٰ میں ان بزرگواروں کو مطہر کرنے کی قدرت نہ تھی۔ اور وہ اپنے اس ارادہ میں کامیاب نہ ہوا۔ ان میں سے ایک نے جھوٹا دعویٰ کیا باقیوں نے جھوٹی گواہی دی۔ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا تھا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس شہر کا دروازہ ہے۔ جو شخص علم حاصل کرنا چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ

۱۳۶؎ بخاری۔ الاستیعاب ابن عبدالبر الجزء الثانی ترجمہ علی ص۔ مسند ابوداؤد طیالسی الجزء الثامن ص۲۷۴ حدیث ۲۵۵۔ اشعۃ اللمعات شیخ عبدالحق محدث دہلوی جلد چہارم ص۳۷۵، ص۳۷۹۔ موطا۔ امام مالک وغیرہ وغیرہ ۱۳۷؎ فتوح البلدان بلاذری ص۲۱، ص۳۴

اس دروازے پر حاضر ہو ۱۳۸؎ اس مقدمۂ فدک کے فیصلہ سے ظاہر ہوا کہ معاذ اللہ علیؑ میں فقہ کا اتنا علم بھی نہ تھا کہ نصاب شہادت معلوم ہوتا اور یہ معلوم ہوتا کہ انبیاء علیہم السلام کا ترکہ ورثہ میں تقسیم نہیں ہوتا۔ ان بزرگواروں کو اتنا بھی نہ معلوم تھا کہ شوہر کی گواہی زوجہ کے حق میں اور اولاد کی گواہی والدین کے حق میں بروئے فقہ اسلامی قابل قبول نہیں۔ اور رہا تو جناب رسول خداؐ نے لاوارث حدیث اپنے ورثہ کو نہ بتائی یا ان ورثاء یعنی حضرت فاطمہ و علی و حسنین علیہم السلام نے عمداً اسے چھپایا۔ صورتِ اولیٰ میں جناب رسول خداؐ کی توہین ہوتی ہے۔ اور صورت دوم میں آیۂ تطہیر پر حرف آتا ہے۔

حضرت فاطمہؑ کا خطبہ

جس جرأت و دلیری کے ساتھ حضرت فاطمہؑ نے اپنے اس فعل سے حق کی تبلیغ اور باطل کی تکذیب کی ہے اس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی حضرت ابوبکر کا یہ فیصلہ سُننے کے بعد حضرت فاطمہؑ نے مہاجرین و انصار میں ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ ادا فرمایا۔ اس خطبہ نے معاندین کے سینوں میں ایسی ہی کاری ضرب لگائی جیسی کہ ذوالفقار میدان جنگ میں کفار کے سینوں میں لگاتی تھی۔ اس خطبہ کے متعلق کشف الغمہ میں درج ہے:۔

"یہ خطبہ بہترین اور عجیب خطبوں میں سے ہے جس پر نورِ نبوت کا غازہ ہے اور شبنم رسالت کی خوشبو۔ اس خطبہ کو موافق و مخالف سب نے اپنے تصانیف میں ذکر کیا ہے اور میں (صاحب کشف الغمہ) نے اُسے ابوبکر احمد بن عبدالعزیز جوہری کی کتاب سقیفہ کے اس قدیم نسخہ سے نقل کیا ہے جو اس نے مؤلف کی خدمت میں ماہ ربیع الاول ۳۲۲ھ میں پڑھ کر بغرض تصحیح سنایا گیا تھا اور اس خطبہ کو جوہری نے اپنے رجال کے مختلف طریقوں سے ثابت کیا ہے"۔

اس خطبہ کو جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اپنی کتاب شافی میں درج کیا ہے

۱۳۸؎ مستدرک الجزء الثالث ص۱۲۶، ص۱۲۷ الاستیعاب الجزء الثانی ترجمہ علی ص۴۷۴، ص۴۷۵۔ ریاض النضرہ الجزء الثالث الباب الرابع فصل السادس ص۱۹۳۔ حیوٰۃ الحیوان الجزء الاولیٰ ص۵۵۔ اشعۃ اللمعات شیخ عبدالحق جلد چہارم ص۳۶۹۔ البدایہ والنہایہ فی التاریخ الجزء السابع ص۳۵۸، ص۳۵۹ وغیرہ وغیرہ

جابر ابن عبداللہ سے اور نہ اس زانی غلام سے گواہ و ثبوت مانگا گیا، وہ ایسے سچے سمجھے گئے کہ محض ان کا بیان ہی ان کے دعوے کے ثبوت کے لیے کافی ہوا۔ لیکن حضرت فاطمہؑ کے بیان کو سچا نہ مانا گیا اور گواہان طلب ہوئے اور فیصلہ کیا گیا کہ وہ گواہان یعنی حضرت علیؑ و حسنین معاذ اللہ قابلِ اعتبار نہیں۔ رشتہ داری و جلب منفعت کی وجہ سے حق نہیں بول رہے ہیں۔

حکومت کا سلوک دیگر موہوب الیہم کے ساتھ

یہودان بنی نضیر کی بھی آراضیات ایسی ہی تھیں کہ جن کو عام مسلمانوں نے بذریعہ فوج کشی فتح نہیں کیا تھا۔ بلکہ بذریعہ صلح انھوں نے یہ آراضیات جناب رسولِ خداؐ کے حوالے کی تھیں۔ ان آراضیات میں سے جناب رسول خداؐ نے اسی طرح آراضیات حضرت ابوبکر و عبدالرحمٰن بن عوف و ابودجانہ، سماک بن خرشہ الساعدی اور دیگر صحابہ کے حق میں ہبہ کی تھیں ۱۳۷ھ حکومت کو چاہیے تھا کہ فدک کی طرح ان پر بھی قبضہ کر لیا جاتا اور جب یہ لوگ دعویٰ کرتے تو پھر ان سے بھی گواہ و شاہد طلب کیے جاتے۔ اگر علی و حسنین علیہم السلام سے بہتر گواہ لاتے تو ان کی آراضیات واپس کر دیتے ورنہ وہ بھی فدک کی طرح اپنے قبضے میں کر لیتے۔ اور ان کے دعاوی خارج کرتے۔

مقدمہ فدک میں قرآنؐ و احادیث رسولؐ کی توہین

یہ متفقہ امت اسلامیہ ہے کہ آیۂ تطہیر میں حضرت علی حضرت فاطمہ اور جناب حسنین علیہم السلام شامل ہیں۔ لیکن فدک کے قضیہ کا فیصلہ اس نتیجہ پر مبنی ہے کہ خداوند تعالیٰ میں ان بزرگواروں کو مطہر کرنے کی قدرت نہ تھی۔ اور وہ اپنے اس ارادہ میں کامیاب نہ ہوا۔ ان میں سے ایک نے جھوٹا دعویٰ کیا باقیوں نے جھوٹی گواہی دی۔ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا تھا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس شہر کا دروازہ ہے۔ جو شخص علم حاصل کرنا چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ

۱۳۶ھ بخاری۔ الاستیعاب ابن عبدالبر الجزء الثانی ترجمہ علی ص۔۔ مسند ابوداؤد طیالسی الجزء الثامن ص۲۷۴ حدیث ۲۵۵۔ اشعۃ اللمعات شیخ عبدالحق محدث دہلوی جلد چہارم ص۳۷۵، ص۳۷۹۔ موطا۔ امام مالک وغیرہ وغیرہ ۱۳۷ھ فتوح البلدان بلاذری ص۲۱، ص۳۴

اس دروازے پر حاضر ہو ۱۳۸ھ اس مقدمۂ فدک کے فیصلہ سے ظاہر ہوا کہ معاذ اللہ علیؑ میں فقہ کا اتنا علم بھی نہ تھا کہ نصاب شہادت معلوم ہوتا اور یہ معلوم ہوتا کہ انبیا علیہم السلام کا ترکہ ورثہ میں تقسیم نہیں ہوتا۔ ان بزرگواروں کو اتنا بھی نہ معلوم تھا کہ شوہر کی گواہی زوجہ کے حق میں اور اولاد کی گواہی والدین کے حق میں بروے فقہ اسلامی قابل قبول نہیں۔ اور رہا تو جناب رسول خداؐ نے لا وارث حدیث اپنے ورثہ کو نہ بتائی یا ان ورثا یعنی حضرت فاطمہ و علی و حسنین علیہم السلام نے عمداً اسے چھپایا۔ صورتِ اولیٰ میں جناب رسول خداؐ کی توہین ہوتی ہے۔ اور صورت دوم میں آیۂ تطہیر پر حرف آتا ہے۔

حضرت فاطمہؑ کا خطبہ

جس جرأت و دلیری کے ساتھ حضرت فاطمہؑ نے اپنے اس فعل سے حق کی تبلیغ اور باطل کی تکذیب کی ہے اس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ حضرت ابوبکر کا یہ فیصلہ سُننے کے بعد حضرت فاطمہؑ نے مہاجرین و انصار میں ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ ادا فرمایا۔ اس خطبہ نے معاندین کے سینوں میں ایسی ہی کاری ضرب لگائی جیسی کہ ذوالفقار میدان جنگ میں کفار کے سینوں میں لگاتی تھی۔ اس خطبہ کے متعلق کشف الغمہ میں درج ہے:۔

"یہ خطبہ بہترین اور عجیب خطبوں میں سے ہے جس پر نورِ نبوت کا غازہ ہے اور شبنم رسالت کی خوشبو۔ اس خطبہ کو موافق و مخالف سب نے اپنے تصانیف میں ذکر کیا ہے اور میں (صاحب کشف الغمہ) نے اُسے ابوبکر احمد بن عبدالعزیز جوہری کی کتابِ سقیفہ کے اس قدیم نسخہ سے نقل کیا ہے جو اس نے مؤلف کی خدمت میں ماہ ربیع الاول ۳۲۲ھ میں پڑھ کر بغرض تصحیح سنایا گیا تھا اور اس خطبہ کو جوہری نے اپنے رجال کے مختلف طریقوں سے ثابت کیا ہے"۔

اس خطبہ کو جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اپنی کتاب شافی میں درج کیا ہے

۱۳۸ھ مستدرک الجزء الثالث ص۱۲۶، ص۱۲۷ الاستیعاب الجزء الثانی ترجمہ علی ص۴۷۴، ص۴۷۵۔ ریاض النضرہ الجزء الثالث الباب الرابع فصل السادس ص۱۹۳۔ حیوٰۃ الحیوان الجزء الاولیٰ ص۵۵۔ اشعۃ اللمعات شیخ عبدالحق جلد چہارم ص۳۶۹۔ البدایہ والنہایہ فی التاریخ الجزء السابع ص۳۵۸، ص۳۵۹ وغیرہ وغیرہ

یہ کتاب شافی قاضی القضاۃ عبدالجبار معتزلی کی کتاب المغنی فی الامامت کی رد میں لکھی گئی تھی۔ جناب علم الہدیٰ فرماتے ہیں:۔

"ہم سے بیان کیا ابو عبید محمد بن عمران المرزبانی نے، اور اس سے بیان کیا محمد بن احمد الکاتب نے، اور اس سے بیان کیا احمد بن عبید ابن ناصح النحوی نے، اور اس سے بیان کیا الزیادی نے، اور اس سے بیان کیا شرقی بن القطامی نے، اور اس سے بیان کیا محمد بن اسحاق نے، اور اس سے بیان کیا صالح بن کیسان نے، اور اس سے بیان کیا عروہ نے اور اس سے بیان کیا حضرت عائشہ نے۔ اور دوسرا سلسلہ رواۃ ہم سے مرزبانی نے بیان کیا کہ بیان کیا اس سے ابوبکر احمد بن محمد المکی نے، اور اس سے بیان کیا ابن عائشہ نے کہ جب جناب رسول خداؐ کا انتقال ہوا تو حضرت فاطمہؑ اپنی کنیزوں کے گروہ میں حضرت ابوبکر کے پاس آئیں۔ اور پہلی روایت میں یہ ہے کہ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب حضرت فاطمہؑ نے سُنا کہ حضرت ابوبکر نے ان کو فدک نہ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے تو آپ نے اپنے سر پر مقنعہ ڈالا اور پھر سر سے پاؤں تک چادر اوڑھی اور اپنی کنیزوں کے ایک گروہ میں ابوبکر کے پاس آئیں اور پھر یہاں سے دونوں روایتیں آپس میں متحد ہیں۔ اب حضرت فاطمہؑ نے ایک بلیغ خطبہ ادا فرمایا (یہ خطبہ تمام و کمال نقل کرنے کے بعد سید مرتضیٰ علی الہدیٰ کہتے ہیں) اور ہم سے بیان کیا ابو عبید اللہ المرزبانی نے، اس سے بیان کیا علی بن ہارون نے، اس سے بیان کیا عبداللہ بن ابی طاہر نے، اس سے بیان کیا اس کے باپ نے، ابو طاہر نے بیان کیا کہ میں نے ابوالحسین زید بن علی بن الحسین بن علی ابن ابی طالب کے سامنے جناب فاطمہؑ کا وہ کلام (خطبہ) پیش کیا جو ابوبکر کے فدک نہ دینے کے وقت حضرت فاطمہؑ نے بیان فرمایا تھا اور میں نے زید بن علی سے بیان کیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بنائی ہوئی بات ہے اور یہ کہ وہ خطبہ ابوالعیناء کا کلام ہے۔ کیونکہ وہ بہت زیادہ بلیغ ہے تو زید بن علی نے جواب دیا کہ میں نے آل ابی طالب کے بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے باپ دادا سے اس خطبہ کی روایت کرتے ہیں اور اپنی اولاد کو اس کی تعلیم دیتے ہیں

اور خود میرے پدر بزرگوار نے میرے دادا سے اس روایت خطبہ کو جناب فاطمہؑ تک پہنچایا۔ اور مشائخ شیعہ نے ابوالعیناء کے دادا کی پیدائش سے پہلے اس خطبہ کی روایت کی ہے۔ اور باہم ایک دوسرے کو اس کا درس دیا ہے حسین بن علوان نے عطیہ عوفی سے روایت کی ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن حسین بن حسن کو اپنے باپ سے اس خطبہ کو روایت کرتے سنا ہے۔ پھر ابوالحسین زید کہتے ہیں کہ یہ لوگ اس خطبہ کو کلام سیدہؑ ہونے سے کیوں انکار کرتے ہیں، درانحالیکہ وہ لوگ ابوبکر کے مرنے کے وقت عائشہ کا وہ کلام نقل کرتے ہیں جو حضرت فاطمہؑ کے اس کلام سے بھی عجیب تر ہے۔ اور اس کا ذکر بہ عنوان تحقیق کرتے ہیں۔ جناب معصومہ کے اس خطبہ کے متعلق قوم کی یہ روش صرف ہم اہلبیت کی عداوت کی بناء پر ہے۔ پھر سید مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ یہ خطبہ اسی عنوان سے مختلف طریقوں اور کثیر جہتوں سے ذکر کیا گیا ہے۔ جو شخص تمام طریقوں کو معلوم کرنا چاہے وہ ان کے مقامات سے حاصل کرے۔

کتاب بلاغات النساء کے مصنف ابوالفضل احمد بن ابی طاہر جو بغداد میں ۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۲۸۰ھ میں انتقال کر گئے۔ کتاب مذکور میں لکھتے ہیں:۔

"مجھ سے دیار مصر کے رہنے والوں میں سے ایک شخص جعفر ابن محمد نے جن سے مجھ سے رافقہ میں ملاقات ہوئی بیان کیا کہ اس سے اس کے والد نے اور اس سے موسیٰ بن عیسیٰ نے، اور اس سے عبداللہ بن یونس نے اور اس سے جعفر ابن احمد نے اور اس سے زید ابن علی نے اور ان سے ان کی پھوپھی زینب بنت الحسین نے بیان کیا۔ زینب بنت الحسین فرماتی ہیں کہ جب جناب سیدہؑ کو ابوبکر کے فدک نہ دینے کا حتمی ارادہ معلوم ہوا تو آپ نے مقنعہ اوڑھا اور اپنی قرابت کی عورتوں کے گروہ میں گھر سے برآمد ہوئیں (آخر روایت تک) اور صاحب بلاغات النساء نے اس روایت کے شروع کرنے سے قبل یہ عبارت لکھی ہے، کلام فاطمہؑ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہا السلام ابوالفضل مصنف کتاب کہتے ہیں کہ میں نے ابوالحسین زید بن علی ابن الحسین ابن ابی طالب کے سامنے جناب سیدہؑ کا وہ کلام جو ان معظمہ نے ابوبکر کے فدک نہ دینے کے موقع پر

ارشاد فرمایا تھا ذکر کیا اور ان سے عرض کی کہ یہ قوم گمان کرتی ہے کہ آخر روایت تک۔ اس کے بعد وہ عبارت مذکور ہے جو مرزبانی سے سید مرتضیٰ نے روایت کرنے میں وارد کی ہے۔ پھر وہ حدیث ذکر کی ہے اور یہ کہا ہے کہ جب ابوبکر نے جناب فاطمہ بنت رسول اللہ کو فدک نہ دینے کا حتمی ارادہ کر لیا تو ان معظمہ نے اپنے تئیں ایک چادر میں پوشیدہ کیا اور اپنی کنیزوں کے گروہ میں آئیں۔ پھر صاحب بلاغت النساء کہتے ہیں کہ ایک قوم نے یہ ذکر کیا ہے کہ ابوالعیناء نے ادعا کیا ہے کہ یہ میرا کلام ہے اور ایک قوم نے اس کے اس دعوے کو نقل کیا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس کلام کے اوپر ابوالعیناء کے متعلق تصنیف کا دعویٰ کرنے کا سبب وہی ہے جو نہج البلاغہ کو جناب شریف رضی کی تصنیف کہنے کا ہے۔ اور یہ دونوں دعوے باطل ہیں۔ ان کی جانب التفات نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ ثقہ لوگوں نے صحیح طریقوں سے اس خطبہ کی روایت کی ہے۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ بلاغات النساء کے مطبوعہ نسخہ میں کچھ عبارت اس مقام پر طبع ہونے سے رہ گئی ہے۔ کیونکہ مؤلف بلاغات النساء کہتے ہیں کہ میں نے ابوالحسین ابن علی سے ذکر کیا لیکن یہ بالکل عیاں ہے کہ زید بن علی الحسین ان سے بہت قبل گزر چکے تھے اور انھوں نے زید کا زمانہ نہیں پایا تھا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف مذکور نے بھی یہاں وہی سند لکھی ہو جو سید مرتضیٰ نے لکھی ہے اور وہ شخص جنھوں نے زید ابن علی ابن حسن سے یہ ذکر کیا وہ عبداللہ بن ابی طاہر ہے طبع ہونے میں یہ عبارت ساقط ہو گئی۔

جن لوگوں نے اس خطبہ کا ذکر کیا ہے ان میں علامہ طبرسیؒ بھی ہیں۔ انھوں نے کتاب الاحتجاج میں اس خطبہ کو کلام فاطمہ کہہ کر نقل کیا ہے۔ اور وہ فرماتے ہیں:

عبداللہ ابن حسین نے اپنی سند سے اپنے آباء طاہرین علیہم السلام سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کو فدک سے محروم کرنے کا حتمی ارادہ کر لیا۔ اور ان معظمہ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے اپنا دوپٹہ اوڑھا اور اپنے تئیں سر سے پاؤں تک چھپایا اور اپنی کنیزوں اور اپنی قوم کی

عورتوں کے گروہ میں مسجد کا رخ کیا۔ شرم کے سبب چادر کے کنارے زمین پر کھنچتے جاتے تھے۔ اور جناب فاطمہ کی رفتار اور جناب رسول خدا کی رفتار میں کچھ فرق نہ تھا مسجد میں اس وقت پہنچیں کہ جب حضرت ابوبکر کے ماننے والے مہاجرین و انصار وغیرہ ان کے گرد جمع تھے۔ حضرت فاطمہؑ کے سامنے ایک چادر کھینچ دی گئی۔ آپ بیٹھیں اور آپ نے اس درد و غم آمیز لہجہ میں گریہ کیا کہ قریب تھا کہ سب لوگ گریہ و بکا سے جان کھو دیں۔ مجلس میں ایک اضطراب پیدا ہو گیا۔ آپ نے تھوڑی مہلت ان لوگوں کو دی کہ ان کا اضطراب رکا اور امنڈتے ہوئے دل ٹھہرے۔ پھر آپ نے حمد و ثناء خدا اور صلواۃ رسول کے ساتھ اپنے کلام کی ابتداء کی۔ لوگ پھر رونے لگے۔ جب وہ چپ ہوئے تو آپ نے اپنے کلام کو دہرایا اور یہ کلام کیا جو صفحہ ۱۷۳ سے شروع ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَآ اَنْعَمَ وَلَهُ الشُّكْرُ عَلٰى مَآ اَلْهَمَ، وَالثَّنَآءُ بِمَا قَدَّمَ مِنْ عُمُوْمِ نِعَمٍ اِبْتَدَاهَا، وَسُبُوْغِ اٰلَآءٍ اَسْدَاهَا، وَتَمَامِ نِعَمٍ وَالَاهَا، جَمَّ عَنِ الْاِحْصَاءِ عَدَدُهَا وَنَاٰى عَنِ الْجَزَاءِ اَمَدُهَا، وَتَفَاوَتَ عَنِ الْاِدْرَاكِ اَبَدُهَا وَنَدَبَهُمْ لِاسْتِزَادَتِهَا بِالشُّكْرِ لِاِتِّصَالِهَا وَاسْتَحْمَدَ اِلَى الْخَلَائِقِ بِاِجْزَالِهَا وَثَنّٰى بِالنَّدَبِ اِلٰى اَمْثَالِهَا وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ كَلِمَةً جَعَلَ الْاِخْلَاصَ تَاْوِيْلَهَا وَضَمَّنَ الْقُلُوْبَ

حقیقی حمد مخصوص ہے خدا کے لیے کہ اس نے نعمتیں عطا فرمائیں اور اس کے لیے شکر ہے کہ اس نے نفس کو نیک و بد کی تمیز بخشی اور اسی کے لیے ثناء ہے کہ اس نے اپنی نعمتیں عام کیں بغیر استحقاق کے اور بندوں کو اپنی کامل نعمتوں سے بہرہ اندوز فرمایا اور پورا پورا انعام لگاتار وارد فرمایا۔ اتنی نعمتیں جن کا شمار ناممکن ہے اور ایسی نعمتیں جن کی مدت اوقات شکر سے کہیں زیادہ ہے اور جن کی ہمیشگی کا ادراک انسان کے بس سے باہر ہے۔ خدا نے اپنے بندوں کو شکر کر کے نعمتیں زیادہ کرانے کی طرف رغبت دلائی تاکہ نعمتیں مسلسل رہیں اور نعمتوں کے جزیل ہونے کی وجہ سے مخلوقات پر اپنی حمد کی فرمائش کی اور پھر انھیں دنیوی نعمتوں کی طرح آخرت کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی جانب مائل فرمایا میں گواہی دیتی ہوں کہ کوئی معبود حقیقی نہیں ہے مگر اللہ وہ یکتا ہے

مَوْصُولَهَا، وَأَنَارَ فِي التَّفَكُّرِ مَعْقُولَهَا، الْمُمْتَنِعُ مِنَ الْأَبْصَارِ رُؤْيَتُهُ، وَمِنَ الْأَلْسُنِ صِفَتُهُ، وَمِنَ الْأَوْهَامِ كَيْفِيَّتُهُ، اِبْتَدَعَ الْأَشْيَاءَ لَا مِنْ شَيْءٍ كَانَ قَبْلَهَا، وَأَنْشَأَهَا بِلَا احْتِذَاءِ أَمْثِلَةٍ امْتَثَلَهَا، كَوَّنَهَا بِقُدْرَتِهِ وَذَرَأَهَا بِمَشِيَّتِهِ، مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ مِنْهُ إِلَى تَكْوِينِهَا وَلَا فَائِدَةٍ لَهُ فِي تَصْوِيرِهَا، إِلَّا تَثْبِيتًا لِحِكْمَتِهِ وَتَنْبِيهًا عَلَى طَاعَتِهِ وَإِظْهَارًا لِقُدْرَتِهِ، وَتَعَبُّدًا لِبَرِيَّتِهِ، وَإِعْزَازًا لِدَعْوَتِهِ، ثُمَّ جَعَلَ الثَّوَابَ عَلَى طَاعَتِهِ، وَوَضَعَ الْعِقَابَ عَلَى مَعْصِيَتِهِ، ذِيَادَةً لِعِبَادِهِ عَنْ نِقْمَتِهِ، وَحِيَاشَةً لَهُمْ إِلَى جَنَّتِهِ، وَأَشْهَدُ أَنَّ أَبِي مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، اِخْتَارَهُ وَانْتَجَبَهُ قَبْلَ أَنْ أَرْسَلَهُ، وَسَمَّاهُ

اس کا کوئی شریک نہیں یہ کلمۂ توحید وہ کلمہ ہے جس کی تاویل خدا نے صفتِ اخلاص کو قرار دیا (یعنی جو شخص خالص خدا کے لیے بغیر ریا اور فاسد غرضوں کے اعمال بجالائے درحقیقت وہی کلمۂ توحید کا قائل ہے اور معتقد ہے) اور کلمہ کے مطلب کو عقلوں کے لیے لازم قرار دیا کہ اس تک پہنچیں اور اس کلمہ کے حاصل معنی کو دلیل و برہان کے ذریعہ قوتِ فکر یہ کے لیے واضح اور روشن کر دیا۔ ایسا خدا جس کی رویت ان ظاہری آنکھوں سے محال ہے۔ نہ تو زبانیں اس کا وصف بیان کر سکتی ہیں اور نہ وہم اس کی کیفیت پا سکتا ہے۔ اس نے اشیا کو بغیر کسی ایسی شے کے پیدا کیا جو اس کے قبل رہی ہو اور عالم کو وجود میں لایا بغیر کسی ایسی مثال کے جسے پیدا کرتے وقت پیشِ نظر رکھا ہو ان چیزوں کو اس نے اپنی قدرت سے خلق فرمایا اور اپنی مشیت سے پیدا کیا حالانکہ اس کو ان چیزوں کے پیدا کرنے کی حاجت نہ تھی اور نہ ان چیزوں کو صورت وجود عطا کرنے میں اس کا کوئی فائدہ تھا۔ صرف اس لیے پیدا کیا کہ عقل والوں کو اس کی حکمت کا ثبوت ملے۔ اور اس کی اطاعت اور ادائیگی شکر کی طرف متوجہ ہوں خدا کی قدرت کا اظہار ہو اور بندے اس کی بندگی کا اقرار کریں اور پیغمبروں کو اس کی طرف بلانے میں غلبہ حاصل ہو۔ پھر اس نے اپنی اطاعت پر ثواب مقرر کیا۔ اور معصیت پر سزا قرار دی تاکہ اپنے بندوں کو اپنے عذاب سے بچائے اور گھیر کر

قَبْلَ أَنِ اجْتَبَاهُ، وَاصْطَفَاهُ قَبْلَ أَنِ ابْتَعَثَهُ، إِذِ الْخَلَائِقُ بِالْغَيْبِ مَكْنُونَةٌ، وَبِسَتْرِ الْأَهَاوِيلِ مَصُونَةٌ، وَبِنِهَايَةِ الْعَدَمِ مَقْرُونَةٌ، عِلْمًا مِنَ اللّٰهِ تَعَالَى بِمَآيِلِ الْأُمُورِ، وَإِحَاطَةً بِحَوَادِثِ الدُّهُورِ، وَمَعْرِفَةً بِمَوَاقِعِ الْمَقْدُورِ، اِبْتَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالَى إِتْمَامًا لِأَمْرِهِ، وَعَزِيمَةً عَلَى إِمْضَاءِ حُكْمِهِ، وَإِنْفَاذًا لِمَقَادِيرِ حَتْمِهِ، فَرَأَى الْأُمَمَ فِرَقًا فِي أَدْيَانِهَا، عُكَّفًا عَلَى نِيرَانِهَا، عَابِدَةً لِأَوْثَانِهَا، مُنْكِرَةً لِلّٰهِ مَعَ عِرْفَانِهَا، فَأَنَارَ اللّٰهُ تَعَالَى بِأَبِي مُحَمَّدٍ (ص) ظُلَمَهَا، وَكَشَفَ عَنِ الْقُلُوبِ بُهَمَهَا، وَجَلَّى عَنِ الْأَبْصَارِ غُمَمَهَا، وَقَامَ فِي النَّاسِ بِالْهِدَايَةِ، وَأَنْقَذَهُمْ مِنَ الْغَوَايَةِ، وَبَصَّرَهُمْ مِنَ الْعَمَايَةِ، وَهَدَاهُمْ إِلَى الدِّينِ الْقَوِيمِ، وَدَعَاهُمْ

جنت کی طرف لے جائے اور میں گواہی دیتی ہوں کہ میرے پدر بزرگوار محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ جنھیں اس نے رسول بنا کر بھیجنے سے پہلے ہی مختار و ممتاز بنا لیا۔ اور انھیں مبعوث کرنے سے پہلے ہی انبیا کو ان کے نام سے آگاہ کر دیا تھا اور انھیں درجۂ رسالت پر فائز کرنے سے پہلے ہی اصطفا کی منزل پر فائز کر دیا تھا۔ جبکہ ساری مخلوق غیب کے حجاب میں پوشیدہ اور عدم کے ہولناک پردوں میں محفوظ تھی اور حد عدم سے وابستہ تھی۔ یہ سب اس لیے تھا کہ خداوند عالم کو انجام امور کی خبر تھی اور زمانہ کے حوادث کو اس کا علم محیط کیے ہوئے تھا۔ اور مقدورات کے موقع اس کے علم کے اندر تھے۔ آں حضرتؐ کو خداوند تعالیٰ نے اپنے امر ہدایت کو تمام کرنے، اپنے حکم کو جاری کرنے کی مضبوطی اور حتمی و طے شدہ مقدرات کو نافذ کرنے کے لیے مبعوث فرمایا۔ اُسے معلوم تھا کہ امتیں مذاہب میں متفرق ہو گئی ہیں۔ کچھ لوگ آتش پرستی پر مائل ہیں۔ کچھ لوگ بتوں کو پوج رہے تھے۔ اور کچھ لوگ باوجود خدا کی ہستی کے علم کے اس کے منکر ہیں۔ پس خداوند تعالیٰ نے میرے پدر بزرگوار محمد مصطفےٰ کے ذریعے امتوں کی بے دینی کی تاریکیاں دور کیں عقلوں کی مشکلیں حل فرمائیں اور بصیرت کی آنکھوں پر سے پردے ہٹا دیے۔ آں حضرتؐ نے انسانوں میں ہدایت کا کام انجام دیا

إِلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ، ثُمَّ قَبَضَهُ اللهُ إِلَيْهِ قَبْضَ رَأْفَةٍ وَاخْتِيَارٍ، وَرَغْبَةٍ وَإِيثَارٍ، فَمُحَمَّدٌ (ص) عَنْ تَعَبِ هٰذِهِ الدَّارِ فِي رَاحَةٍ، قَدْ حُفَّ بِالْمَلَائِكَةِ الْأَبْرَارِ، وَرِضْوَانِ الرَّبِّ الْغَفَّارِ، وَمُجَاوَرَةِ الْمَلِكِ الْجَبَّارِ، صَلَّى اللهُ عَلَى أَبِي نَبِيِّهِ وَأَمِينِهِ عَلَى وَحْيِهِ وَصَفِيِّهِ وَخِيَرَتِهِ مِنَ الْخَلْقِ وَرَضِيِّهِ، وَالسَّلَامُ عَلَيْهِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ (ثُمَّ الْتَفَتَتْ إِلَى أَهْلِ الْمَجْلِسِ وَقَالَتْ) أَنْتُمْ عِبَادَ اللهِ نُصُبُ أَمْرِهِ وَنَهْيِهِ، وَحَمَلَةُ دِينِهِ وَوَحْيِهِ، وَأُمَنَاءُ اللهِ عَلَى أَنْفُسِكُمْ، وَبُلَغَاؤُهُ إِلَى الْأُمَمِ، وَزَعِيمُ حَقٍّ لَهُ فِيكُمْ، وَعَهْدٍ قَدَّمَهُ إِلَيْكُمْ، وَبَقِيَّةٍ اسْتَخْلَفَهَا عَلَيْكُمْ كِتَابُ اللهِ النَّاطِقُ، وَالْقُرْآنُ الصَّادِقُ،

اور انھیں گمراہی سے رہا کیا۔ ضلالت سے ہٹا کر ہدایت کی راہ دکھائی۔ دین قیم کی جانب ان کی رہبری کی۔ اور صراطِ مستقیم کی طرف انھیں بلایا اور پھر خداوند تعالیٰ نے آں حضرتؐ کو مہربانی سے ان کے اختیار، رغبت و ایثار کے ساتھ اپنی طرف بلا لیا چنانچہ وہ جناب دارِ دنیا کی زحمتوں سے نکل کر راحت و آرام میں پہنچ گئے۔ انھیں ملائکہ ابرار گھیرے رہتے ہیں۔ ربِ غفار کی رضا اپنے آغوش میں لیے ہوئے ہے۔ وہ ملکِ جبار کی ہمسائگی سے بہرہ اندوز ہیں خداوند تعالیٰ درود نازل کرے میرے پدر بزرگوار پر جو اس کے پیغمبر اور اس کی وحی پر اس کے امین تھے۔ اور اس کی مخلوقات میں اس کے برگزیدہ منتخب اور پسندیدہ تھے، ان پر خدا کا سلام، اس کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔ پھر جناب فاطمہ اہل مجلس کی طرف متوجہ ہوئیں۔ اور فرمایا اے بندگانِ خدا تم تو خدا کے امر و نہی کے بجا لانے کے لیے منصوب و مقرر ہو۔ اور اس کے دین و وحی کے حامل ہو اور اپنے نفوس کے اوپر اس کے امین ہو، دوسری امتوں کی طرف خدا کی جانب سے مبلغ ہو، تم دوسری امتوں میں ضامن اور کفیل ہو اس عہد حق کے اور وصیت کے جو خدا نے تم سے کیا ہے اور اس بقیہ کے جن کو تم پر بعد رسولؐ خدا قرار دیا ہے اور وہ حق اور بقیہ خدا کی کتاب ناطق اور قرآن صادق ہے نور ساطع اور ضیار لامع ہے، اس کی بصیرت کے

وَالنُّورُ السَّاطِعُ وَالضِّيَاءُ اللَّامِعُ، بَيِّنَةٌ بَصَائِرُهُ، مُنْكَشِفَةٌ سَرَائِرُهُ، مُتَجَلِّيَةٌ ظَوَاهِرُهُ، مُغْتَبِطٌ بِهِ أَشْيَاعُهُ، قَائِدٌ إِلَى الرِّضْوَانِ اتِّبَاعُهُ، مُؤَدٍّ إِلَى النَّجَاةِ اسْتِمَاعُهُ، بِهِ تُنَالُ حُجَجُ اللهِ الْمُنَوَّرَةُ، وَعَزَائِمُهُ الْمُفَسَّرَةُ، وَمَحَارِمُهُ الْمُحَذَّرَةُ، وَبَيِّنَاتُهُ الْجَالِيَةُ، وَبَرَاهِينُهُ الْكَافِيَةُ، وَفَضَائِلُهُ الْمَنْدُوبَةُ، وَرُخَصُهُ الْمَوْهُوبَةُ، وَشَرَائِعُهُ الْمَكْتُوبَةُ، فَجَعَلَ اللهُ الْإِيمَانَ تَطْهِيرًا لَكُمْ مِنَ الشِّرْكِ، وَالصَّلَاةَ تَنْزِيهًا لَكُمْ عَنِ الْكِبْرِ، وَالزَّكَاةَ تَزْكِيَةً لِلنَّفْسِ وَنَمَاءً فِي الرِّزْقِ، وَالصِّيَامَ تَثْبِيتًا لِلْإِخْلَاصِ، وَالْحَجَّ تَشْيِيدًا لِلدِّينِ، وَالْعَدْلَ تَنْسِيقًا لِلْقُلُوبِ، وَطَاعَتَنَا نِظَامًا لِلْمِلَّةِ، وَإِمَامَتَنَا أَمَانًا مِنَ الْفُرْقَةِ، وَالْجِهَادَ عِزًّا لِلْإِسْلَامِ وَذُلًّا لِأَهْلِ الْكُفْرِ وَالنِّفَاقِ، وَالصَّبْرَ مَعُونَةً عَلَى اسْتِيجَابِ الْأَجْرِ،

امور بیّن اور اس کے اسرار و رموز منکشف اور آشکار ہیں اُس کے ظواہر ہویدا اور جلی ہیں۔ اُس کا اتباع کرنے والے قابل رشک ہیں۔ اور اس کی پیروی رضوانِ خدا تک پہنچانے والی ہے اور اس کو توجہ سے سننا نجات تک کھینچ کرلے جاتا ہے۔ اسی قرآن کے ذریعہ خدا کی منور حجتیں پائی جاتی ہیں۔ بیان کیے ہوئے واجبات معلوم ہوتے ہیں اور ان محرمات کی اطلاع ہوتی ہے جس سے خوف دلایا گیا ہے۔ اور اسی قرآن سے خدا کے مقرر کردہ مستحبات معلوم ہوتے ہیں جن کی رغبت دلائی گئی ہے، اور اُن مباح باتوں کا پتہ چلتا ہے جنھیں خدا نے بندوں کے لیے حلال کر دیا ہے اور شریعت کی مقرر کردہ باتوں کا پتہ چلتا ہے پس خداوند تعالیٰ نے تم لوگوں کے لیے شرک سے پاک ہونے کا وسیلہ ایمان کو اور تکبر سے بری ہونے کا سبب نماز کو بنا دیا ہے۔ زکوٰۃ کو نفس کی پاکیزگی اور رزق کی زیادتی کا ذریعہ قرار دیا ہے اور روزہ اس لیے واجب کیا کہ دین میں مضبوطی زیادہ ہو۔ عدل و انصاف کو دلوں کی تنظیم ہماری اطاعت کو ملتِ اسلام کا نظام اور درستی اور ہماری امامت کو تفرقہ کی بلا سے بچنے کے لیے امان قرار دیا جہاد کو اسلام کی عزت اور اہل کفر و نفاق کی ذلت کا ذریعہ بنایا مصیبت میں صبر کرنے کو تحصیلِ اجر میں مددگار اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں عوام الناس کے لیے مصالح ودیعت فرمائے۔

وَالْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْیَ
عَنِ الْمُنْكَرِ مَصْلَحَةً لِّلْعَامَّةِ
وَبِرَّ الْوَالِدَيْنِ وِقَايَةً مِّنَ
السُّخْطِ وَصِلَةَ الْاَرْحَامِ
مَنْسَاةً فِی الْعُمُرِ وَالْقِصَاصَ
حَقْنًا لِّلدِّمَاءِ وَالْوَفَاءَ بِالنَّذْرِ
تَعْرِيْضًا لِّلْمَغْفِرَةِ وَتَوْفِيَةَ
الْمَكَائِيْلِ وَالْمَوَازِيْنِ تَغْيِيْرًا
لِّلْبَخْسِ وَالنَّهْیَ عَنْ شُرْبِ الْخَمْرِ
تَنْزِيْهًا عَنِ الرِّجْسِ وَاجْتِنَابَ
الْقَذْفِ حِجَابًا عَنِ اللَّعْنَةِ
وَتَرْكَ السَّرِقَةِ اِيْجَابًا لِّلْعِفَّةِ
وَحَرَّمَ اللّٰهُ الشِّرْكَ اِخْلَاصًا
لَهٗ بِالرُّبُوْبِيَّةِ (فَاتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا
وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ) وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ
فِيْمَا اَمَرَكُمْ بِهٖ وَنَهَاكُمْ عَنْهُ
(فَاِنَّمَا يَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ
الْعُلَمَاءُ) ثُمَّ قَالَتْ عَلَيْهَا السَّلَام
اَيُّهَا النَّاسُ اِعْلَمُوْا اَنِّیْ فَاطِمَةُ
وَاَبِیْ مُحَمَّدٌ (ص) اَقُوْلُ عَوْدًا
وَّبَدْءًا وَلَا اَقُوْلُ مَا اَقُوْلُ
غَلَطًا وَلَا اَفْعَلُ مَا اَفْعَلُ
شَطَطًا (لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ
مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ

والدین کے ساتھ نیکی کرنے کو اس لیے واجب کیا کہ غضبِ خدا سے حفاظت رہے صلۂ رحم اس لیے مقرر کیا کہ عمریں بڑھتی رہیں قصاص اس لیے قرار دیا کہ خوں ریزی رک جائے۔ نذر و وفا کرنے کی راہ اس لیے نکالی کہ بندوں کی مغفرت مقصود تھی۔ پیمانہ اور وزن پورا کرنے کا حکم اس لیے واجب کیا کہ نحوست دور ہو۔ شراب پینے کی ممانعت اس لیے کی کہ بُرے اخلاق سے بندے پاک رہیں زنا کا بے جا الزام لگانا اس لیے حرام کیا کہ لعنت کے سامنے ایک حجاب اور مانع پیدا ہو جائے چوری کرنے کو اس لیے ممنوع قرار دیا کہ دوسروں کے مال میں بے اجازت تصرف کرنے سے لوگ اپنے تئیں پاک رکھیں۔ خدا نے شرک کو اس وجہ سے حرام کیا کہ اس کی ربوبیت کا اقرار خالص ہے لہذا خدا سے ڈرو جو ڈرنے کا حق ہے اور یہ کوشش کرو کہ جب مرو تو مسلمان ہی مرو۔ اور خدا کی اطاعت کرو اوامر میں۔ اور جن امور سے منع کیا ہے ان سے باز رہو۔ بے شک خدا سے ڈرنے والے اس کے بندوں میں علماء ہی ہیں۔ پھر حضرت فاطمہؑ نے فرمایا (سلام ہو ان پر) اے لوگو جان لو کہ میں فاطمہ ہوں میرے والد محمد مصطفےٰ ہیں۔ جو بات میں تم سے پہلے سے کہہ رہی ہوں وہی آخر تک کہتی رہوں گی۔ اور میں جو کہتی ہوں وہ غلط نہیں کہتی۔ اور اپنے فعل میں حد سے تجاوز نہیں کرتی یقیناً ہمارے پاس خدا کا وہی رسول آیا ہے جو

مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ
بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ الرَّحِيْمٌ)
فَاِنْ تَعْزُوْهُ وَتَعْرِفُوْهُ تَجِدُوْهُ
اَبِیْ دُوْنَ نِسَائِكُمْ وَاَخَا ابْنِ
عَمِّیْ دُوْنَ رِجَالِكُمْ وَلَنِعْمَ
الْمَعْزِیُّ اِلَيْهِ فَبَلَّغَ الرِّسَالَةَ،
صَادِعًا بِالنِّذَارَةِ، مَائِلًا
عَنْ مَدْرَجَةِ الْمُشْرِكِيْنَ
ضَارِبًا ثَبَجَهُمْ اٰخِذًا بِكَظَمِهِمْ
دَاعِيًا اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّهٖ بِالْحِكْمَةِ
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ يَكْسِرُ
الْاَصْنَامَ، وَيَنْكُتُ الْهَامَ حَتّٰی
انْهَزَمَ الْجَمْعُ وَوَلَّوُا الدُّبُرَ
حَتّٰی تَفَرَّیَ اللَّيْلُ عَنْ صُبْحِهٖ
وَاَسْفَرَ الْحَقُّ عَنْ مَحْضِهٖ وَنَطَقَ
زَعِيْمُ الدِّيْنِ وَخَرِسَتْ شَقَاشِقُ
الشَّيَاطِيْنِ، وَطَاحَ وَشِيْظُ النِّفَاقِ
وَانْحَلَّتْ عُقَدُ الْكُفْرِ وَالشِّقَاقِ
وَفُهْتُمْ بِكَلِمَةِ الْاِخْلَاصِ فِیْ
نَفَرٍ مِّنَ الْبِيْضِ الْخِمَاصِ وَ
كُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ
مَذْقَةَ الشَّارِبِ وَنُهْزَةَ الطَّامِعِ
وَقُبْسَةَ الْعَجْلَانِ وَمَوْطِیءَ الْاَقْدَامِ
تَشْرَبُوْنَ الطَّرْقَ، وَتَقْتَاتُوْنَ
الْقِدَّ اَذِلَّةً خَاسِئِيْنَ تَخَافُوْنَ

تم ہی لوگوں میں سے ہے۔ اس پر شاق ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ۔ اور اُسے تمھاری بہبودی کا ہوکا ہے۔ ایمانداروں پر حد درجہ شفیق اور مہربان ہے پس اگر تم ان کی طرف کسی کو نسبت دو اور ان کا تعارف کراؤ تو تم ان کو میرا باپ پاؤ گے نہ کہ اپنی عورتوں کا۔ اور میرے ابن عم (علی ابن ابی طالب) کا بھائی پاؤ گے۔ نہ اپنے مردوں میں سے کسی کا۔ اور وہ جناب بہترین شخص ہیں جن کی طرف نسبت کی جائے پس حضرت نے خدا کا پیغام بہت اچھی اور پوری طرح پہنچا دیا اس طرح کہ خدا سے ڈرانے میں پوری وضاحت سے کام لیا۔ اور مشرکوں کے مسلک سے بالکل علیحدہ اور مخالف راہ نکالے ہوئے تھے۔ مشرکوں کے مسلک کی ممتاز چیزوں پر ضرب کاری لگا رہے تھے۔ اور ان کا ناطقہ بند کیے ہوئے تھے اور اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ دعوت دے رہے تھے بتوں کو توڑ رہے تھے اور اہل شرک کے سرداروں کو نگوں کر رہے تھے یہاں تک کہ گروہ مشرکین کو شکست ہوئی۔ اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ جہالت کی رات ختم ہوئی۔ ہدایت کی صبح نے جلوہ دکھایا اور حق اپنی خالص شکل میں نمودار ہوا۔ دین کا ڈنکا بولنے لگا اور شیطانوں کے ناطقے گم ہو گئے۔ نفاق پرور کمینے ہلاک ہو گئے۔ کفر اور بے دینی کی گرہیں کھل کر رہ گئیں اور تم نے چند روشن نسب اور گرسنہ

أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ مِنْ
حَوْلِكُمْ فَأَنْقَذَكُمُ اللهُ
تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ بِأَبِي مُحَمَّدٍ (ص)
بَعْدَ اللَّتَيَّا وَالَّتِي وَبَعْدَ أَنْ
مُنِيَ بِبُهَمِ الرِّجَالِ
وَذُؤْبَانِ الْعَرَبِ وَمَرَدَةِ
أَهْلِ الْكِتَابِ (كُلَّمَا
أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ
أَطْفَأَهَا اللهُ) أَوْ نَجَمَ
قَرْنٌ لِلشَّيَاطِينِ أَوْ فَغَرَتْ
فَاغِرَةٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ
قَذَفَ أَخَاهُ فِي لَهَوَاتِهَا
فَلَا يَنْكَفِئُ حَتَّىٰ يَطَأَ
صِمَاخَهَا بِأَخْمَصِهِ وَيُخْمِدَ
لَهَبَهَا بِسَيْفِهِ مَكْدُودًا
فِي ذَاتِ اللهِ مُجْتَهِدًا فِي
أَمْرِ اللهِ قَرِيبًا مِنْ رَسُولِ اللهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ
وَسَلَّمَ سَيِّدًا فِي أَوْلِيَاءِ اللهِ
مُشَمِّرًا نَاصِحًا مُجِدًّا كَادِحًا
وَأَنْتُمْ فِي بُلَهْنِيَةٍ مِنَ
الْعَيْشِ، وَادِعُونَ
فَاكِهُونَ آمِنُونَ تَتَرَبَّصُونَ
بِنَا الدَّوَائِرَ وَ
تَتَوَكَّفُونَ الْأَخْبَارَ وَ

(روزہ دار لوگ) یعنی اہلبیتِ رسول کے درمیان
زبان پر کلمۂ ہدایت جاری کیا۔ درانحالیکہ تم جہنم کے
کنارے پر تھے۔ ایسے بے مقدار جیسے پینے والے کا
ایک گھونٹ اور طمع کرنے والے کا ایک چُلّو اور عجلت
کرنے والے کی ایک چنگاری۔ اور ایسے ذلیل تھے
جیسے پیر تلے کی خاک۔ گندہ پانی پیتے تھے اور
بے دباغت کی ہوئی کھال چباتے تھے۔ ذلیل تھے
اور دھتکارے ہوئے تھے اور ڈر رہے تھے کہ وہ لوگ
جو تمہارے اردگرد ہیں تم کو ہلاک نہ کر ڈالیں ایسے
وقت پر خداوند عالم نے تم لوگوں کو میرے پدر بزرگوار
محمد مصطفیٰؐ کے ذریعہ سے ان فکروں سے نجات دی
ان چھوٹی بڑی بلاؤں کے بعد اور بعد اس کے کہ
بہادروں کے ساتھ ان کی آزمائش کی گئی۔ عرب کے
ڈاکوؤں اور اہلِ کتاب کے سرکشوں سے آں حضرت
کو سابقہ پڑا تھا۔ جب کبھی ان لوگوں نے جنگ
کی آگ بھڑکائی۔ خدا نے اسے خاموش کر دیا۔ یا
جب کبھی شیطان نے سر اٹھایا یا مشرکوں کی شرارت
کے اژدہے نے منہ کھولا تو آں حضرتؐ نے اپنے
بھائی علی ہی کو اس بلا کے منہ میں بھیجا۔ پس اس
بہادر علی کی شان یہ تھی کہ وہ اس وقت تک نہ پلٹا
کہ جب تک اپنے پیروں تلے ان بلاؤں کے سر
نہ کچل دیے اور فتنے کی آگ نہ بجھا دی۔ وہ خدا کے
بارے میں مشقت برداشت کرنے والا تھا اور امرِ خدا
میں پوری کوشش کرنے والا تھا اور ہر بات میں
رسولِ خداؐ سے قریب تھا۔ اولیاء خدا کا سردار،

تَنْكِصُونَ عِنْدَ النِّزَالِ
وَتَفِرُّونَ مِنَ الْقِتَالِ
فَلَمَّا اخْتَارَ اللهُ لِنَبِيِّهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ
وَسَلَّمَ دَارَ أَنْبِيَائِهِ
وَمَأْوَىٰ أَصْفِيَائِهِ ظَهَرَتْ
فِيكُمْ حَسِيكَةُ النِّفَاقِ
وَسَمَلَ جِلْبَابُ الدِّينِ
وَنَطَقَ كَاظِمُ الْغَاوِينَ
وَنَبَغَ خَامِلُ الْأَقَلِّينَ
وَهَدَرَ فَنِيقُ الْمُبْطِلِينَ
فَخَطَرَ فِي عَرَصَاتِكُمْ وَ
أَطْلَعَ الشَّيْطَانُ رَأْسَهُ
مِنْ مَغْرَزِهِ هَاتِفًا بِكُمْ
فَأَلْفَاكُمْ لِدَعْوَتِهِ
مُسْتَجِيبِينَ وَلِلْغِرَّةِ
فِيهِ مُلَاحِظِينَ ثُمَّ
اسْتَنْهَضَكُمْ فَوَجَدَكُمْ
خِفَافًا وَأَحْمَشَكُمْ فَأَلْفَاكُمْ
غِضَابًا فَوَسَمْتُمْ غَيْرَ
إِبِلِكُمْ وَأَوْرَدْتُمْ
غَيْرَ شِرْبِكُمْ هٰذَا
وَالْعَهْدُ قَرِيبٌ وَالْكَلْمُ
رَحِيبٌ وَالْجُرْحُ لَمَّا
يَنْدَمِلُ وَالرَّسُولُ لَمَّا

ہدایت پر کمربستہ، بندگانِ خدا کا ناصر، مفید باتیں
پیش کرنے والا۔ اور کوشش اور سعی بلیغ کرنے والا
تھا۔ اور تم لوگ زندگی کی خوشگوار حالت میں پڑے
ہوئے تھے۔ اطمینان اور خوش طبعی کی حالت
میں، بےخوف زندگی بسر کر رہے تھے ہم پر مصیبتیں
آ پڑنے کی آرزو کرتے تھے اور ہمارے لیے فتنوں
اور مصیبتوں کی امید رکھتے تھے، تم لوگ جنگ کے
موقعوں پر پسپا ہو جاتے اور میدانِ جنگ سے بھاگ
جاتے تھے۔ پس جب خداوند عالم نے اپنے پیغمبر
کے لیے گذشتہ انبیاء کے گھر اور اپنے اصفیا کے
مسکن کو پسند فرمایا (آں جناب کو دنیا سے اٹھا لیا)
تم لوگوں میں نفاق اور دشمنی ظاہر ہوئی۔ دین
کی چادر بوسیدہ ہو گئی۔ گمراہوں کی زبان کھل گئی
اور گمنام اور ذلیل لوگ ابھر گئے اور باطل پرستی کا
اونٹ بولنے لگا۔ اس نے تم لوگوں کے صحن میں
اپنی دُم ہلانی شروع کر دی۔ شیطان نے اپنے
گوشے سے سر نکالا، اس نے تمھیں بلانے کے
لیے آواز دی۔ اور اپنی آواز پر تم کو لبیک کہتا ہوا
پایا۔ اپنے فریب کی طرف تم کو نگراں دیکھ لیا۔ پھر
اس نے تم کو اپنی فرمانبرداری کے لیے اٹھنے کا
حکم دیا۔ تو تمھیں فوراً تیار ہونے والا پایا اور تمھیں
بھڑکایا تو اپنی مدد میں تمھیں غضبناک اور تند
پایا۔ لہٰذا تم نے اپنے اونٹ کے بدلے دوسرے
کے اونٹ کو داغا۔ اور اپنا گھاٹ چھوڑ کر دوسرے
کے گھاٹ پر پانی پلایا۔ یعنی جو دوسرے کا حق تھا۔

يُقْبَرُ ابْتِدَاراً زَعَمْتُمْ خَوْفَ الْفِتْنَةِ (أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ) فَهَيْهَاتَ مِنْكُمْ وَكَيْفَ بِكُمْ وَأَنَّى تُؤْفَكُونَ وَهٰذَا كِتَابُ اللهِ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ أُمُورُهُ ظَاهِرَةٌ وَأَحْكَامُهُ ظَاهِرَةٌ وَأَعْلَامُهُ بَاهِرَةٌ وَزَوَاجِرُهُ لَائِحَةٌ وَأَوَامِرُهُ وَاضِحَةٌ قَدْ خَلَّفْتُمُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ أَرَغْبَةً عَنْهُ تُرِيدُونَ أَمْ بِغَيْرِهِ تَحْكُمُونَ (بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ) ثُمَّ لَمْ تَلْبَثُوا إِلَّا رَيْثَمَا تَسْكُنُ نَفْرَتُهَا وَيَسْلَسُ قِيَادُهَا ثُمَّ أَخَذْتُمْ تُورُونَ وَقْدَتَهَا وَتُهَيِّجُونَ جَمْرَتَهَا وَتَسْتَجِيبُونَ لِهُتَافِ الشَّيْطَانِ

اُسے زبردستی اپنا حق بنالیا درانحالیکہ تم سے رسول کے عہد و پیمان کا وقت قریب تھا۔ اور ان کی جدائی کا زخم ہرا تھا۔ جراحت مندمل نہ ہوئی تھی اور رسول خدا دفن تک نہ ہوئے تھے کہ شیطانی کاموں کی طرف تم نے سبقت کی۔ یہ گمان کرکے کہ فتنے کا خوف پیدا ہو گیا تھا۔ حالانکہ یہ گمان غلط تھا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ منافقین پھر بھی فتنے میں جا گرے ہیں۔ اور جہنم بے شک کافروں کا گھیرنے والا ہے۔ تم سے سخت تعجب ہے تمہیں کیا ہو گیا ہے اور تم کہاں حق سے منہ موڑے ہوئے چلے جا رہے ہو۔ یہ خدا کی کتاب تمہارے درمیان موجود ہے۔ اس کے امور ظاہر ہیں اس کے احکام روشن ہیں اور اس کی نشانیاں واضح ہیں۔ اس کی تنبیہیں صاف و علانیہ ہیں۔ اور اس کے اوامر آشکارا ہیں۔ ایسی کتاب کو تم نے پس پشت ڈال رکھا ہے۔ کیا اس سے نفرت کرکے پیٹھ پھیرتے ہو۔ یا غیر قرآن کے ساتھ احکام جاری کرنے پر تیار ہو گئے ہو۔ ظالموں کے لیے ان کے ظلم کا بہت برا بدلہ ہے اور جو شخص کہ اسلام کے سوا کسی اور طریقے پر چلے گا تو وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔ پھر تم نے اتنی بھی تاخیر نہ کی کہ فتنہ کی نفرت ذرا کم ہو جاتی اور اس پر قابو پانا ذرا آسان ہو جاتا بلکہ تم نے پھر آگ کو اور زیادہ بھڑکانا شروع کر دیا۔ اور اس کی چنگاریاں

الْغَوِيِّ وَإِطْفَاءِ نُورِ الدِّينِ الْجَلِيِّ وَإِهْمَادِ سُنَنِ النَّبِيِّ الصَّفِيِّ تُسِرُّونَ حَسْواً فِي ارْتِغَاءٍ وَتَمْشُونَ لِأَهْلِهِ وَوُلْدِهِ فِي الْخَمَرِ وَالضَّرَاءِ وَنَصْبِرُ مِنْكُمْ عَلَى مِثْلِ حَزِّ الْمُدَى وَوَخْزِ السِّنَانِ فِي الْحَشَى وَأَنْتُمُ الْآنَ تَزْعُمُونَ أَنْ لَا إِرْثَ لِي (أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللهِ حُكْماً لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ) أَفَلَا تَعْلَمُونَ بَلَى قَدْ تَجَلَّى لَكُمْ كَالشَّمْسِ الضَّاحِيَةِ أَنِّي ابْنَتُهُ أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ أُغْلَبُ عَلَى إِرْثِي يَا ابْنَ أَبِي قُحَافَةَ أَفِي كِتَابِ اللهِ أَنْ تَرِثَ أَبَاكَ وَلَا أَرِثَ أَبِي لَقَدْ جِئْتَ شَيْئاً فَرِيّاً أَفَعَلَى عَمْدٍ تَرَكْتُمْ كِتَابَ اللهِ وَنَبَذْتُمُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ إِذْ يَقُولُ (وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ) وَقَالَ فِيمَا اقْتَصَّ مِنْ خَبَرِ يَحْيَى ابْنِ زَكَرِيَّا عَلَيْهِمَا السَّلَامُ

تیز کرنے لگے۔ شیطان گمراہ کی آواز پر لبیک کہنے دین روشن کے نور بجھانے اور پیغمبر برگزیدہ کی سنتوں کو محو کرنے پر تیار ہو گئے۔ بظاہر تم نے اسلام اختیار کر رکھا ہے اور در اصل باطن میں نفاق ہے۔ رسول خدا کے اہلبیت اور اولاد کے خلاف گنجان درختوں اور جھاڑیوں میں چھپ کر چال چلنے لگے۔ اور ہم لوگ تمہارے افعال پر یوں صبر کرنے لگے۔ جیسے کوئی چھری کی کاٹ اور نیزے کے سینے میں پیوست ہونے پر صبر کرتا ہے۔ اور اب تم یہ گمان کرنے لگے ہو کہ مجھ کو اپنے پدر بزرگوار کے ترکہ میں کوئی حق وراثت نہیں ہے کیا تم جاہلیت کے احکام پسند کرتے ہو۔ خدا سے بہتر حکم کرنے والا یقین رکھنے والی قوم کے لیے اور کون ہے کیا تم نہیں جانتے نہیں بیشک تم جانتے ہو اور تمہارے لیے یہ امر آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہے کہ میں پیغمبر کی بیٹی ہوں۔ کیوں مسلمانو۔ کیا تم اس پر راضی ہو کہ میری میراث مجھ سے چھین لی جائے اور اے ابو قحافہ کے بیٹے۔ یہ کتاب اللہ میں ہے کہ تو اپنے باپ کی میراث پائے اور میں اپنے باپ کی میراث نہ پاؤں۔ تو نے یہ کیا بری بات پیش کی ہے کیا تم لوگوں نے دیدہ و دانستہ کتاب خدا کو چھوڑ رکھا ہے اور اس کو پس پشت ڈال دیا ہے حالانکہ اس میں ذکر ہے کہ جناب سلیمان اپنے باپ داؤد کے وارث ہوئے۔ اور جناب یحییٰ کے قصے میں حضرت زکریا کی یہ دعا مذکور ہے کہ خداوندا مجھے

إِذْ يَقُولُ (رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ) وَقَالَ (وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ) وَقَالَ (يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ) وَقَالَ (إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ) وَزَعَمْتُمْ أَنْ لَاحَظْوَةَ لِي وَلَا إِرْثَ مِنْ أَبِي وَلَا رَحِمَ بَيْنَنَا أَفَخَصَّكُمُ اللَّهُ بِآيَةٍ أَخْرَجَ مِنْهَا أَبِي (ص) أَمْ تَقُولُونَ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ لَا يَتَوَارَثَانِ أَوَلَسْتُ أَنَا وَأَبِي مِنْ أَهْلِ مِلَّةٍ وَاحِدَةٍ أَمْ أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِخُصُوصِ الْقُرْآنِ وَعُمُومِهِ مِنْ أَبِي وَابْنِ عَمِّي فَدُونَكَهَا مَخْطُومَةً مَرْحُولَةً تَلْقَاكَ يَوْمَ حَشْرِكَ فَنِعْمَ الْحَكَمُ اللَّهُ وَالزَّعِيمُ مُحَمَّدٌ وَالْمَوْعِدُ الْقِيَامَةُ وَعِنْدَ السَّاعَةِ يَخْسَرُ الْمُبْطِلُونَ، وَلَا يَنْفَعُكُمْ إِذْ تَنْدَمُونَ (لِكُلِّ نَبَإٍ مُسْتَقَرٌّ) وَسَوْفَ

اپنے پاس سے ایسا وارث عطا فرما۔ جو میری میراث پائے اور آلِ یعقوب کا ورثہ بھی لے۔ پھر اسی کتاب میں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمھارا رب تمھاری اولاد کے بارے میں تم کو وصیت کرتا ہے کہ میراث کی تقسیم میں ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ دو۔ پھر ارشاد ہے کہ اگر کوئی مرتے وقت مال چھوڑے تو وہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے نیکی یعنی میراث کی وصیت کر جائے۔ خدا تو یہ فرماتا ہے اور تم نے گمان کر رکھا ہے کہ میرا کوئی حق ہی نہیں ہے۔ میں اپنے باپ کی وارث ہی نہیں بن سکتی۔ اور ہم لوگوں کے درمیان کوئی رحمی قرابت ہی نہیں ہے۔ کیا خداوند عالم نے معاملہ میراث میں تم کو کسی آیت کے ساتھ مخصوص کیا ہے جس سے میرے پدر بزرگوار کو مستثنیٰ کر دیا ہے یا تم کہتے ہو کہ دو ملت والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔ تو کیا میں اور میرے والد بزرگوار ایک ملت پر نہیں ہیں۔ شاید تم میرے پدر بزرگوار اور میرے ابن عم (علیؑ) کی نسبت خصوص و عموم قرآن کو بہتر سمجھتے ہو۔ اچھا آج فدک کو اس طرح قبضہ میں کر لو جس طرح مہار و پالان بستہ ناقہ قبضے میں کیا جاتا ہے (اس کے نتائج سے) تو قیامت کے دن اے ابوبکر ملاقی ہوگا۔ اور خداوند تعالیٰ بہت اچھا حکم کرنے والا ہوگا۔ اور محمدؐ ہمارے ضامن و کفیل ہوں گے پس اے ابوبکر میری اور تیری وعدہ گاہ اب قیامت ہے

تَعْلَمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُقِيمٌ) ثُمَّ رَمَتْ بِطَرْفِهَا نَحْوَ الْأَنْصَارِ (فَقَالَتْ) يَا مَعْشَرَ الْفِتْيَةِ وَأَعْضَادَ الْمِلَّةِ وَحَضَنَةَ الْإِسْلَامِ مَا هٰذِهِ الْغَمِيزَةُ فِي حَقِّي، وَالسِّنَةُ عَنْ ظُلَامَتِي، أَمَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَبِي يَقُولُ (الْمَرْءُ يُحْفَظُ فِي وُلْدِهِ) سَرْعَانَ مَا أَحْدَثْتُمْ وَعَجْلَانَ ذَا إِهَالَةً وَلَكُمْ طَاقَةٌ بِمَا أُحَاوِلُ وَقُوَّةٌ عَلَى مَا أَطْلُبُ وَأُزَاوِلُ أَتَقُولُونَ مَاتَ مُحَمَّدٌ فَخَطْبٌ جَلِيلٌ اسْتَوْسَعَ وَهْنُهُ وَاسْتَنْهَرَ فَتْقُهُ وَانْفَتَقَ رَتْقُهُ وَأَظْلَمَتِ الْأَرْضُ لِغَيْبَتِهِ وَاكْتَأَبَتْ خِيَرَةُ اللَّهِ لِمُصِيبَتِهِ وَكُسِفَتِ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَانْتَثَرَتِ النُّجُومُ لِمُصِيبَتِهِ وَأَكْدَتِ الْآمَالُ وَخَشَعَتِ الْجِبَالُ وَأُضِيعَ الْحَرِيمُ وَأُزِيلَتِ الْحُرْمَةُ عِنْدَ مَمَاتِهِ فَتِلْكَ

اور قیامت کے دن باطل پرست گھاٹے میں رہیں گے اور اس وقت کی ندامت تم لوگوں کو فائدہ نہ پہنچائے گی۔ ہر امر کے لیے ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم اس شخص کو معلوم کر لوگے جس پر عذاب نازل ہو کر اُسے رسوا کرے گا اور اس کے لیے دائمی عذاب مقرر ہوگا۔ پھر جناب فاطمہ انصار کی طرف متوجہ ہوئیں اور یہ فرمایا۔ اے جوانمردوں کے گروہ، اے ملت کے دستِ بازو، اے اسلام کی حفاظت کرنے والو، میرے حق میں یہ کیسی سستی ہے۔ اور میری فریاد سے کیسی غفلت ہے کیا میرے پدر بزرگوار تمھارے رسول یہ نہیں فرماتے تھے کہ کسی شخص کی حفاظت اس کی اولاد کی حفاظت کر کے ہوتی ہے، کتنی جلدی تم نے دین میں بدعت پیدا کر دی اور اس کے قبل از وقت مرتکب ہوئے۔ درانحالیکہ تم کو اس بات کی طاقت حاصل ہے جس کا میں مطالبہ کر رہی ہوں۔ اور تم کو قوت حاصل ہے اس چیز پر جو میں تم لوگوں سے طلب کر رہی ہوں ہاں یہ ٹھیک ہے جناب محمد مصطفےٰؐ نے انتقال فرمایا۔ پس یہ بہت بڑی مصیبت ہے جس کا رخنہ وسیع ہے جس کا شگاف بہت زیادہ ہے۔ اور اس کا اتصال افتراق سے بدل چکا ہے۔ زمین ان کی آفات سے تاریک ہو چکی ہے۔ خدا کے برگزیدہ بندے ان کی مصیبت میں محزون و مغموم رہتے ہیں شمس و قمر بے نور اور ستارے پریشان ہیں۔ ان بزرگوار کی ذات سے جو آرزوئیں وابستہ تھیں وہ

وَاللهِ النَّازِلَةُ الْكُبْرٰى
وَالْمُصِيبَةُ الْعُظْمٰى الَّتِي
لَا مِثْلُهَا نَازِلَةٌ وَلَا بَائِقَةٌ
عَاجِلَةٌ اَعْلَنَ بِهَا كِتَابُ اللهِ
جَلَّ ثَنَاؤُهُ فِي اَفْنِيَتِكُمْ
فِي مُمْسَاكُمْ وَ مُصْبَحِكُمْ هِتَافًا
وَصُرَاخًا وَتِلَاوَةً وَ اِلْحَانًا
وَلَقَبْلَهُ مَا حَلَّتْ بِاَنْبِيَاءِ اللهِ
وَرُسُلِهِ حُكْمٌ فَصْلٌ وَقَضَاءٌ
حَتْمٌ (وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ
اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ
عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ
عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللهَ
شَيْئًا وَ سَيَجْزِي اللهُ الشَّاكِرِيْنَ)
اَيْهًا بَنِي قَيْلَةَ ءَاُهْضَمُ
تُرَاثَ اَبِي وَ اَنْتُمْ بِمَرْاٰى
مِنِّي وَ مَسْمَعٍ وَ مُنْتَدًى وَ
مَجْمَعٍ تَلْبَسُكُمُ الدَّعْوَةُ
تَشْمَلُكُمُ الْخُبْرَةُ وَ اَنْتُمْ
ذَوُو الْعَدَدِ وَالْعُدَّةِ
وَالْاَدَاتِ وَالْقُوَّةِ وَعِنْدَكُمُ
السِّلَاحُ وَالْجُنَّةُ تُوَافِيْكُمُ
الدَّعْوَةُ فَلَا تُجِيْبُوْنَ
وَتَاْتِيْكُمُ الصَّرْخَةُ فَلَا

ختم ہو چکیں اس مصیبت میں پہاڑوں کے دل بھی
آب آب ہو رہے ہیں۔ حرمت رسول ضائع کر دی
گئی۔ اور حریم رسول کی عظمت لوگوں کے دلوں سے
اُٹھ گئی۔ پس یہ مصیبت قسم خدا کی بہت بڑی بلا اور
عظیم مصیبت ہے۔ اس کے مثل کوئی اور بلا نہیں
اور نہ اس سے زیادہ ہلاک کرنے والی تیز مصیبت
اور اس بلا کی خبر خدائے برتر کی کتاب میں خود تمہارے
گھروں میں صبح و شام نہایت خوش الحانی کے ساتھ
بلند آواز کے ساتھ پہنچا دی گئی تھی۔ اور بے شک
آں حضرتؐ سے پہلے خدا کے پیغمبروں اور رسولوںؑ
جو مصیبتیں نازل ہوئیں وہ امر واقعی اور قضائی
حتمی تھیں چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ محمدؐ فقط خدا کے
رسول تھے۔ ان کے پیشتر بھی بہت سے رسول
گزر چکے ہیں۔ پس اگر محمدؐ مر جائیں یا قتل ہو جائیں
تو تم لوگ، اپنے پچھلے پیروں اپنے سابق جاہلیت
کے مذہب پر پلٹ جاؤ گے۔ اور جو شخص بھی اپنے
پچھلے پیروں پر پلٹے گا وہ ہرگز خداوند عالم کو کوئی
ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ اور خداوند عالم عنقریب شکر
کرنے والوں کو جزا دے گا۔ اے قبیلہ اوس و خزرج
اے انصار محمد! میرے باپ کی میراث میں ظلم کیا
جاوے۔ درانحالیکہ تم میری آنکھوں کے سامنے ہو۔
اور میں تمھاری آواز سن سکتی ہوں۔ میں اور تم
ایک ہی مجمع میں موجود ہیں۔ تم سب کے سب میرے
قضیے سے واقف ہو۔ تم سب جتھے والے ہو۔ تمھارے
پاس سامان جنگ موجود ہے۔ تم قوت رکھتے ہو۔

تُغِيْثُوْنَ وَ اَنْتُمْ مَوْصُوْفُوْنَ
بِالْكِفَاحِ مَعْرُوْفُوْنَ بِالْخَيْرِ
وَ الصَّلَاحِ وَالنُّخْبَةُ الَّتِي
اُنْتُخِبَتْ وَالْخِيَرَةُ الَّتِي
اخْتِيْرَتْ لَنَا اَهْلَ الْبَيْتِ
قَاتَلْتُمُ الْعَرَبَ وَتَحَمَّلْتُمُ
الْكَدَّ وَالتَّعَبَ وَنَاطَحْتُمُ
الْاُمَمَ وَكَافَحْتُمُ الْبُهَمَ
فَلَا نَبْرَحُ وَ تَبْرَحُوْنَ
نَاْمُرُكُمْ فَتَاْتَمِرُوْنَ
حَتّٰى اِذَا دَارَتْ بِنَا
رَحَى الْاِسْلَامِ وَ دَرَّ
حَلَبُ الْاَيَّامِ وَخَضَعَتْ
نَعْرَةُ الشِّرْكِ وَسَكَنَتْ
فَوْرَةُ الْاِفْكِ وَخَمَدَتْ
نِيْرَانُ الْكُفْرِ وَ هَدَأَتْ
دَعْوَةُ الْهَرْجِ وَ اسْتَوْسَقَ
نِظَامُ الدِّيْنِ فَاَنّٰى حُرْتُمْ
بَعْدَ الْبَيَانِ وَاَسْرَرْتُمْ
بَعْدَ الْاِعْلَانِ وَنَكَصْتُمْ
بَعْدَ الْاِقْدَامِ وَاَشْرَكْتُمْ
بَعْدَ الْاِيْمَانِ (بُؤْسًا لِقَوْمٍ
نَكَثُوْا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا
بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ
بَدَؤُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ

تمھارے پاس حملے کے لیے ہتھیار بھی ہیں اور
سپریں بھی ہیں۔ تم تک میری پکار پہنچ رہی ہے۔
مگر تم لبیک نہیں کہتے۔ تمھارے پاس فریاد کی
آواز آرہی ہے اور فریاد رسی نہیں کرتے۔
درانحالیکہ تم دشمنوں سے مقابلہ کرنے کی طاقت
استعداد رکھتے ہو۔ اور خیر و صلاح کے ساتھ مشہور
و معروف ہو۔ اور تم وہ منتخب افراد ہو اور ایسے
عمدہ ہو کہ تمھیں ہم اہلبیت کے لیے اختیار کر لیا
گیا تھا۔ تم نے عرب سے جنگ کی۔ تعب اور
مشقت برداشت کی۔ دوسری امتوں سے جنگ
کی اور بہادروں کا مقابلہ کیا۔ پس ہمیشہ ہم حکم کرتے
رہے اور تم ہمارا حکم مانتے رہے یہاں تک کہ جب
ہمارے ذریعے سے آسیائے اسلام نے دورہ کرنا
شروع کیا۔ زمانہ کا نفع بڑھنا شروع ہوا۔ شرک
کی آواز دب گئی اور جھوٹ کا فوارہ بند ہو گیا۔ کفر
کی آگ بجھ گئی اور فتنہ و فساد کی آواز بند ہو گئی۔
دین کا انتظام درست ہو گیا تو اب تم حق کے واضح
ہونے کے بعد کہاں اس سے مُنہ موڑ کے جاتے ہو
اور اعلان حق کے بعد اس کی آواز کو چھپاتے ہو۔
آگے بڑھ کے پیچھے ہٹ رہے ہو اور ایمان لانے
کے بعد مشرک ہوئے جاتے ہو۔ خدا بُرا کرے ان
لوگوں کا جنھوں نے اپنے عہد کو توڑا۔ اور رسول کو
نکالنے پر آمادہ ہوئے اور انھوں نے ہماری دشمنی
میں دوسروں کو ملانے کی ابتدا تم سے کی۔ تم ان سے
ڈرتے ہو درانحالیکہ خدا زیادہ حق دار ہے کہ تم

أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ﴾ أَلَا قَدْ أَرَى أَنْ قَدْ أَخْلَدْتُمْ إِلَى الْخَفْضِ وَأَبْعَدْتُمْ مَنْ هُوَ أَحَقُّ بِالْبَسْطِ وَالْقَبْضِ وَرَكَنْتُمْ إِلَى الدَّعَةِ وَنَجَوْتُمْ مِنَ الضِّيْقِ بِالنِّعَمِ فَمَجَجْتُمْ مَا دَعَيْتُمْ وَدَسَعْتُمُ الَّذِيْ تَسَوَّغْتُمْ (فَإِنْ تَكْفُرُوْا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا فَإِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ) أَلَا وَقَدْ قُلْتُ مَا قُلْتُ عَلَى مَعْرِفَةٍ مِنِّيْ بِالْخَذْلَةِ الَّتِيْ خَامَرَتْكُمْ وَالْغَدْرَةِ الَّتِي اسْتَشْعَرَتْهَا قُلُوْبُكُمْ وَلٰكِنَّهَا فَيْضَةُ النَّفْسِ وَبَثَّةُ الصَّدْرِ وَنَفْثَةُ الْغَيْظِ وَتَقْدِمَةُ الْحُجَّةِ فَدُوْنَكُمُوْهَا فَاحْتَقِبُوْهَا دَبِرَةَ الظَّهْرِ نَقِبَةَ الْخُفِّ بَاقِيَةَ الْعَارِ مَوْسُوْمَةً بِغَضَبِ اللّٰهِ وَشَنَارِ الْأَبَدِ مَوْصُوْلَةً بِنَارِ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةِ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ فَبِعَيْنِ اللّٰهِ مَا تَفْعَلُوْنَ (وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

اس سے ڈرو بشرطیکہ تم مومن ہو۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تم آرام طلبی پر مائل ہو گئے ہو۔ اور اس بزرگ (علی) کو دُور کر دیا ہے۔ جو دین کے حل وعقد کا زیادہ حق دار ہے۔ تم زندگی کی تنگی سے نکل کر توانگری میں آ گئے ہو۔ اور دین کی باتیں جو کچھ تم نے یاد کی تھیں ان کو تم نے دماغ سے بالکل نکال کر پھینک دیا ہے اور جس پانی کو شیریں سمجھ کر پیا تھا اس کو تم نے اُگل دیا۔ پس اگر تم لوگ اور تمام اس زمین والے کافر ہو جائیں تو خدا کو کوئی پرواہ نہیں ہے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ اس ترک نصرت کو جانتے ہوئے کہا ہے جو تمھارے مزاج میں داخل ہو گئی ہے۔ اور اس غداری کو جانتے ہوئے کہا ہے جس کو تمھارے دلوں نے چھپا رکھا ہے یعنی میں جانتی تھی کہ تم میری فریاد پر لبیک نہ کہو گے لیکن یہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ غم کا اظہار ہے۔ کھولتے ہوئے دل کی آہ ہے۔ اب یہ ناقہ (حکومت یا دین) تمھارے سامنے ہے اسے لو اس پر پالان باندھو۔ مگر یاد رہے کہ اس کی پشت مجروح ہے اور پاؤں زخمی ہیں۔ اس کا عیب باقی رہنے والا ہے جس پر غضب خدا کی نشانی اور دائمی رسوائی کا نشان ہے خدا کی آگ سے متصل ہے جو بھڑک رہی ہے۔ اور قیامت میں دلوں پر وارد ہو گی۔ پس جو کچھ کرتے ہو یاد کرو گے وہ خدا کی نظر کے سامنے ہے اور عنقریب ظلم کرنے والے جان لیں گے کہ ان کی

أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُوْنَ) وَأَنَا ابْنَةُ نَذِيْرٍ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ۔ (فَاعْمَلُوْا إِنَّا عَامِلُوْنَ وَانْتَظِرُوْا إِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ)

بازگشت کتنی بُری ہو گی۔ میں اس پیغمبر کی بیٹی ہوں جو تم کو تمھارے سامنے آنے والے عذاب شدید سے ڈراتا تھا۔ پس تم اپنا کام کرو۔ اور ہم اپنا عمل کرتے ہیں۔ تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔

جناب فاطمہ علیہا السلام کا یہ کلام سُن کر حضرت ابوبکر اس طرح گوہر افشاں ہوئے اے رسولِ خداؐ کی بیٹی۔ یقیناً آپ کے پدرِ بزرگوار مومنین پر مہربان۔ شفیق رافت و رحمت والے تھے۔ اور کافروں کے لیے دردناک عذاب اور بڑی عقوبت تھے پس اگر ہم ان کا ذکر کریں تو تمام دنیا کی عورتوں میں ان کو صرف آپ کا باپ اور مردوں میں صرف آپ کے شوہر کا بھائی پائیں گے جن کو آں حضرتؐ نے اپنے ہر دوست پر مقدم رکھا تھا۔ اور آپ کے شوہر نے ہر بڑے امر میں آں حضرتؐ کی مدد کی۔ تم اہلبیت کو نہ دوست رکھے گا مگر نیک بخت شخص۔ اور نہ دشمن رکھے گا مگر شقی اور بد بخت۔ تم رسولِ خداؐ کی پاکیزہ عترت اور پسندیدہ افراد ہو۔ تم لوگ خیر کی طرف ہمارے رہبر اور جنت کی جانب ہمارے ہادی ہو۔ اور اے بہترین نساء اور بہترین انبیا کی دختر تم اپنے قول میں سچی اور اپنی زیادتی عقل میں سب سے آگے ہو۔ تم نہ اپنے حق سے روکی جاؤ گی اور نہ سچ بولنے سے باز رکھی جاؤ گی۔ قسم خدا کی نہ تو میں نے رسول اللہؐ کی رائے سے تجاوز کیا ہے اور نہ ان کے بغیر اذن کوئی کام کیا ہے۔ تلاشِ آب و دانہ میں آگے جانے والا اپنے اہل سے جھوٹ نہیں بولتا۔ میں خدا کو گواہ قرار دیتا ہوں اور وہ گواہی کے لیے کافی ہے کہ میں نے رسولِ خداؐ کو یہ کہتے سُنا کہ ہم گروہ انبیاء نہ تو سونے چاندی کو میراث میں چھوڑتے ہیں اور نہ مکان و جائداد، ہم گروہ انبیاء تو کتاب حکمت علم نبوت کو وراثت میں چھوڑ جاتے ہیں۔ اور جو کچھ ہمارا مال ہوتا ہے وہ ہمارے بعد ولی امر کا حق ہے۔ اسے اختیار ہے کہ وہ اس میں اپنا حکم جاری کرے۔ اور تم جو مانگ رہی ہو یعنی فدک اس کو ہم نے جنگی گھوڑوں اور آلاتِ حرب کے لیے مخصوص کر دیا۔ جس کے ذریعہ سے مسلمان کافروں سے قتال و جہاد کریں گے اور سرکش فاجروں کا مقابلہ کریں گے۔

اور یہ چیز میں نے تنہا اپنی رائے سے نہیں کی بلکہ مسلمانوں کی اجماع کی مدد سے کی ہے اور یہ میرا حال و مال آپ کا ہے اور آپ کے سامنے حاضر ہے۔ اسے میں آپ سے دریغ نہ کروں گا۔ آپ اپنے پدر بزرگوار کی امت کی سردار ہیں۔ اور اپنی اولاد کی شجرۂ طیبہ ہیں۔ آپ کی فضیلت کا انکار نہیں ہو سکتا اور آپ کے فرع و اصل کو پست نہیں سمجھا جا سکتا۔ آپ کا حکم اس مال میں نافذ ہے جو میری ملکیت ہے۔ پس کیا آپ سمجھتی ہیں کہ میں نے ان باتوں میں آپ کے پدر بزرگوار کی مخالفت کی ہے۔

حضرت ابو بکر کی یہ باتیں سن کر جناب فاطمہؑ نے فرمایا:۔

سُبْحَانَ اللهِ مَا كَانَ أَبِي رَسُولُ اللهِ (ص) عَنْ كِتَابِ اللهِ صَادِفًا وَلَا لِأَحْكَامِهِ مُخَالِفًا بَلْ كَانَ يَتَّبِعُ أَثَرَهُ، وَيَقْتَفِي سُوَرَهُ أَفَتَجْمَعُونَ إِلَى الْغَدْرِ اعْتِلَالًا عَلَيْهِ بِالزُّورِ وَهٰذَا بَعْدَ وَفَاتِهِ شَبِيهٌ بِمَا بُغِيَ لَهُ مِنَ الْغَوَائِلِ فِي حَيَاتِهِ هٰذَا كِتَابُ اللهِ حَكَمًا عَدْلًا وَنَاطِقًا فَصْلًا يَقُولُ (يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ) وَيَقُولُ (وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ) فَبَيَّنَ عَزَّ وَجَلَّ فِيمَا وَزَّعَ مِنَ الْأَقْسَاطِ، وَشَرَعَ مِنَ الْفَرَائِضِ وَالْمِيرَاثِ وَأَبَاحَ مِنْ حَظِّ الذُّكْرَانِ وَالْإِنَاثِ مَا أَزَاحَ عِلَّةَ الْمُبْطِلِينَ وَأَزَالَ التَّظَنِّيَ

سبحان اللہ میرے پدر بزرگوار نہ تو کتاب خدا سے روگرداں تھے اور اس کے احکام کے مخالف بلکہ اس کے حکم کے تابع اور اس کے سوروں کے پیرو تھے۔ کیا تم لوگوں نے رسول اللہ پر جھوٹ باندھ کر اس کے ذریعہ دغا بازی پر اجماع کر لیا ہے۔ آں حضرتؐ کی وفات کے بعد یہ حرکت ویسی ہی ہے جیسے آں جناب کی زندگی میں ان کو ہلاک کرنے کے لیے جاری تھی۔ یہ کتاب خدا، حاکم، عادل، فیصلہ کن ناطق ہے۔ اس کا ارشاد ہے جیسا کہ حضرت زکریا نے کہا وہ لڑکا میرا بھی ورثہ لے اور آل یعقوب کا بھی ورثہ لے، اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حضرت سلیمانؑ نے جناب داؤد کا ورثہ لیا۔ پس خداوند تعالیٰ نے جو مال کی تقسیم و میراث کی حد مقرر کر دی ہے۔ اور بنی آدم کے مردوں اور عورتوں کا میراث میں جو حصہ قرار دیا ہے اس میں وہ چیز بیان کر دی ہے جو باطل پرستوں کی غلط دلیلوں کو دور کر دے اور آئندہ نسلوں کے گمان اور شبہات کو زائل کر دے۔ بیشک تمہارے

وَالشُّبُهَاتِ فِي الْغَابِرِينَ، كَلَّا بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ)

نفسوں نے تمہارے سامنے ایک بڑے امر کو مستحسن اور خوشنما بنا کر پیش کر دیا ہے۔ پس میرے لیے صبر جمیل ہی مناسب ہے اور جو باتیں تم بنا رہے ہو اس پر خدا ہی سے مدد طلب کی جاوے گی۔

اس پر حضرت ابو بکر اس طرح گہر افشاں ہوئے:۔

خدا بھی سچا، خدا کا رسول بھی سچا، اور رسول کی بیٹی بھی سچی، تم حکمت کا معدن، ہدایت و رحمت کا مسکن اور دین کا رکن ہو۔ تمہاری درست باتوں کو حق سے دور نہیں سمجھتا۔ اور تمہارے کلام کا انکار نہیں ہے لیکن میرے اور تمہارے درمیان یہ مسلمان ہیں۔ جنھوں نے مجھے حاکم بنایا ہے۔ اور میں نے جو کچھ تم سے چھین کر اپنے قبضہ میں لیا ہے۔ وہ ان ہی مسلمانوں کے اتفاق سے ہوا ہے۔ اس میں نہ میں نے ہٹ دھرمی کی ہے اور نہ تنہا اپنی رائے سے کام لیا ہے۔ اور یہ لوگ اس کے گواہ ہیں۔

یہ جواب سن کر جناب سیدہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا:۔

مَعَاشِرَ النَّاسِ الْمُسْرِعَةُ إِلَى قِيلِ الْبَاطِلِ الْمُغْضِيَةُ عَلَى الْفِعْلِ الْقَبِيحِ الْخَاسِرِ (أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا) كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ مَا أَسَأْتُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَأَخَذَ بِسَمْعِكُمْ وَأَبْصَارِكُمْ لَبِئْسَ مَا تَأَوَّلْتُمْ وَسَاءَ مَا بِهِ أَشَرْتُمْ وَشَرَّ مَا مِنْهُ اعْتَضْتُمْ لَتَجِدُنَّ وَاللهِ مَحْمَلَهُ ثَقِيلًا وَغِبَّهُ وَبِيلًا

اے انسانوں کا وہ گروہ جو باطل کا قول اختیار کرنے پر جلدی کرنے والا ہے۔ اور فعل قبیح و نقصان دہ سے چشم پوشی کیے ہوئے ہے۔ کیا تم لوگ قرآن مجید میں غور و فکر نہیں کرتے۔ یا دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔ بیشک تمہارے دلوں پر تمہارے فعل بد کا زنگ چڑھ گیا ہے جس نے تمہارے گوش و چشم کو بالکل بیکار کر دیا ہے۔ جو تاویل تم نے کی ہے وہ بہت بری ہے۔ اور جو اشارہ تم نے کیا ہے وہ بہت لغو و بدتر ہے اور وہ بہت شر عظیم ہے جس کو تم نے حق کے بدلے میں اختیار کیا ہے قسم خدا کی تم اس کے بوجھ کو بہت بھاری اور اس کے انجام کو مصیبت ناک پاؤ گے۔ جب تمہارے

اِذَا كُشِفَ لَكُمُ الْغِطَاءُ
وَبَانَ مَا وَرَاءَ الضَّرَاءِ
وَبَدَا لَكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ
مَا لَمْ تَكُوْنُوْا تَحْتَسِبُوْنَ وَ
خَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ثُمَّ
عَطِفَتْ عَلٰى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَقَالَتْ۔
قَدْ كَانَ بَعْدَكَ اَنْبَاءٌ وَهَنْبَثَةٌ
لَوْ كُنْتَ شَاهِدَهَا لَمْ تَكْثُرِ الْخُطَبُ
اِنَّا فَقَدْنَاكَ فَقْدَ الْاَرْضِ وَابِلَهَا
وَاخْتَلَّ قَوْمُكَ فَاشْهَدْهُمْ وَلَا تَغِبْ

سامنے سے پردے ہٹا دیے جائیں گے۔ اور گھن دار جنگل کی ادھر کی چیزیں سامنے آجائیں گی اور تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھیں وہ سزا ملے گی جس کا تم گمان بھی نہ کرتے تھے اس وقت باطل پرست گھاٹا اُٹھائیں گے۔ یہ فرما کر قبر پیغمبر کی طرف متوجہ ہوئیں۔ اور چند شعر انشا کیے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے:۔

پدر بزرگوار آپ کے بعد نئی نئی خبریں اور مختلف قسم کی باتیں پیدا ہوگئیں۔ اگر آپ ان کے دیکھنے والے ہوتے تو یہ مصیبتیں نہ پڑتیں ہم آپ کے فیض سے اس طرح محروم ہو گئے۔ جس طرح زمین آب باراں سے محروم ہو جاتی ہے آپ کی قوم کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ یہ لوگ کس طرح حق کی راہ سے ہٹ گئے ہیں۔

بلاغات النساء کے مؤلف کہتے ہیں کہ اس دن سے زیادہ رونے والے مرد یا عورتیں ہم نے اور کسی دن نہیں دیکھے۔ سید مرتضیٰ اور شیخ طوسی اپنی روایتوں میں اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات تحریر فرماتے ہیں کہ پھر جناب معصومہ اپنے گھر واپس تشریف لائیں۔ حضرت امیر المومنینؑ ان معظمہ کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے جب حضرت فاطمہؑ کی گھبراہٹ ذرا کم ہوئی تو انھوں نے حضرت علیؑ کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

يَا ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ اِشْتَمَلْتَ
شِمْلَةَ الْجَنِيْنِ وَقَعَدْتَ حُجْرَةَ
الظَّنِيْنِ نَقَضْتَ قَادِمَةَ
الْاَجْدَلِ فَخَانَكَ رِيْشُ الْاَعْزَلِ
هٰذَا ابْنُ اَبِيْ قُحَافَةَ يَبْتَزُّنِيْ

یا علی تم تو اس طرح گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے جس طرح پیٹ کا بچہ جھلی میں چھپا رہتا ہے اور جس طرح ایک تہمت زدہ شخص کسی گوشہ میں چھپ جاتا ہے آپ اس طرح روپوش ہو گئے ہیں۔ ایک دن آپ نے صقر (ایک شکاری پرندہ) کے

نُحَيْلَةَ اَبِيْ وَبُلْغَةَ (وَبُلَيْغَةَ خ ل) اِبْنَيَّ لَقَدْ اَجْهَدَ
فِيْ خِصَامِيْ وَاَلْفَيْتُهُ اَلَدَّ فِيْ
كَلَامِيْ حَتّٰى حَبَسَتْنِيْ قَيْلَةُ
نَصْرَهَا وَالْمُهَاجِرَةُ وَصْلَهَا
وَغَضَّتِ الْجَمَاعَةُ دُوْنِيْ
طَرْفَهَا وَلَا رَافِعَ وَلَا مَانِعَ
وَلَا نَاصِرَ وَلَا شَافِعَ
خَرَجْتُ كَاظِمَةً وَعُدْتُ
رَاغِمَةً اَضْرَعْتَ خَدَّكَ
يَوْمَ اَضَعْتَ حَدَّكَ
اِفْتَرَسْتَ الذِّئَابَ
وَافْتَرَشْتَ التُّرَابَ مَا كَفَفْتَ
قَائِلًا وَلَا اَغْنَيْتَ طَائِلًا
وَلَا خِيَارَ لِيْ لَيْتَنِيْ مِتُّ
قَبْلَ مُنْيَتِيْ وَدُوْنَ ذِلَّتِيْ
عَذِيْرِيَ اللّٰهُ مِنْكَ عَادِيًا
وَفِيْكَ حَامِيًا وَيْلَايَ فِيْ
كُلِّ شَارِقٍ وَيْلَايَ فِيْ
كُلِّ غَارِبٍ مَاتَ الْعَمَدُ
وَوَهَتِ الْعَضُدُ شَكْوَايَ
اِلٰى اَبِيْ وَعَدْوَايَ اِلٰى
رَبِّيْ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اَشَدُّ
قُوَّةً وَحَوْلًا وَاَحَدُّ بَاسًا
وَتَنْكِيْلًا (فَقَالَ) لَهَا

پر اکھیڑے (یعنی بہادروں کو زیر کیا) اور آج آپ کی بے سروسامانی آپ کے ساتھ خیانت کر رہی ہے۔ یعنی آپ مغلوب ہو گئے ہیں۔ یہ ابن ابی قحافہ میرے باپ کے عطیہ اور میرے بچوں کا آزوقہ مجھ سے چھین رہا ہے اُس نے مجھ سے جھگڑا کرنے میں اپنی پوری قوت صرف کی اور میں نے اسے اپنی گفتگو میں بڑا ضدی پایا۔ حد تو یہ ہے کہ انصار نے مجھ سے اپنی نصرت روک لی۔ اور مہاجرین نے صلۂ رحم کا خیال نہ کیا۔ اور پوری جماعت نے میرے حق میں چشم پوشی کو راہ دی۔ حالت یہ ہے کہ نہ تو کوئی دشمن کو دفع کرنے والا ہے نہ ظالم کو روکنے والا ہے، نہ کوئی ناصر ہے، نہ کوئی سفارش کرنے والا ہے۔ میں یہاں سے غصے میں نکل کے گئی تھی۔ اور وہاں سے ذلیل واپس آئی ہوں۔ کیا آپ نے اسی دن اپنے چہرہ کو ذلیل کر دیا جبکہ اپنے حق کو ضائع کر دیا۔ ایک دن تو آپ نے بھیڑیوں کو چیر کے پھینک دیا۔ اور آج زمین کو فرش بنائے بیٹھے ہیں۔ نہ تو آپ نے کسی بولنے والے کی زبان روکی اور نہ کوئی فائدہ پہنچایا۔ اور مجھے کچھ اختیار نہیں کاش میں اپنی اس ذلت و رسوائی کے پہلے مر گئی ہوتی۔ خداوند تعالیٰ آپ جیسے دفع ظلم کرنے والے اور میری حمایت کرنے والے کی خدمت میں میری اس گستاخی کو درگزر فرما دے۔ میرے لیے تو ہر صبح و ہر شام کو آہ و زاری ہی کرنا ہے میرا معتمد مر گیا۔ اور بازو ضعیف ہو گیا۔ میں اپنے

آمِنُوا لِمُؤْمِنِينَ لَا وَيْلَ لَكِ بَلِ الْوَيْلُ لِشَانِئِكِ نَهْنِهِي عَنْ وَجْدِكِ يَا ابْنَةَ الصَّفْوَةِ وَبَقِيَّةَ النُّبُوَّةِ فَمَا وَنَيْتُ عَنْ دِينِي وَلَا أَخْطَأْتُ مَقْدُورِي فَإِنْ كُنْتِ تُرِيدِينَ الْبُلْغَةَ فَرِزْقُكِ مَضْمُونٌ وَكَفِيلُكِ مَأْمُونٌ وَمَا أُعِدَّ لَكِ أَفْضَلُ مِمَّا قُطِعَ عَنْكِ فَاحْتَسِبِي اللهَ (فَقَالَتْ) حَسْبِيَ اللهُ وَأَمْسَكَتْ۔

پدر بزرگوار سے شکایت کرتی ہوں۔ اور خدا کی بارگاہ میں فریاد لے جاتی ہوں۔ خداوندا تو قوت اور حفاظت میں سب سے مضبوط ہے۔ اور عذاب اور ثواب کرنے میں سب سے زیادہ شدت والا ہے۔ اس پر جناب علی مرتضیٰؑ نے فرمایا کہ ویل اور تباہی تمھارے لیے نہیں، بلکہ تمھارے دشمن کے لیے ہے۔ لہذا اے مصطفٰے کی بیٹی اور بقیہ نبوت اپنے غصہ کو پی جاؤ۔ کیونکہ میں نے نہ تو اپنے دین کے مقابلہ میں سستی کی ہے اور نہ اپنے مقدور بھر کوئی خطا کی ہے۔ اگر تم آذوقہ چاہتی ہو تو تمھارے رزق کی ضمانت کرلی گئی ہے اور تمھارا کفیل قابل اطمینان ہے۔ اور تمھارے لیے جو ثواب مقرر ہے وہ اس چیز سے کہیں بہتر ہے جو تم سے لے لی گئی ہے۔ لہذا خدا کو اپنے معاملے میں کافی سمجھو۔ یہ سن کر جناب فاطمہؑ نے فرمایا کہ خدا میرے لیے کافی ہے اور خاموش ہوگئیں۔ [نوٹ]

جناب فاطمہ علیہا السلام کا حضرت علی سے یہ گفتگو کرنا جناب معصومہ کے غیظ و غضب اور رنج و غم کی انتہائی حد کو ظاہر کرتا ہے۔ جو ان کو فدک کے قضیہ کے ظالمانہ فیصلہ سے پیدا ہوا تھا۔ یہ حالت بعینہ وہی تھی جو حضرت موسیٰ پر واقع ہوئی تھی۔ جبکہ آپ میقات سے واپس تشریف لائے۔ اور دیکھا کہ ان کی قوم گوسالہ پرستی کی طرف رجوع کر گئی ہے۔ غصہ میں آکر آپ نے خدا کی عطا کی ہوئی الواح کو پھینک دیا۔ اور اپنے بھائی ہارون کی داڑھی کو پکڑ کر کھینچا۔ درانحالیکہ حضرت ہارون کا کوئی قصور نہ تھا۔ ایسے واقعات ثابت کرتے ہیں کہ ان حضرات میں بشریت کے جذبات موجود تھے۔ اور باوجود بشریت کے انھوں نے روحانیات میں وہ ترقی کی جو کی۔ اگر یہ بشریت نہ ہوتی تو فرشتوں کی مانند ہوتے۔ اور پھر ان کی عبادت و اطاعت الٰہی کو حجت کے طور پر

نوٹ:۔ جناب معصومہؑ کے یہ خطبے ہم نے اعیان الشیعہ الجزء الثانی سید محسن العاملی سے نقل کیے ہیں

بنی نوع انسان کے سامنے نہ پیش کیا جاسکتا۔

علامہ ابن قتیبہ نے واقعات کو اس ترتیب سے لکھا ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قضیۂ فدک پہلے واقع ہوا۔ اور اس کے بعد حضرت عمر کا خانہ فاطمہؑ کے جلانے کے لیے آگ لے جانے کا سانحہ پیش آیا۔ کیونکہ علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ جب حضرت علیؑ کو کشاں کشاں بغرض بیعت ابوبکر کے پاس لے گئے اور حضرت علیؑ نے بیعت سے انکار کیا۔ اور آپ قبر رسولؐ پر فریاد کرنے گئے تو اس کے بعد عمر کی صلاح سے حضرت ابوبکر و عمر دونوں حضرت فاطمہؑ کی خدمت میں اپنا عذر پیش کرنے گئے کہ انھوں نے کیوں فدک چھین لیا۔ لیکن جناب فاطمہؑ نے قبول نہ کیا اور اُن کی طرف سے مُنہ پھیر لیا۔

مفصل گفتگو کے لیے دیکھو کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ الجزء الاول ص۱۴
البلاغ المبین حصہ دوم ص۱۰۳

ہمارے مورخین و مناظرین کو چاہیے کہ جناب فاطمہ علیہا السلام کے ان خطبوں سے جو مطالب اخذ ہوتے ہیں اُن پر غور کریں۔ جناب رسول خداؐ کی ساری تعلیم کا نہایت صحیح الفاظ میں خلاصہ ہیں۔ معرفت الٰہی، عظمت و رفعت نبوت، امامت کی شناخت اور اُس کے فرائض و حقوق، قرآن شریف کی تعلیم اور اُس کے اوامر و نواہی، نماز، روزہ، زکوٰۃ، ایمان کی غرض و غایت اور اُن کی مصلحت، عدل خداوندی پر بھروسہ، حشر و نشر پر ایمان، عاقبت کی سزا و جزا کی طرف امت کی توجہ دلانا، اور اُن کا یقین لوگوں کے دلوں میں پیدا کرنا، کون سی بات ہے جو ان میں نہیں ہے۔ معرفت الٰہی کی تعلیم ایسے مختصر اور جامع الفاظ میں اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ امت اسلامیہ میں گمراہی و ضلالت محض اس وجہ سے پھیلی کہ انھوں نے شان نبوت کو نہ سمجھا جناب فاطمۃ الزہرا علیہا السلام شان نبوت کو اس طرح بتاتی ہیں۔ جناب محمد مصطفٰےؐ کو خداوند تعالیٰ نے اختیار کیا اور منتخب کیا قبل اس کے کہ رسالت کا بار اُن پر ڈالا۔ اور اُن کی بعثت سے پہلے ہی تمام انبیاء کو اُن کی عظمت سے آگاہ کر دیا۔ اور یہ سب اُس وقت ہوا کہ ابھی تمام عالم پردۂ عدم میں تھا۔ پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ یہ اس لیے تھا کہ خداوند عالم کو انجام امور کی خبر تھی اور زمانہ کے حوادث کو اُس کا علم محیط کیے ہوئے تھا۔ یہ تھے محمد مصطفٰےؐ۔ لیکن امت کی اکثریت نے اُنھیں کیا سمجھا کہ اپنی آل کو ہمارے سر پر محبت کی وجہ سے بٹھا رہے ہیں۔ علیؑ کو

اپنا جانشین اس وجہ سے کر رہے ہیں کہ وہ اُن کے داماد ہیں، بھائی ہیں۔ پھر ہم کیوں اُن کے حکم کو مانیں لہذا اُن کے حکم دو قسم کے تھے۔ ایک وہ جن کی اطاعت ہم پر واجب تھی، دوسرے وہ جو منصب نبوت سے باہر تھے۔ ہمارے اوپر فرض نہیں ہے کہ ہم ان احکام کو مانیں۔ لہذا ہم علی کو خلیفہ نہیں مانتے۔ حضرت عائشہ جن کے علم فقہ کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں فرماتی ہیں کہ رات کو بارہ بجے کے قریب جب آں حضرتؐ اٹھ کر باہر چلے تو میں سمجھی کہ کسی عورت کے پاس جا رہے ہیں لہذا میں اُن کے پیچھے ہوئی۔ لیکن آں حضرتؐ قبرستان بقیع کی طرف گئے۔ یہ ہے معرفت نبوت کا فرق۔ اس کے بعد جناب معصومہ عربوں کی بلکہ دنیا کی جاہلیت و گمراہی کا جو قبل بعثت تھی بیان فرماتی ہیں پھر جو کام آں حضرتؐ نے کیا اُس کی تفصیل ہے۔ پھر اہل مجلس کی طرف مخاطب ہو کر کہتی ہیں آں حضرتؐ کی رحلت کے بعد تمہارا کیا فرض ہونا چاہیے تھا۔ تمہارے درمیان میں قرآن ہے۔ اُس کے اوامر و نواہی پر عمل کرو۔ پھر آپ ایمان، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور اوامر و نواہی قرآن کی غرض و غایت بیان فرماتی ہیں۔ پھر امامت کے فرائض و حقوق کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ ہماری اطاعت و امامت تم پر واجب ہے۔ ہماری اطاعت و امامت سے ملت میں مرکز قائم کرنا متصور تھا۔ اور ہماری ہدایت کی وجہ سے تم تفرقہ سے بچو گے پھر آپ جہاد، صبر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے منافع سے آگاہ فرماتی ہیں۔ والدین سے نیکی کرنا، صلۂ رحم قائم رکھنا، زنا و شراب سے اجتناب کرنا، ان کے مصلحت و احکام سے مطلع کرتی ہیں۔ اس کے بعد اپنے اور حضرت علیؑ کے فضائل سے آگاہ فرماتی ہیں۔ حضرت علیؑ نے اپنی جان خطرہ میں ڈال کر اسلام کو پھیلایا۔ مشرکین کو قتل کیا۔ جنگ کی صعوبتیں ثبات قدم کے ساتھ اُٹھائیں۔ درآنحالیکہ تم اُس وقت بھی عیش و راحت کے طالب تھے اور رسولِ خدا کو چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے علیؑ ہی کو ہر بلا و خطرے سے مقابلہ کرنے کے لیے جناب رسولِ خدا نے بھیجا۔ اور علیؑ وہاں سے نہیں پلٹے جب تک، کہ اُن بلاؤں کو اپنے پیر سے نہ کچل لیا۔ اُس وقت بھی تم خوشگوار اور راحت والی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور تمہارے دل میں یہ آرزوئیں تھیں کہ ہمارے اوپر مصیبت پڑے۔ اور تم جنگ سے بھاگ جاتے تھے۔ یہ بہت غور کرنے کی بات ہے

ہم نے جو کچھ "البلاغ المبین" میں کہا ہے اُن سب کو یہ ایک فقرہ ثابت کرتا ہے۔ حضرت علیؑ کے خلاف سازش آں حضرتؐ کے زمانے سے تھی۔ اُن لوگوں کی خواہش تھی کہ حضرت علیؑ پر جو کفار سے لڑ رہے تھے مصیبتیں پڑیں یعنی وہ قتل ہو جائیں گویا کفار کے قاتل کی موت چاہتے تھے۔ نتیجہ نکلا کہ یہ لوگ اُس وقت بھی دل سے مسلمان نہ تھے۔ آں حضرتؐ کی رحلت کے بعد کیا ہوا۔ جناب فاطمہؑ فرماتی ہیں کہ تم لوگوں میں جو نفاق اور ہم سے عداوت تھی وہ ظاہر ہو گئی۔ شیطان گوشہ میں چھپا ہوا تھا۔ اُس نے سر نکالا۔ تم کو آواز دی۔ اور تم نے اُس کی آواز پر لبیک کہی۔ اپنی فرمانبرداری کے لیے تم کو شیطان نے تیار پایا۔ اب تم شیطان کے راستہ پر چل رہے ہو۔ جن لوگوں نے بستر مرگ پر رسولِ خداؐ کو اُن کے آخیر وقت میں یہ کہا تھا کہ حسبنا کتاب اللہ، ان الرجل لیہجر، اور آپ نے فرمایا تھا کہ قوموا عنی اُن لوگوں کو آپ کتاب خدا کی طرف بلاتی ہیں۔ اور کہتی ہیں کہ یہ ہے کتاب خدا ہمارے اور تمہارے درمیان ہے۔ اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ وہ لوگ اعراض کرتے ہیں۔ وہ لوگ اس کتاب خدا کا ذکر کرتے ہیں۔ کب۔ جب رسول خداؐ سے نافرمانی کرنی ہوتی ہے۔ یا شام کے کافروں کو شکست کے عذاب سے بچانا مطلوب ہوتا ہے۔

آپ صاف طور سے کہتی ہیں کہ تم نے اسلام صرف ظاہرا اختیار کر رکھا ہے۔ دراصل باطن میں نفاق ہے۔ رسولِ خداؐ کے اہلبیتؑ اور اولاد کے خلاف تم چالیں چل رہے ہو۔ اس سے یہ بات صاف طور سے عیاں ہو گئی کہ اہلبیت رسولؐ کون ہیں۔ ازواج اُن میں شامل نہیں۔ کیونکہ ازواج کے خلاف یہ لوگ کوئی چالیں نہیں چل رہے تھے۔ فدک کے معاملہ میں آپ نے ایسی عمدہ بحث کی ہے کہ جس کا جواب نہیں ہو سکتا۔ اُس بحث کے بعد حضرت ابوبکر کو مخاطب کر کے فرماتی ہیں کہ ابوبکر اپنے کاموں کے نتائج سے تو قیامت کے دن ملاقی ہو گا۔ خداوند تعالیٰ حاکم ہو گا اور محمد ہمارے ضامن کفیل ہوں گے پس اے ابوبکر میری اور تیری وعدہ گاہ اب قیامت ہے۔ قیامت کے دن باطل پرست گھاٹے میں رہیں گے اور اس وقت کی ندامت تم کو کچھ فائدہ نہ پہنچائے گی۔ ہر امر کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ اور عنقریب تم اس شخص کو معلوم کر لو گے جس پر عذاب نازل ہو کر اُسے رسوا کرے گا۔ اور اس کے لیے دائمی عذاب مقرر ہو گا۔

جناب فاطمہؑ نے انصار سے کتنی فریاد کی ہے۔ اور نصرت چاہی ہے لیکن حکومت اور دنیا کی وجاہت نے ان لوگوں کے اندر سے عربوں کی حمیت کو بھی زائل کر دیا تھا۔ ورنہ عرب قوم ایسی تھی کہ مظلوم عورت کے استغاثہ پر فوراً تیار ہو جاتے تھے۔ لیکن وہ سازش ایسی گہری تھی اور اُس کا اثر ایسا اُن کی طبیعت میں نفوذ کر گیا تھا کہ یہ ذرا ٹس سے مس نہ ہوے۔ جناب فاطمہؑ نے ٹھیک فرمایا کہ رسول کی حرمت ضائع ہو گئی۔ آپ نے یقیناً فرمایا کہ اُن کے اوپر اُن لوگوں نے ظلم کیا تھا۔ حضرت ابوبکر کی لاوارث روایت کے متعلق آپ فرماتی ہیں کہ تم لوگوں نے رسولِ خدا پر جھوٹ باندھ کر اس کے ذریعہ سے دغابازی پر اجماع کر لیا ہے۔ آں حضرتؐ کی وفات کے بعد یہ حرکت ویسی ہی تھی جیسی آں حضرتؐ کی زندگی میں اُن کو ہلاک کرنے کے لیے کی جارہی تھی۔

اس خطبہ میں بھی یہ پیشین گوئی ہے کہ خلافت کو اُس کے مستحق سے ہٹا کر تم اب ہمیشہ ضلالت میں رہو گے۔ یہ پیشین گوئی نہایت صاف اور صریح الفاظ میں اُس تقریر میں ہے جو بسترِ مرگ پر مہاجر و انصار کی مستورات کے سامنے کی تھی۔ اس پیشین گوئی پر ہم اُس جگہ تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

حضرت فاطمہؑ کی منزلت خدا اور رسولؐ کے نزدیک

فاطمۃ الزہرٰا کی جو منزلت خدا اور رسولؐ کی نظر میں تھی وہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس موقع پر اُن صفحات کو دوبارہ پڑھ لیں۔

جنابِ رسولِ خداؐ کے دل میں اپنے رشتہ داروں کا درد

سنتِ رسولؐ کی پیروی اور آں حضرتؐ کے فعل و عمل کی تقلید کا دعویٰ شروع سے ہوتا آیا ہے۔ لہٰذا اس دعویٰ کو بھی مدِ نظر رکھ کر قضیۂ فدک پر تنقید کرنی ضروری ہے۔ جب جنگِ بدر کی شام ہوئی تو کفار قیدیوں کو مسلمانوں نے زنجیروں سے جکڑ دیا۔ جنابِ رسولِ خداؐ کو بڑی رات تک نیند نہ آئی۔ جب اصحاب نے وجہ دریافت کی تو آں حضرتؐ نے فرمایا کہ مجھے عباس کے کراہنے کی آواز بے چین کر رہی ہے۔ اس پر لوگ اُٹھے اور عباس کو کھول دیا۔ اور جنابِ رسولِ خداؐ آرام سے سو گئے[۱۳۶]

[۱۳۶] تاریخ طبری الجزء الثانی صفحہ ۲۸۵، تاریخ ابن ہشامی الجزء الثالث صفحہ ۲۹۹، اُردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۸۷

جنگِ بدر کے بعد جب اہلِ مکہ نے اپنے اسیروں کا فدیہ بھیجا تو حضرت زینب ربیبہ رسولِ خداؐ نے اپنے کافر شوہر ابوالعاص کے فدیہ کے لیے مال بھیجا اس مال میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہ نے زینب کی شادی کے وقت زینب کو دیا تھا جب جنابِ رسولِ خداؐ نے وہ ہار دیکھا تو شدت سے رونے لگے۔ اور اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو زینب کو اس کا اسیر ابوالعاص بھی واپس کر دو اور اس کا مال بھی دے دو۔ لوگوں نے کہا کہ بہتر۔ اور ابوالعاص کو رہا کر دیا۔ اور زینب کا مال بھی واپس کر دیا[۱۳۷]۔

اگر حکام کی رائے میں فدک مسلمانوں کا مال تھا تو کیا اس وقت جنابِ رسولِ خداؐ کے اس فعل کی پیروی نہیں ہو سکتی تھی۔ حضرت فاطمہؑ کا دل خوش ہو جاتا۔ مسلمانوں کو دعا دیتیں۔ اور مسلمانوں کے لیے وہ کوئی چیز نہ تھی۔ باہر سے غنیمت کا اس قدر مال آرہا تھا کہ ان کے لیے فدک کی ضرورت نہ تھی۔

مقدمہ فدک کے فیصلہ پر تنقیدی نظر

اہلبیتِ رسولؐ میں سے ہر ایک بزرگوار نے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اپنے اپنے وقت میں اپنے اپنے طریقے سے اس طرح دینِ حقہ کی تبلیغ کی ہے کہ ذرا سا غور ہمیں یہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ آیہ وافی ہدایہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کے مقصود یہی حضرات ہیں۔ اہلبیتِ رسولؐ میں سے پہلی شہیدۂ ظلم جناب فاطمہؑ ہیں۔ جو طریقۂ جہاد ان کے لیے موزوں تھا۔ اور جو طریقۂ تبلیغ کہ ان کی شان کے لائق تھا اس کو انھوں نے ایسے احسن شکل میں پورا کیا ہے کہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ واقعی یہ بزرگوار سب کے سب خداوند تعالیٰ کی طرف سے مامور تھے۔ آپ کا کام اپنے اثر و نتائج میں اپنے شوہر و فرزندوں کے کام سے کسی طرح کم نہ تھا۔ جنابِ معصومہ کا طرزِ عمل اپنی نوعیت میں ایسا ہی تھا کہ جیسا جنابِ رسولِ خداؐ کا بسترِ مرگ پر تحریرِ وصیت کے لیے قلم دوات طلب کرنا۔ ان دونوں موقعوں پر جماعت مخالفین چکرا گئی۔ اور کچھ نہ سوجھا کہ کیا کریں۔ پہلے موقع پر بھی

[۱۳۷] سیرۃ ابن ہشام الجزء الثانی صفحہ ۲۹۷، تاریخ طبری الجزء الثانی صفحہ ۲۹۱ تاریخ ابن کثیر شامی الجزء الثالث صفحہ ۳۱۲، اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون۔

بات نہ بن سکی اور نہایت بھونڈا فقرہ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَهْجُرُ کہہ گزرے۔ یہ فقرہ جو اپنے پیغمبر و محسن کی نسبت کہا گیا ہے۔ کس طرح دماغی حالت و بے بسی کو ظاہر کر رہا ہے۔ اسی طرح جناب فاطمہؑ نے براہ راست دعویٰ کر کے فریق مخالف کے اصلی مدعا و مقصد کو ایسا بے نقاب کیا کہ اس کو کسی کی ذہانت و ذکاوت و سیاست نہ چھپا سکی۔ حضرت فاطمہؑ نے خود دربار خلافت میں اپنا دعویٰ اصالتاً پیش کر کے بحث کے سارے پہلوؤں کو غیر متعلق بنا دیا۔ آپ نے فرمایا میں رسول کی بیٹی اس خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں کہ جس نے میرے والد بزرگوار محمد مصطفیٰؐ کو مبعوث برسالت کیا کہ جناب رسول خدا نے مجھے فدک ہبہ کر کے دیا تھا۔ اور فدک مع دیگر جائداد رسول خدا یوں بھی وراثت میں مجھ کو ہی پہنچتا ہے میں اپنے دعوے کی صداقت میں ان گواہوں کو پیش کرتی ہوں جن کی شہادت تصدیق رسالت کے لیے خداوند تعالیٰ نے نصاریٰ نجران کے سامنے پیش کی تھی۔ اب صرف ایک ہی سوال رہ گیا ہے۔ اب بتاؤ کہ تم مجھ کو اور میرے ان گواہان کو جھوٹا قرار دیتے ہو یا تسلیم کرتے ہو کہ تم ناحق پر ہو۔ دربار خلافت سے فیصلہ صادر ہوتا ہے کہ ہم تم کو اور تمھارے گواہان کو سچا نہیں سمجھتے لہذا تمھارا مقدمہ خارج کرتے ہیں۔ اس وقت آپ نے ایسا فصیح و بلیغ و مدلل خطبہ ارشاد فرمایا کہ جس کا جواب وہ نہ دے سکے۔ اور نہ ان تیرہ صدیوں میں کوئی اس کا جواب پیدا کر سکا۔ غور کرنے والا دماغ، اور حق کو سمجھنے والا دل چاہیے خود بخود نتیجے نکلتے آئیں گے۔ اس سے بہتر طریقہ تبلیغ حق کا اس صورت حالات کے اندر اور نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے اس فقرہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ کو بھلا دیا۔ جس کے اوپر فریق مخالفت کے مذہب و بحث کا دار و مدار تھا۔ ایسے اوسان خطا ہوئے کہ خود ہی اپنے عمل سے اس فقرے کی تردید کر دی۔ اُس قرآن کے صحیح احکام وراثت کو بھی نظر انداز کرنے پر مجبور ہو گئے۔ جس کی نسبت کہا تھا کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ۔ اب اس کتاب کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اس مقدمہ کی کارروائی اور اس کے فیصلے سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حق کس طرف تھا۔

اب ہم اس قضیۂ فدک پر شہادت کو زیر نظر رکھ کر بحث کرتے ہیں۔ ناظرین کو چاہیے کہ بغیر تعصب مذہبی کے ہماری اس بحث کو غور سے مطالعہ کریں۔

(۱) قضیہ فدک میں سب سے پہلے جس پر نظر پڑتی ہے۔ اور آخر تک جس کی اہمیت نہیں جاتی۔ وہ جناب معصومہ کا خطبہ ہے۔ جو اس فیصلہ کے بعد انصار و مہاجرین کے مشترک جلسے میں بیان ہوا۔ پھر جن الفاظ میں حضرت علیؑ سے جا کر ان لوگوں کی شکایت کی۔ وہ بھی قابل غور ہیں۔ ہم ان پر زیادہ نہیں لکھتے۔ ناظرین کے غور و فکر پر ہم اس کو چھوڑتے ہیں۔ اگر وہ اس پر غور کریں گے تو انھیں معلوم ہو گا کہ اس مقدمہ پر اس سے زیادہ کچھ لکھا ہی نہیں جا سکتا۔ جو بحث جناب معصومہ نے دوران مقدمہ میں حدیث لا نورث اور وراثت کے متعلق کی وہ بھی بہت فکر کے لائق ہے۔

(۲) دوسری بڑی اہمیت کی بات جو ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کو اس مقدمہ کا اختیار سماعت حاصل نہ تھا۔ جناب فاطمہؑ کا مقدمہ یا تو حضرت ابوبکر کے خلاف تھا یا اس حکومت کے خلاف تھا جس کے کارکن اور افسر اعلیٰ حضرت ابوبکر تھے۔ دونوں صورتوں میں حضرت ابوبکر کی خواہش اور خوشی اس میں تھی کہ حضرت فاطمہؑ کا دعویٰ خارج ہو کسی ملک کے کسی قانون میں یہ نہیں ہے کہ خود مدعا علیہ ہی مقدمہ فیصلہ کرے۔ یہ معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا۔ بلکہ جس حدیث کی بناء پر دعویٰ خارج کیا گیا وہ بھی حضرت ابوبکر نے بیان کی۔ حدیث کیا یہ تو مقدمہ خارج کرنے کا بہانہ ہوا۔

(۳) حضرت ابوبکر کو چاہیے تھا کہ یہ مقدمہ کسی قاضی سے فیصلہ کراتے۔ اور اگر خود ہی کرنا تھا تو مسجد میں تمام صحابہ کے سامنے اور ان کے مشورہ سے فیصلہ کرتے۔ جس طرح وہ اور مقدمات فیصلہ کیا کرتے تھے۔ جماعت حکومت کے علماء کی نظر ادھر تو گئی کہ اولاد کی شہادت والدین کے حق میں قبول نہ ہونی چاہیے لیکن مذہبی تعصب نے انھیں یہ نہ دیکھنے دیا کہ مدعا علیہ نے خود دعویٰ کا فیصلہ کیا ہے۔

(۴) یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس دعوے کے خارج ہونے میں حضرت ابوبکر کا ذاتی فائدہ تھا جس طرح کہ یہ جناب رسول خدا کی ذاتی ملکیت تھی حضرت ابوبکر نے اپنے تئیں جناب رسول خدا کا جانشین تصور کر کے اس کو ذاتی ملک بنا لیا تھا کسی روایت سے ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کو یا اس کی پیداوار کو حضرت ابوبکر نے مسلمانوں میں تقسیم کیا ہو۔ اس کا مزید ثبوت مامون الرشید کے حکم نامہ سے ملتا ہے۔ چنانچہ مامون نے جب فدک بنو فاطمہ کا حق سمجھ کر اور حضرت ابوبکر کے فیصلہ کو غلط تصور کر کے بنو فاطمہؑ کو دینا چاہا تو

اس نے لکھا تھا کہ آیندہ سے محمد بن یحییٰ اور محمد بن عبداللہ کو ایسا ہی مالک کامل سمجھنا جیسا کہ میرے غلام مبارک کو سمجھتے تھے۔ گویا مامون الرشید کا غلام خلیفہ کی ذاتی ملکیت ہونے کی وجہ سے اس کی طرف سے قابض تھا صاف عیاں ہوا کہ حضرت فاطمہ کا دعویٰ براہ راست حضرت ابوبکر کے خلاف تھا۔ اور اس دعوے کا مانا جانا حضرت ابوبکر کے ذاتی مفاد کے خلاف ہوتا۔ حضرت علیؑ کے زمانۂ خلافت میں ایک زرہ کے متعلق ایک یہودی میں اور حضرت علیؑ میں تنازعہ تھا۔ وہ مقدمہ حضرت علیؑ نے قاضی کے سپرد کر دیا۔ اور خود بطور مدعی اس کی عدالت میں مدعا علیہ کے برابر جا کر کھڑے ہو گئے۔ انصاف اس کو کہتے ہیں۔

(۵) حضرت فاطمہؑ کا دعویٰ تھا کہ (۱) فدک تو جناب رسول خداؐ نے انھیں ہبہ کر کے دے دیا ہے۔ اور (۲) اقطاع حوالی مدینہ و خمس خیبر میں ان کا حصہ بطور وارث کے ہے۔ یعنی ترکہ رسول خداؐ کی وہ حقدار ہیں۔

(۶) حضرت ابوبکر کو چاہیے تھا کہ حضرت فاطمہؑ کی سچائی پر یقین کر کے دعویٰ کو قبول کر لیتے۔ جس طرح انھوں نے دیگر صحابہ کے ایسے ہی دعوے محض ان کے بیان پر اعتبار کر کے ان کے حق میں فیصلہ کر دیے۔

(۷) خود حضرت ابوبکر و حضرت زبیر، عبدالرحمن ابن عوف، ابودجانہ اور دیگر حضرات کو آں حضرتؐ نے بنو نضیر کی جاگیریں ہبہ کر دی تھیں۔ وہ اسی طرح کی آراضیات تھیں جس طرح کہ فدک کی تھیں۔ یعنی آں حضرتؐ کی اپنی ملکیت تو ان اصحاب سے کیوں نہ ہبہ کی شہادت طلب کی اور کیوں نہ ان کی آراضیات پر قبضہ کر کے ان کو بے دخل کر کے انھیں دعویٰ کرنے پر مجبور کیا۔ ایک کوٹھے پر دو ہواؤں کے کیا معنی۔

(۸) جناب فاطمہؑ نے شہادت پیش کی۔ اب ہم اس شہادت پر غور کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر کے اس فیصلہ ہبۂ فدک کی توثیق مندرجہ ذیل تین وجوہات سے کی جاتی ہے۔

ا۔ نصاب شہادت پورا نہ تھا۔

ب۔ حضرت علیؑ و حضرت حسنین علیہم السلام کی شہادت رشتہ داری کی وجہ سے قابل قبول نہیں۔

ج۔ حضرت حسینؑ اور ام کلثوم صغیر سن تھے۔

ان وجوہات پر غور کرتے ہیں۔

نصاب شہادت کی ضرورت ہی کیوں ہو۔ نصاب شہادت تو وہاں دیکھا جاتا ہے کہ جہاں دو فریقین میں تنازعہ ہو۔ یہاں دو فریقین ہی ابھی موجود نہ تھے۔ حضرت ابوبکر تو قاضی اور منصف و حاکم کی حیثیت میں تھے۔ ابھی مدعا علیہ تو کوئی نہ تھا۔ جو تردید کرتا۔ جب تردید ہی کوئی نہ تھی تو پھر نصاب شہادت دیکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر اور ان کے مقلدین انھیں مدعا علیہ ہی سمجھتے تھے اور بطور مدعا علیہ ہی کے دعوے کے لیے ثبوت طلب کیا۔ اور اپنی طرف سے لاوارث حدیث بیان کی۔ یہ کس ملک کے قانون میں جائز ہے کہ مدعا علیہ ہی فیصلہ کر دے۔ اگر اس مقدمہ میں حضرت ابوبکر کو حاکم سمجھتے ہو تو ان کو چاہیے تھا کہ جملہ مسلمانوں کے جلسۂ عام میں دعویٰ مدعیہ سناتے اور ان سے عذرات طلب کرتے۔ ممکن ہے کہ وہ سب دعوے مدعیہ کو تسلیم ہی کر لیتے تو پھر شہادت کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ حاکم کو تو محض اپنی تسلی کر لینی چاہیے کہ یہ شخص سچ بول رہا ہے۔ اس کے لیے نصاب شہادت کی ضرورت نہیں کیونکہ مدعیہ کے دعوے کا انکار کرنے والا اور کوئی نہیں تھا۔ حضرت ابوبکر کی تسلی کے لیے کافی ثبوت تھا۔ سیکڑوں ایسی احادیث رسول تھیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ علیؑ و فاطمہؑ کبھی جھوٹ نہ بولیں گے۔ آں حضرتؐ کی چند احادیث پر غور کرو۔

ا۔ فاطمہؑ جنت کی عورتوں کی سردار ہے۔

ب۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ حضرت فاطمہؑ سے زیادہ میں نے کسی کو سچا نہیں دیکھا تھا۔ علیؑ و قرآن دونوں قیامت تک ساتھ رہیں گے۔ کبھی ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں گے۔

د۔ جدھر علی پھرتا ہے ادھر حق پھرتا ہے۔ اس سے زیادہ کن الفاظ میں حضرت علیؑ کی صداقت کو بیان کیا جاتا۔

ہ۔ آیۂ تطہیر۔

و۔ ان ہی بزرگوں کو مباہلہ کے لیے بلایا گیا۔ کیونکہ وہاں جھوٹوں پر لعنت ہوتی تھی۔

ز۔ علی صدیق اکبر اور فاروق اعظم ہے۔

ح۔ اگر ان پر صلوٰۃ و درود نہ بھیجا جائے تو نماز قبول نہیں ہوتی۔

ط۔ ان سے محبت کرنا اجرِ رسالت ادا کرنا ہے۔

ی۔ یہ تو فدک تھا۔ حضرت علیؑ نے ترادائیگی قرض کے سامنے خلافت کو لات ماردی۔ سقیفہ بن ساعدہ میں خلافت اچھلتی رہی لیکن علیؑ نے پہلوئے رسولؐ چھوڑا۔ ایسے علی کی نسبت گمان کرنا کہ وہ فدک کی آمدنی کے لیے جھوٹ بولے گا کیسا بیہودہ خیال ہے۔ ذرا مسٹر گاندھی، جواہر لال نہرو، پنڈت مدن موہن مالوی کی نسبت یہ کہہ کر تو دیکھو کہ وہ جھوٹے تھے۔ دیکھو ہندو کیا کہتے ہیں۔ حضرت ابوبکر کے اس طرزِ عمل کو دیکھ کر محض ایک صحابی کے کہنے پر کہ رسولِ خداؐ نے اس سے وعدہ کیا تھا اشرفیوں کی لپیں بھر کر دے دیں۔ حضرات اہلسنت وجماعت نے اپنے فقہ کا اصول رکھا ہے کہ ایک صحابی عادل کی گواہی کافی ہے [۱۳۸] کیا حضرت علیؑ عادل نہ تھے۔ حضرت خزیمہ بن ثابت کو ذوالشہادتین کہتے ہیں۔ ان کی ایک گواہی دو آدمیوں کے برابر سمجھی جاتی تھی۔ کیا حضرت علی ان سے بھی گئے گزرے ہوئے۔

شہادت تو ایک ذریعہ ہے مقصد تو دریافتِ حق ہے۔ نصابِ شہادت معمولی حالات کے لیے رکھا گیا ہے۔ اس سے وہ صورتیں مستثنیٰ ہیں جن میں حاکم کو واقعات کا علم حقیقی ہو۔

کیا آپ کو یہ کہنا گوارا ہوگا کہ امام ابوحنیفہ، امام احمد حنبل، امام بخاری، حضرت غوث اعظم، امام مسلم یا ان اولیاؤں میں سے کسی ایک نے جن کی فہرست بہت طویل ہے اپنے مفاد ذاتی کے لیے جھوٹ بولا تھا۔ اگر وہ جھوٹ نہیں بول سکتے تو کیا حضرت علیؑ جھوٹ بول سکتے تھے؟ مسلمانو! غور تو کرو۔ خدا کو جان دینی ہے۔ انصاف بھی کچھ چیز ہے۔ قرآن شریف میں انصاف کرنے کی کتنی تاکید ہے۔ حضرت ابوبکر نے ایامِ حج میں عام منادی کرادی کہ جس کے ساتھ رسولِ خداؐ نے کچھ وعدہ کیا ہو وہ مجھ سے آن کر وہ وعدہ پورا کرالے۔ لوگ آتے تھے اور جو وعدہ اپنے منہ سے بیان کرتے تھے وہ پورا کیا جاتا تھا صرف ان کی ہی زبان پر لپیں بھر بھر کر زر و جواہرات دیے گئے۔ جاگیریں دی گئیں۔ نہ گواہ نہ شاہد۔ نہ تنقید نہ نصابِ شہادت کا اصرار۔ لیکن دخترِ رسولؐ آن کر جو دعویٰ کرتی ہے تو شہادت پیش کردہ پر تنقید کی جاتی ہے

[۱۳۸] فتح الباری شرح بخاری پارہ ۹ صفحہ ۲۲، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۴۰۵

اور نصابِ شہادت بھی یاد آجاتا ہے اور آخر میں فیصلہ کیا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہؑ اور ان کے گواہوں کے بیان قابلِ اعتبار نہیں لہٰذا دعویٰ خارج۔ آخر اس کا سبب کیا ہے؟ آلِ رسولؐ کو کیوں اس قدر ذلیل کیا جاتا ہے؟ صرف اس وجہ سے کہ حضرت فاطمہؑ کا شوہر اس حکومت کا مدعی ہے کہ جس پر تم نے قبضہ کر لیا ہے۔ ڈر یہ ہے کہ آج اگر ہم فدک کے معاملے میں جنابِ فاطمہؑ کو سچا سمجھ لیں تو کل آن کر یہ دعویٰ نہ کر دیں کہ علیؑ کو رسولِ خدا نے اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا پھر ہم کس منہ سے ان کو جھوٹا کہیں گے۔

جنابِ فاطمہؑ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں حضرت علیؑ کو پیش کیا۔ حضرت ابوبکر نے دوسرا گواہ مانگا۔ اس پر ام ایمن کو پیش کیا۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ نصابِ شہادت پورا نہیں ہوا۔ ان کے علاوہ امام حسنؑ و امام حسینؑ و ام کلثوم نے بھی حضرت فاطمہؑ کے حق میں گواہی دی۔ وہ شہادت اس وجہ سے باطل سمجھی گئی کہ اولاد اور کم سن بچوں کی شہادت اپنے والدین کے حق میں قابلِ قبول نہیں۔ رباح غلام رسولِ خداؐ بھی گواہی میں پیش کیے گئے۔ انھوں نے بھی حضرت فاطمہؑ کے حق میں شہادت دی [۱۳۹]

بچوں کی شہادت یوں رد ہوگئی کہ وہ بچے تھے۔ اب رہ گئے ام ایمن و حضرت علیؑ ان سے نصاب نہیں پورا ہوتا لیکن حضرت فاطمہؑ کا بھی تو بیان تھا۔ تعجب ہے کہ اس گئے گزرے زمانے میں عیسائیوں کے عہد میں تو مدعی بھی ایک گواہ سمجھا جاتا ہے اور بطور گواہ وہ اپنا بیان دے سکتا ہے۔ یہ قاعدہ اس اصول پر مبنی ہے کہ انسان اگرچہ مدعی ہو پھر بھی وہ سچ بول سکتا ہے۔ اس قاعدہ میں بنی نوع انسان کی عظمت ہوتی ہے لیکن اس زمانے کی اسلامی حکومت نے حضرت فاطمہؑ کے بیان کو شہادت میں نہ رکھا کیونکہ اگر وہ شہادت میں رکھ لیتے تو نصاب پورا ہو جاتا۔ ان کا یہ قاعدہ اس اصول پر مبنی تھا کہ انسان اگر اپنے حق میں بیان دے تو وہ کسی صورت میں قابلِ اعتبار ہو ہی نہیں سکتا۔ گویا جہاں ذاتی منفعت کا خیال درمیان میں آیا۔ انسان ضرور جھوٹ بولے گا۔ دیکھا آپ نے بنی نوع انسان کی عزت کو کتنا گرا دیا۔

[۱۳۹] فتوح البلدان بلاذری مطبوعہ مصر صفحہ ۴۴، ۴۵۔ ابن حجر مکی۔ صواعق محرقہ باب الاوّل فصل الخامس صفحہ ۲۳۔ سید نور الدین سمہودی:- وفاء الوفا الجزء الثانی باب السادس فصل الثانی صفحہ ۱۵۷۔ ابراہیم بن عبداللہ الوصابی کتاب الاکتفاء۔ ابن حزم اندلسی کتاب محلّی۔

انھوں نے یہ کلیہ قائم کیا کہ اولاد کی گواہی اپنے والدین کے حق میں قابلِ قبول نہیں۔ اچھا یہی سہی۔ فدک گیا تو جانے دو۔ ہم آپ سے کہتے ہیں کہ اسی کلیہ پر قائم رہو۔ کہیں تو جم جاؤ۔ کسی جگہ سے پیر نہ اکھاڑو۔ کلیہ تو آپ نے قائم کر دیا۔ اب اس میں یہ دقت آپڑے گی کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے فضائل کی جتنی احادیث ہیں اُن کے اکثر کے راوی حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ ابن عمر ہیں۔ حضرت ابوبکر کی امامت نماز بدوران مرض رسول کی تو واحد راوی یہ حضرت عائشہ ہیں۔ یہ بڑی دقت ہے۔ یہ اس وقت حل ہوگی کہ جب یہ استثنا قائم کیا جاوے کہ اگرچہ اس کلیہ سے اولادِ رسول مستثنیٰ نہیں ہے لیکن ان کے سقیفی خلیفہ کی اولاد مستثنیٰ ہے۔ اور یہ استثنا تو قائم ہو ہی گیا۔ جب ان دونوں بزرگوں کی شہادت فضیلت اپنے اپنے باپ کے حق میں بلا عذر قبول کی جاتی ہے۔ در اصل بات یہ ہے کہ عقل و تعصب میں اُتنی ہی مغائرت ہے کہ جتنی عقل و عشق میں حکماء بیان کرتے ہیں اور کیوں نہ ہو تعصب بھی تو جائز محبت ہی کا نام ہے۔

حضرت عیسیٰؑ نے پیدا ہوتے ہی اپنی ماں کی عصمت کی شہادت دی۔ اگر صغر سنی یا اولاد ہونا مانع شہادت ہوتا تو خداوند تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ سے یہ شہادت نہ دلواتا۔ اور یہودیوں کو بھی یہ نہ سوجھی کہ یہ عذر اُٹھاتے۔ جناب رسولِ خداؐ نے اپنی رسالت کی شہادت بروز مباہلہ، اپنی لڑکی، اپنے داماد، اور اپنے نواسوں سے دلوائی اور کسی نے نہ صغر سنی کا عذر اٹھایا اور نہ اولاد ہونے کا۔ اور خداوند تعالیٰ نے بھی اس رشتہ داری و صغر سنی کو مانع شہادت نہ سمجھا۔ معلوم نہیں یہ دونوں عذر کس بنا پر اُٹھائے گئے۔ قرآن و احادیث سے تو ان عذرات کو مدد نہیں ملتی۔

(۹) ہبہ سے انکار کرنا حضرت ابوبکر کے لیے جائز نہ تھا۔ اس سے تو ورثاء کا آپس میں تعلق تھا۔ اس کو ہم مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔ متوفی کے کئی ورثاء ہیں۔ ان میں سے ایک وارث دعویٰ کرتا ہے کہ منجملہ جائداد کے ایک باغ متوفی نے مجھے ہبہ کر کے دیدیا تھا۔ اس دعوے کا اثر محض ورثاء پر پڑتا ہے کسی شخص غیر پر نہیں پڑتا۔ جناب رسولِ خداؐ کے ورثاء میں سے اس وقت کسی وارث نے دعویٰ فاطمہؑ کی تردید نہیں کی بلکہ اس کے بعد بھی کبھی تردید نہیں کی۔ دیگر ورثاء مدعا علیہم بھی نہ تھے۔

پھر حضرت ابوبکر کو ہبہ کی شہادت طلب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر تحقیقات مطلوب تھی تو دیگر ورثاء کو طلب کر کے ان سے پوچھتے۔ اگر وہ مان لیتے تو معاملہ ختم تھا۔

(۱۰) اس کا یہ جواب درست نہ ہوگا کہ بطور جانشین رسولؐ کے حضرت ابوبکر بھی آں حضرتؐ کے ایک وارث تھے۔ وہ اگر وارث تھے تو حکومت کے وارث تھے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ابھی تک بلکہ اس کے بعد بہت عرصہ تک فقہ اسلام میں حکومت کی ملکیت کا تخیل پیدا نہیں ہوا تھا۔ حکومت کی اپنی ملکیت کی کوئی آراضی یا جائداد نہیں ہوتی تھی۔ خیبر کی آراضیات اسی وقت آں حضرتؐ نے لوگوں میں تقسیم کر دی تھیں اور کوئی جائداد ایسی نہ تھی کہ جو حکومت کے قبضہ میں ہو سکتی۔ جو شے حکومت کے قبضے میں آتی تھی فوراً مسلمانوں میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ لشکریوں کو تنخواہ دینے کا دستور ابھی نہیں ہوا تھا مسلمانوں کی ساری قوم ایک لشکر تصور ہوتا تھا۔ غرضکہ آں حضرتؐ کے وقت تک حکومت کی کوئی جائداد نہ تھی جس کے وارث حضرت ابوبکر ہوتے۔ حدیث لا نورث کا پیش کرنا ہی ثابت کرتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے جائداد متنازعہ کو جناب رسول خداؐ کی ذاتی ملکیت تو مان لیا۔ صرف یہ عذر پیش کیا کہ یہ ورثہ کے قانون میں نہیں آتا اگر رسولِ خداؐ عام حاکم ہوتے پیغمبر نہ ہوتے تو یہ آراضیات ورثہ میں تقسیم ہو جاتیں۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ یہ حکومت کی مِلک نہ تھیں اور حضرت ابوبکر ان کے وارث نہ تھے۔

(۱۱) حدیث لا وارث کی رو سے یہ جائداد متنازعہ مسلمانوں کی صدقہ ہوئی تو پھر حضرت ابوبکر نے کیوں دیگر صدقات کی طرح اس کو مسلمانوں میں نہ تقسیم کیا۔

(۱۲) اب ہم اس لا وارث حدیث پر تنقید کرتے ہیں۔ یہ حدیث اس طرح ہے:-
نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ یعنے ہم گروہِ انبیاء نہ کسی سے میراث لیتے ہیں اور نہ ہم سے کوئی میراث پاتا ہے۔ ہم جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ اس قسم کی احادیث کی صحت کی تحقیقات کے لیے چند قواعد و ضوابط ہیں۔ وہ ہم نیچے درج کرتے ہیں:-

(ا) کیا یہ حدیث عقلاً درست ہے اور اس کے قبول کرنے سے محالاتِ عقلی تو پیدا نہیں ہوتے یا ایسے نتائج تو نہیں نکلتے جو صریحاً خلافِ عقل و انصاف و شرع ہوں۔

(ب) قرآن شریف کے مضمون و احکام کے تو خلاف نہیں ہے۔

(ج) وہ کیا مواقع اور وجوہات تھیں جب یہ حدیث بیان ہوئی۔
(د) اس حدیث کے مضمون کی تکرار آں حضرتؐ نے پھر کبھی دوبارہ کی یا نہیں۔
(ہ) کیا کبھی اس حدیث کی تردید ہوئی اور کسی صحابی نے اس کی صحت سے انکار کیا۔
(و) کیا اس کے معارض کوئی اور حدیث بھی ہے یا آں حضرتؐ کا فعل اس کے معارض تھا۔
(ز) اس حدیث کے راوی کون کون ہیں کیا غلط بیانی کے لیے انھیں کوئی ترغیب تو نہ تھی۔ یا نسیان کا امکان تو نہ تھا۔
(ح) تعداد و ثقہ رواۃ
(ط) انبیاء سابقہ کے نظائر سے اس حدیث کی تردید تو نہیں ہوتی۔
اب ہم ان قواعد وضوابط کی رو سے اس لاوارث حدیث کی جانچ پڑتال کرتے ہیں۔

(۱) خلاف عقل و عدل

فقہ اسلام میں یہ مسلمہ امر ہے کہ نبی و رسول میں فرق ہوتا ہے۔ یہاں صرف انبیاء کا ذکر ہے۔ کیا رسول اس سے مستثنیٰ ہیں۔ قانون کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے الفاظ میں کچھ شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ جنھوں نے قانون اور اصول قانون پڑھے ہیں وہ اس سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔

آں حضرتؐ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس وقت نبی تھا کہ ابھی آدم جسد و روح کے درمیان تھے یعنی مخلوق نہیں ہوئے تھے۔ حضرت عیسیٰ نے بھی بحالت طفلی فرمایا تھا کہ میں نبی ہوں۔ ایک نبی کا باپ مرجاتا ہے جب کہ اس کا نبی بیٹا بچہ ہی ہے۔ اب بتائیے کہ وراثت کس طرح تقسیم ہو۔ کیا شناخت ہے کہ یہ بچہ نبی ہوگا۔ اور اگر اس بچے کو وراثت سے محروم کر دیا تو اس کی کفالت کس مال سے ہوگی۔ اس کے بھائی صغیر السن ہیں یا غریب ہیں۔ چچا کوئی نہیں۔ اب اس کی پرورش کیونکر ہو۔

فرض کرو کہ لاعلمی میں اس بچے کو ورثہ مل گیا۔ اب اس کی بعثت ظاہر ہوئی تو اس کو چاہیے کہ سارا مال واپس کر دے۔ اس کے ورثا کافر ہی ہوں گے۔ ان کو واپس ہی کرنا پڑے گا۔ امت تو ابھی ہوئی نہیں جو ان میں تقسیم کر دے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ یک لخت فقیر ہو گیا۔ آگے چل کر اگر امت ہوئی اور امت میں سے کسی نے رحم کھا کر

اسے کچھ دیدیا تو خیر ورنہ بھوکوں مرے گا۔ اور جب تک اُمت نہ ہوگی وہ شہر کی گلیوں میں بھیک مانگتا پھرے، وہ سب لوگ کافر ہی ہوں گے بصورت عالت یہ ہوئی کہ کافروں کے محلہ میں جاکر گداگری بھی کرے اور ان کے خداؤں کو بُرا بھلا بھی کہے۔ وہ کافر اسے بھیک کیوں دیں گے۔ وہ تو کہیں گے کہ کل کا مرتا آج مرجائے۔ عجیب حالت ہوئی۔ اُمت ہے نہیں جو نذرانہ دے۔ کافر بھیک تک نہیں دیتے مزدوری کیا دیں گے اور امت ہوئی تو بس ان کے رحم پر صبح ہوتی ہے اور ان کے رحم پر شام ہوتی ہے۔ پیغمبر کو اس طرح امت کا محتاج رکھنا مشیت الٰہی میں تو نہیں ہو سکتا تھا۔ سیاست عمرؓ کا یہ ایک گُر ہو تو ہو۔ انبیاء سابقہ کی تاریخ میں تو ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اگر باپ سے پایا ورثہ پیغمبر رکھ بھی لے تو پھر یہ ہوگا کہ اس نے تو باپ اور مردہ بھائیوں کا اور دیگر ورثہ کا حصہ لے لیا۔ جب خود مرا تو اس کا سارا مال و متاع اس کی اُمت لے گئی۔ اس کے بھائی، بیوہ بچے اور دیگر ورثا دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور اگر بچے کم سن ہیں تو بیوہ و بچوں کی خبرگیری بھی اس کے باقیماندہ بھائیوں پر پڑی۔ پیغمبر کا ورثہ تو ملا نہیں پیغمبر کی بیوہ اور بچوں کو پالنا پڑا۔ یہ تو ظلم صریح ہے اگر وہ پرورش نہ کریں تو پیغمبر کے بیوی بچوں کو باہر سڑک پر نکال دو۔ گھر بھی تو صدقہ بن کر اُمت کے پاس چلا گیا۔ اب ان بچوں کے لیے کوئی چارہ کار نہیں۔ سوائے اس کے کہ گلی کوچوں میں بھیک مانگتے پھریں۔ پیغمبر کی آل کو اس طرح ذلیل کرنا خداوند تعالیٰ کی مشیت میں تو ہو نہیں سکتا۔ ہاں کارکنان سقیفہ بنی ساعدہ کی سیاست کا یہ ایک جزو ہو تو ہو۔ اور لطف یہ ہے کہ امت پر کہیں یہ فرض عائد نہیں کیا گیا کہ پیغمبر کو یا اس کی اولاد کو اپنی آمدنی کا ایک معین حصہ دیا کریں۔ مسائل پوچھنے سے پہلے ایک ذرا سی رقم کی ادائیگی لگا دی گئی تھی۔ وہ تو ادا نہ ہو سکی۔ اور آیت نجویٰ کو منسوخ کرنا پڑا۔ اگر یہ فرض عائد ہو جاتا تو اسے کون پورا کرتا۔ یا پیغمبر کے لیے یہ حکم ہوتا کہ خبردار عورت کے پاس نہ جانا۔ تمھارے لیے بیوی بچے حرام ہیں۔ قانون کے لیے جامعیت پہلی شرط ہے یعنی یہ کہ وہ ہر صورت حالات پر حاوی ہو سکے۔ اس لاوارث حدیث کا یہ نتیجہ نکلا کہ پیغمبر کے مرنے پر امت اس کے مال و متاع کی تو مالک ہو جائے مگر امت پر یہ فرض نہیں کہ اس کے بچوں کی پرورش کرے۔ بیوی بچے بھی کافی ہوں گے۔ لونڈیوں کی بھی اجازت ہوتی ہے جب وہ

مرتا ہے۔ دس پندرہ بچے تو ہوں گے۔ کچھ صغیر سن کچھ قریب بلوغت۔ شام کو یہ خدا کے بندے اپنے تئیں سڑک پر پڑا ہوا پاتے ہیں۔ گھر دیار لٹا ہوا۔ روٹیوں سے محتاج۔ اُمّت کی جان و مال اور پیغمبر کی روح کو دعا دیتے ہوئے صبح کرتے ہیں کسی نے روٹی آگے ڈال دی تو جان بچے گی۔ ورنہ موت تو سامنے کھڑی ہی ہے۔ یہ ہے اس حدیث کا نتیجہ۔ یہ بھی نہیں پتہ چلتا کہ یہ حدیث جائداد منقولہ و غیر منقولہ دونوں کے لیے ہے یا صرف جائداد غیر منقولہ کے لیے۔ کوئی وجہ اس فرق کی نہیں معلوم ہوتی۔ اگر منقولہ کے لیے ہے تو جائدادِ منقولہ حضرت ابوبکر نے کسی سے نہیں لی۔

(ب) خلاف قرآن۔

قرآن کے احکامِ وراثت کے یہ حدیث قطعی خلاف ہے۔ کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ انبیاء کے ورثا کیوں محروم الارث کیے جاویں اس کی وجہ نہ حدیث متنازعہ میں بیان ہوئی اور نہ عقل میں آتی ہے۔ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ آیہ شریفہ وآتِ ذا القربیٰ حقّہٗ کی تفسیر میں جملہ مفسرین متفق ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جنابِ رسولِ خداؐ نے حضرت فاطمہؑ کو بلایا اور فدک ان کو ہبہ کر دیا۔ اگر آں حضرتؐ کی جائداد میں اولاد کا حق نہ ہوتا تو یہاں حقّہٗ کا لفظ نہ استعمال ہوتا۔ انبیاء اس شریعت کے کیوں نہ پابند ہوں جس کی تلقین وہ امت کو کرتے ہیں۔ بہت سے ایسے انبیاء ہوئے ہیں جو خود اپنی شریعت نہیں لائے بلکہ اپنے سے پہلے کے انبیاء کی شریعت کے پابند تھے جب وہ اپنی شریعت نہیں لائے تو ان سے پہلے کی شریعت کی پابندی سے ان کو کس نے نکالا؟ ممکن ہے کہ یہ عذر کیا جاوے کہ جنابِ رسولِ خداؐ کی شریعت میں چار سے زیادہ بیویوں کی اجازت نہیں اور آں حضرتؐ نے نو بیبیاں چھوڑیں۔ جب شریعت کے ایک حکم سے آزاد ہیں تو دوسرے حکم سے بھی آزاد ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ بحث اپنے مقصد تک نہیں پہنچتی۔ وجوہاتِ ذیل ملاحظہ ہوں :-

۱۔ غالباً یہ ثابت کرنا مشکل ہوگا کہ چار سے زائد بیویاں کرنے کی صریحاً ممانعت ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ ایسی شرط لگا دی گئی ہے کہ دو بیویاں رکھنی بھی مشکل ہو جاتی ہیں۔ ہر ایک کے ساتھ قطعی عدل کرنے کی ایسی شرط ہے کہ جس کو بہت ہی کم آدمی پورا کر سکتے ہیں۔ رسولؐ و ائمہؑ کے علاوہ شاید ہی کوئی ہو جو پورا کر سکے۔

۲۔ جناب رسول خداؐ کا ہر ایک قبیلہ دشمن تھا۔ شادی ہی ایک ایسا ذریعہ تھا کہ ان کی ہمدردی حاصل ہو سکتی تھی۔ بیٹی دینے میں اور بیٹی لینے میں بہت فرق ہے۔ اسلام کا مفاد یہ چاہتا تھا کہ ہر ایک قبیلہ کو آں حضرتؐ سے اُنسیت ہو۔ یہ دیکھنے کی بات ہے کہ آں حضرتؐ نے حسن و جمال کی وجہ سے کوئی شادی نہیں کی۔ ہر ایک شادی میں کوئی نہ کوئی مصلحت تھی۔ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ ہم ان مصالح کا یہاں ذکر کریں۔

۳۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حکم تعدادِ ازواج کو رسولؐ کے لیے ڈھیلا کرنے میں کسی پر ظلم نہیں ہوا۔ اور ورثہ کی قیود سے پیغمبر کو نکالنے میں بہت سے آدمیوں پر ظلم ہوتا ہے۔ اور خدا کو ظلم کسی صورت میں بھی پسند نہیں۔

(ج) تبئین مواقع۔

طریقہ یہ ہے کہ جب کسی حدیث کو بیان کیا جاتا ہے تو اس کے موقع کا ضرور ذکر کرتے ہیں کہ فلاں واقعات تھے۔ فلاں موقع تھا جب یہ حدیث بیان کی گئی حدیثِ منزلت، حدیثِ غدیر، حدیثِ ولایت، حدیثِ رایت اور حدیثِ ثقلین وغیرہ کے واقعات و مواقع بہت فصاحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن حضرت ابوبکر نے یہ نہیں کہا کہ کس موقع پر کن واقعات کے اندر یہ لا وارث حدیث بیان کی گئی اور اس کا باعث کیا تھا۔ اس کا مضمون تو یہ بتاتا ہے کہ اس حدیث کو مرضِ موت کے وقت ارشاد فرمانا چاہیے تھا لیکن مرض الموت کے دوران کی احادیث میں کہیں اس کا پتہ نہیں چلتا خیبر و فدک کے حصول کا دوسرا موقع ہو سکتا تھا لیکن اس وقت بھی یہ حدیث بیان نہیں کی گئی۔ ایک تیسرا موقع بھی تھا جب آیاتِ وراثت نازل ہوئیں تو ان کی تفسیر میں آپ کو بتانا چاہیے تھا کہ ہم پیغمبران ان آیات کے دائرے سے باہر ہیں۔ تمام کتب و تفاسیر کو دیکھ ڈالو۔ اس لاوارث حدیث کا پتہ ان آیات کی تفسیر و توضیح کے سلسلے میں بھی نہیں ملتا۔ جب ان موزوں موقعوں پر اس حدیث کا پتہ نہیں چلتا تو پھر یہ بتانا نہایت ضروری ہو گیا کہ کس ناموزوں وقت پر اس کو بیان کیا گیا تھا۔ امرِ واقعہ تو یہ ہے کہ جناب فاطمہؑ نے ایسا آڑے ہاتھوں لیا تھا کہ ساری سٹی گم ہو گئی۔ کچھ نہ سوجھی کہ کیا کریں۔ جلدی میں منہ سے جو نکل گیا سو نکل گیا کچھ تفصیلات ہوتیں تو بیان کرتے۔

(د) تکرارِ مضمون :- جناب رسول خداؐ کی احادیث کے مطالعہ کرنے والے پر

یہ امر اچھی طرح واضح ہے کہ آپ ایک مضمون کو مختلف اوقات پر بیان فرمایا کرتے تھے۔ اور آپ کی احادیث ایک دوسرے کی تصدیق و توثیق کرنے والی ہوتی تھیں۔ مثلاً جناب امیرؑ کی فضیلت کی احادیث، ان سے محبت کرنے کی تاکید کی احادیث بہت سی ہیں اور بہت سے طریقوں سے بیان کی گئی ہیں۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے کسی باب یا فصل کو اٹھا کر دیکھ لو ہر ایک میں ایک ہی ضروری مضمون پر مختلف عنوان کی احادیث پاؤ گے لیکن یہ حدیث لَا نُوَرِّثُ ہے کہ اس مضمون کی دوسری حدیث نہیں ملتی۔ اور اس کی توثیق کسی دوسری حدیث سے نہیں ہوتی۔

(ک) تردید حدیث۔

جناب فاطمہؑ اور حضرت علیؑ نے مفروضہ حدیث کی صریحاً تردید کی اور فرمایا کہ یہ کلام رسولؐ نہیں ہے۔

(و) معارضہ۔

اس لاوارث حدیث کا معارضہ آں حضرتؐ کی ساری عمر کے طرز عمل سے اور آپ کے دیگر کلام سے ہے۔ اگر آں حضرتؐ امت کو اپنی جائداد کا وارث سمجھتے تو پھر اس میں سے نہ تو ہبہ کرتے۔ اور نہ بنو ہاشم کو دیتے اور اپنی اولاد کو جو اپنے تئیں آں حضرتؐ کے وارث سمجھتے تھے کہہ دیتے کہ تم میرے وارث نہیں ہو۔ میں تو نعوذ باللہ بقول کفار ابتر ہوں۔ لاوارثہ ہوں۔ میرے مرنے کے بعد میری امت آئے گی اور میری جائداد کی فہرست بنا کر لے جائے گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس لاوارث حدیث کا تعلق جناب ابوبکر کے دماغ میں کفار کے اس طعنہ نے ڈالا تھا کہ محمدؐ تو ابتر ہیں۔ یہ کفار نے اس وقت کہا تھا کہ جب حضرت ابراہیم فرزند رسولؐ کا انتقال ہوا تھا۔ ابتر ہی کی وراثت اس طرح گلیوں میں لٹتی ہے۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ واقعی درست ہے۔ ان کی وراثت اب امت لے گی۔ ابتر تو کہہ نہ سکے۔ اس کے معانی کو اس طرح دُہرایا۔ حضرت علیؑ و حضرت فاطمہؑ نے صاف کہہ دیا کہ جناب رسول خدا نے اس حدیث کا ذکر ہم سے کبھی نہیں کیا۔ یہ صاف و صریح ثبوت ہے۔ اس امر کا کہ یہ حدیث کلام رسول نہیں ہے اگر آں حضرتؐ نے یہ کہا ہوتا تو آں حضرتؐ ضرور اس کا ذکر اپنے وارثوں سے کرتے۔

(ز) و (ح) تعداد و ثقہ رواۃ:۔ اس حدیث کے راوی سوائے حضرت ابوبکر کے

اور کوئی نہیں ہیں۔ اور آپ کا ذاتی مفاد آپ کی سیاست ملکی اور اپنی بات کا پاس (کیونکہ فدک پر پہلے ہی قبضہ کر لیا تھا) سب اس امر کے متقاضی تھے کہ جناب فاطمہؑ کو فدک واپس نہ کیا جائے۔

(ط) سابقہ انبیاء کی نظائر:۔

قرآن شریف ہی سے ان نظائر کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ ۲۷ : ۱۶

یعنی ورثہ پایا سلیمان نے اپنے باپ داؤد کا۔

(۲) قولہ تعالیٰ مُخبِراً عن زکریا: وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِن وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ۔

(ترجمہ:۔ حضرت زکریا نے بارگاہ خداوندی میں اس طرح مناجات کی۔ میں اپنے ان وارثان بازگشت سے اندیشہ رکھتا ہوں جو میرے مرنے کے بعد میرے پیچھے رہیں گے میری زوجہ بانجھ ہے۔ خداوندا اپنی درگاہ سے مجھے وارث عطا کر جو میرا اور آلِ یعقوب کا ورثہ پائے۔)

آں حضرتؐ سے پہلے تمام انبیاء ورثہ پاتے آئے ہیں۔ اور ان سے ورثہ دوسروں نے پایا۔ ظاہر ہے کہ ان اوپر کی دونوں آیتوں میں ورثہ سے مال و دولت کا ترکہ مراد ہے۔ علم و نبوت اس سے مراد نہیں ہو سکتے۔ اگر اس سے علم و نبوت مراد ہوتے تو پھر حضرت زکریا کا ڈر بے معنی تھا۔ ان کے اقربا زبردستی علم و نبوت نہیں لے سکتے تھے۔ نبوت اور علم لدنی تو عطاء ربانی ہے۔

خود جناب رسالت مآبؐ نے اپنے والد کا ترکہ ورثہ میں حاصل کیا تھا۔ دیکھو سیرۃ النبی شبلی نعمانی جلد اول ص ۱۲۲۔ یہ بحث درست نہ ہوگی کہ جب آں حضرتؐ نے ورثہ لیا تھا اس وقت نبی نہ تھے۔ ہم پہلے آں حضرتؐ و حضرت عیسیٰؑ کی مثالوں اور دیگر دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ نبی اپنی مہد سے لحد تک نبی ہی ہوتا ہے۔ وہ پیدا ہی نبی ہوتا ہے۔

(۱۴) حضرت فاطمہؑ کے اس دعوے کی تردید میں حضرت ابوبکر نے تین عذر پیش کیے تھے۔

اوّل تو یہ کہ دعویٰ ہبہ ثابت نہیں۔

دوئم یہ کہ پیغمبر کی اولاد محروم الارث ہوتی ہے۔

سوئم یہ کہ میں اس طریقے کو جو رسولِ خداؐ کے زمانہ میں رائج تھا ہرگز نہ بدلوں گا۔ کون سی زمین مجھے اٹھائے گی اور کون سا آسمان مجھے اپنے سایہ تلے لے گا اگر میں آں حضرتؐ کے طرزِ عمل میں تبدیلی کردوں۔

چوتھا عذر حضرت ابوبکر کے وکلا ایزاد کرتے ہیں کہ اولاد کی شہادت اپنے والدین کے حق میں ناقابل قبول ہوتی ہے۔

عذرات اوّل و دوم و چہارم کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں۔ تیسرا عذر ان ہی عذرات کے تابع ہے۔ اگر ہبہ ثابت ہے اور اولادِ رسولؐ محروم الارث نہیں ہے تو پھر حضرت ابوبکر کو ان اراضیات و صدقات پر کوئی دسترس ہی حاصل نہ تھا۔ اور نہ وہ اس کے انتظام کرنے کے مجاز تھے۔ لہٰذا حضرت ابوبکر کے لیے طریقۂ رسولؐ کو بدلنے یا نہ بدلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر ہم اس عذر کو دیگر عذرات سے علیحدہ بھی کرلیں تب بھی حکومت کو کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ چند صدقات میں سے جب کچھ بچ رہتا تھا تو آں حضرتؐ اس بقیہ کو بنو ہاشم کے غربا و مساکین پر تقسیم کردیتے تھے۔ فدک کے علاوہ دیگر ذرائع آمدنی بھی تو جناب رسول خداؐ کے پاس تھے۔ غربا و مساکین کی پرورش ان دیگر ذرائع سے ہوتی تھی۔ یہ مطلقاً ثابت نہیں کہ فدک کے ہبہ کے بعد فدک کی آمدنی پر جناب رسول خداؐ نے تصرف کیا ہو۔ دیگر صدقات کا دعویٰ جناب سیّدہ کا بذریعۂ میراث کے تھا۔ جب تک آں حضرتؐ خود زندہ رہے۔ ان کو حق حاصل تھا کہ اپنی اولاد کو دیں۔ اپنی بیویوں کو دیں۔ جو بچ رہے اس کو جس طرح جی چاہے خرچ کریں۔ مرنے کے بعد تصرف ورثا کا ہوتا ہے۔ حاکم کو جائز نہیں کہ تصرف کرے یا اس کو ضبط کرے۔ حکومت کی وہ آراضی نہ تھی جیسا ہم بیان کرچکے ہیں۔ اب رہ گیا یہ عذر کہ رسول خداؐ کے عمل کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ ورنہ حضرت ابوبکر کو کوئی آسمان سایہ نہ کرے گا اور کوئی زمین نہ اٹھائے گی۔ یہ تو دفع الوقتی کی گفتگو تھی جیسی کہ حسبنا کتاب اللہ۔ اوّل یہ کہ نظیر قائم نہیں ہوتی۔ یہ آراضی آں حضرتؐ کی ملکیت تھی اور ابوبکر کی ملکیت نہ تھی۔ لہٰذا طرزِ عمل ایک سا کیونکر

ہوسکتا تھا۔ دوسرے یہ کہ یہ ارشاد واقعیت سے بالکل معرا تھا۔ حضرت ابوبکر کے عقائد کے بموجب تو آں حضرتؐ نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں فرمایا تھا۔ انھوں نے کیوں حضرت عمر کو اپنا جانشین مقرر کردیا۔ اور آں حضرتؐ کا طریقۂ عمل بدل دیا۔ خمس کو لیجیے۔ آں حضرتؐ خمس کو بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب میں تقسیم کرتے تھے اور بنو عبدالشمس و بنو نوفل کو مطلق حصہ نہیں دیتے تھے۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے خمس تقسیم کرکے ایرے غیرے کو دیدیا لیکن قرابتدارانِ رسولؐ کو نہیں دیا[۱۴۰]۔

علامہ شبلی فرماتے ہیں:-

"وہ (حضرت عمر) قرابتداران پیغمبر کو مطلقاً خمس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اہلبیت کو کبھی خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔ ائمہ مجتہدین سے امام ابوحنیفہ بھی ذوی القربیٰ کے خمس کے قائل نہ تھے......

احادیث و روایات کے استقرا سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے۔

ذوی القربیٰ میں سے آپ (جناب رسول خداؐ) صرف بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو حصہ دیتے تھے۔ بنو نوفل و بنو عبدشمس حالانکہ ذوی القربیٰ میں داخل تھے لیکن آپ نے ان کو باوجود طلب کرنے کے بھی کچھ نہیں دیا۔

(الفاروق حصہ دوم صفحہ ۲۴۶، ۲۴۷)

آں حضرتؐ کے اس طرزِ عمل کو کیوں حضرت ابوبکر و عمر نے بدلا۔ وہ تو آسمان کے گرنے اور زمین کے پھٹنے سے ڈرتے تھے۔ آں حضرتؐ کا ایک اور طرزِ عمل ہم آپ کو بتلاتے ہیں۔ جنگ بدر میں ابوالعاص شوہر حضرت زینب گرفتار ہوکر آیا۔ حضرت زینبؑ نے اُن کے فدیہ کے لیے وہ ہار بھیجا جو حضرت خدیجہ نے ان کو بوقت نکاح دیا تھا۔ آں حضرتؐ اس ہار کو دیکھ کر رونے لگے۔ اور مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو میں یہ فدیہ بھی واپس کردوں۔ اور ابوالعاص کو بھی رہا کردوں مسلمانوں نے خوشی سے اجازت دی۔ اور آں حضرتؐ نے ابوالعاص کو بغیر فدیہ لیے ہوئے چھوڑ دیا۔ اور ہار بھی واپس کردیا۔ اگر حضرت ابوبکر فدک کو مسلمانوں کا حق سمجھتے تھے تو جناب رسول خداؐ کے

---

[۱۴۰] مسند احمد حنبل الجزء الرابع ص۸۳ تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ ص۶۔ نیل الاوطار شوکانی جلد ۷ ص۲۹۱

الفاروق شبلی حصہ دوم ص۲۴۶

اس عمل کی پیروی کیوں نہ کی۔ اور دخترِ رسول کی دلجوئی کیوں نہ کی۔

(۱۴) اگر یہ لاوارث حدیث درست تھی تو حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کے وہ حجرے اور مکانات کیوں نہ لے لیے گئے جو ان کو آں حضرتؐ سے وراثت میں ملے تھے۔ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ یہ حجرے و مکانات آں حضرتؐ کی ملک تھے۔ اور ازواج نبی کو ورثہ میں آں حضرتؐ سے پہنچے تھے [۱۴۱]

اب ذرا مولوی شبلی کی عبارت پر بھی نظر ڈالتے چلیں۔ دیکھیے کس چالاکی اور ہوشیاری سے جناب رسول خداؐ پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور حضرت عمر کے فعل کی حمایت کرتے ہیں۔ پہلے تو یہ کہا کہ حضرت عمر اور امام ابوحنیفہ ذوی القربیٰ کے خمس کے قائل نہ تھے۔ پھر رسولِ خدا کا طرزِ عمل بتایا کہ جناب رسولِ خداؐ ذوی القربیٰ میں سے صرف بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو دیتے تھے۔ بنو نوفل اور بنو عبدشمس کو نہیں دیتے تھے۔ گویا آیت کی پوری تعمیل تو آں حضرتؐ بھی نہیں کرتے تھے۔ لیکن یہ نکتہ چینی بالکل غلط ہے۔ قربیٰ نزدیک ترین رشتہ داروں کو کہتے ہیں۔ ہاشم تک وہ ہو سکتے ہیں۔ عبدشمس اور نوفل کی دوسری لائن ہوگئی۔ یوں تو پھر بنو عدی کو بھی دینا چاہیے تھا۔ اور پھر سارے قریش ہی رشتہ دار تھے۔

(۱۵) حضرت فاطمہؑ و حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکر کے فیصلہ کو غلط مبنی بر ظلم سمجھا۔

(۱۶) حضرت فاطمہؑ اتنی ناراض ہوئیں کہ پھر حضرت ابوبکر و حضرت عمر سے عمر بھر کلام نہ کیا۔ صاف و صریحاً کہہ دیا کہ تم دونوں نے مجھے ناراض کر دیا ہے اور میں اپنے والد بزرگوار سے تمہاری شکایت کروں گی۔ حضرات شیخین ان کو راضی کرنے گئے۔ تو ان کی طرف سے منہ موڑ لیا۔ اور کلام نہ کیا۔ جو لوگ محمد مصطفیٰؐ کو رسولِ برحق سمجھتے ہیں اور آپ کے قول کو سچا جانتے ہیں۔ جب ان کو یہ یاد آئے گا کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا تھا کہ فاطمہؑ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ اور جس نے مجھے ناراض کیا وہ خدا کے غضب کا مستوجب ہوا۔ تو پھر وہ لوگ حضرت ابوبکر کے اس فعل سے لرزہ براندام ہو جائیں گے۔

---

[۱۴۱] سید نور الدین سمہودی: وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ الجزء الاول باب الرابع فصل التاسع ص ۳۲۵

(۱۷) غور تو کرو خدا کو جان جواب دینی ہے۔ انصاف کو نہ ہاتھ سے چھوڑو۔ حضرت ابوبکر اس حکومت پر قابض تھے جو جناب فاطمہ کے والد بزرگوار کی پیدا کردہ اور ان کے شوہر کی تلوار سے حاصل شدہ تھی۔ اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو حضرت ابوبکر کس حکومت پر قابض ہوتے۔ علاوہ اس کے جناب فاطمہؑ کے والد بزرگوار ان کے نبی و محسن اعظم تھے۔ کیا ان کے احسانوں کا یہی بدلہ تھا۔ اور یہی اجرِ رسالت تھا جو امت نے ان کی اکلوتی پیاری بیٹی کو دیا۔ کتنا جناب رسول خداؐ کی روح کو صدمہ ہوا ہوگا جب جناب فاطمہؑ فریاد کرتی ہوں گی۔ جس دل نے اپنے چچا عباس کا چند گھنٹوں کا کراہنا برداشت نہ کیا وہ اپنی پیاری بیٹی کی فریاد و آہ و زاری کس رنج کے ساتھ سنتا ہوگا۔ جناب فاطمہ اتنی ان سے ناراض ہوئیں کہ عمر بھر کلام نہ کیا۔ سامنے آئے تو منہ موڑ لیا۔ اپنی ناراضگی صاف ان سے بیان کر دی۔ اور مرتے وقت وصیت کر دی کہ یہ دونوں اور عائشہ میرے جنازے پر نہ آئیں۔ [۱۴۲]

(۱۸) مسلمانوں میں سے جو منصف مزاج ہیں وہ باوجود اپنی مذہب کی رکاوٹ کے قضیۂ فدک میں حضرت فاطمہؑ کو حق بجانب سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے ان پر ظلم کیا۔ چنانچہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں:-

"مشکل ترین قضایا قضیۂ فاطمہ زہرا است۔ زیرا کہ اگر بگوئیم کہ او جاہل بود بایں سنت یعنی حدیثے کہ ابوبکر نقل کردہ بعید است از فاطمہ۔ و اگر الزام کنیم شاید اتفاق نیفتاد او را استماع ایں حدیث از آں حضرتؐ مشکل میشود کہ بعد از استماع از ابی بکر و شہادت سائر صحابہ بر آں چرا قبول نکرد و در غضب آمد و اگر غضب او پیش از سماع حدیث بود چرا برنگشت از غضب تا ایں کہ امتداد کشید و تا زندہ بود ہجرت کرد ابوبکر را۔" (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ مطبوعہ نولکشور جلد سوم ص ۲۵۳)

ترجمہ۔ تمام قضیوں سے زیادہ مشکل جناب فاطمہ زہرا کا قضیہ فدک ہے کیونکہ

---

[۱۴۲] صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ خیبر مطبوعہ مصر الجزء الثالث ص ۳۸۔ طبقات ابن سعد الجزء الثامن ذکر فاطمہ ص ۱۹۔ مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث ذکر فاطمہ ص ۱۶۲۔ الاستیعاب ابن عبدالبر الجزء الثانی ص ۷۷۲۔ حسین دیاربکری۔ تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص ۳۱۳

اگر ہم کہیں کہ جناب فاطمہ اس سنت یعنی حدیث سے جاہل تھیں جو ابوبکر نے وراثت کے بارے میں فرمائی تو یہ بعید ہے جناب فاطمہ سے اور اگر ہم فرض کریں کہ شاید یہ حدیث سننے کا اتفاق نہ ہوا ہوگا تو جب حضرت ابوبکر نے بیان کردی اور چند صحابہ نے ہاں میں ہاں بھی ملادی تو پھر انھوں نے کیوں نہ قبول کرلیا اور غصہ ہوگئیں۔ اور اگر آپ کا غصہ اس حدیث کے سننے سے پہلے تھا تو اس کے سننے کے بعد کیوں نہ ان کا غصہ فرو ہوگیا۔ یہاں تک کہ جب تک زندہ رہیں ابوبکر سے کلام نہ کیا۔

مولوی صدرالدین حنفی اپنی کتاب روائح المصطفٰے میں جناب فاطمہ کا حال لکھتے ہوئے فرماتے ہیں :-

بعد از وفات پیغمبر واقعات بسیار گزشتہ مثل معاملہ فدک وسقط شدن حمل او و تہدید نمودن عمر خطاب بنی ہاشم را کہ در خانۂ زہرا اجتماع نمودہ بودند و نالہ و شیون نمودن حضرت زہرا پیش انصار طولے دارد و ذکرش ناکردن اولے ترست وصیت نمودن حضرت زہرا کہ ہیچ کس بر جنازۂ او حاضر نشود۔ دلیل صریح است برآں کہ حضرت زہرا آزردہ وملول از دنیا رفت۔ الحق تاویل ہر چہ خواہند کنند و مرثیہ برائے پیغمبر انشا نمودہ یک بیت از اول آں قصیدہ این است۔

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّھَا
صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

ترجمہ :- بعد از رحلت رسول بہت سے ایسے واقعات ہوئے مثلاً معاملہ فدک، حضرت زہرا کا حمل ساقط ہونا، عمر بن الخطاب کا ان بنی ہاشم کو ڈرانا و دھمکانا جو خانۂ فاطمہ زہرا میں جمع ہوئے تھے۔ حضرت زہرا کا انصار کے مجمع میں نالہ و شیون کرنا جو بہت طوالت رکھتے ہیں اور جن کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے حضرت زہرا کا اپنی وفات کے وقت وصیت کرنا کہ کوئی ان کے جنازے پہ نہ آئے۔ صاف وصریح دلیل ہے اس امر کی کہ حضرت فاطمہ دنیا سے آزردہ و ناراض گئیں۔ اب جو چاہے ان کی تاویل کریں۔ حضرت زہرا نے

آں حضرت کا ایک مرثیہ کہا تھا جس کا پہلا شعر یہ ہے :-

ترجمہ شعر :- میرے اوپر ایسی مصیبتیں پڑی ہیں کہ اگر وہ روز ہائے روشن پر پڑتیں تو مثل رات کے تاریک ہوجاتے۔

شاہ عبدالحق اور مولوی صدرالدین ہی پر کیا منحصر ہے۔ اپنے پرائے جس نے اس قصے کو سُنا دانتوں میں انگلیاں دے لیں کہ ایسے بھی غلط فیصلے ہوا کرتے ہیں۔ مامون الرشید نے جب یہ واقعہ سُنا حالات معلوم کیے تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضرت ابوبکر نے فدک چھین لینے اور پھر واپس نہ کرنے میں غلطی کی چنانچہ اس نے ایک فرمان جاری کیا کہ فدک اولاد فاطمہ کو واپس کردیا جائے۔ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں اس فرمان کو نقل کیا ہے اور ہم نے اپنی البلاغ المبین حصہ دوم میں اس کو نقل کیا ہے۔ یہاں ہم اس کا ترجمہ درج کرتے ہیں :-

جب سنہ ۲۱۰ھ ہوا تو امیرالمومنین مامون عبداللہ ابن ہارون الرشید نے حکم دیا کہ فدک اولاد فاطمہ علیہا السلام کو دیدیا جائے۔ یہ حکم نامہ اس نے اپنے عامل مدینہ قثم بن جعفر کو لکھا۔ اما بعد امیرالمومنین کا اپنی اس حیثیت کے بوجب جو اسے دین الٰہیہ میں حاصل ہے اور بطور خلیفہ وجانشین وقرابت دار رسول اللہ کے یہ فرض ہے کہ جناب رسول خدا کے طریقہ پر عمل کرے اور ان کے احکام کو جاری کرے۔ اور جو شے یا صدقہ رسول خدا نے کسی کو عطا کیا ہے امیرالمومنین بھی وہ شے یا صدقہ اس شخص کو دیدے۔ امیرالمومنین کی پرہیزگاری و توفیق سب خدا کی طرف سے ہے۔ اور امیرالمومنین کی یہ خاص خواہش ہے کہ وہ کام کرے جس سے رضائے خداوندی حاصل ہو۔ یہ تحقیق کہ جناب رسول خدا نے اپنی دختر فاطمہ کو فدک ہبہ کیا تھا۔ اور بطور ملکیت کے دیدیا تھا۔ اور یہ ایک ایسا صاف وصریح واقعہ ہے کہ جس میں جناب رسول خدا کے رشتہ داروں میں کسی کو اختلاف نہیں ہے پس امیرالمومنین اس کو حق سمجھتے ہیں کہ فدک جناب فاطمہ کے ورثاء کو واپس دیدیں تاکہ خداوند تعالٰی کی صفت عدل وحق کو قائم کرکے اس کا تقرب حاصل کریں۔ اور جناب رسول خدا کے احکام کو جاری کرکے ان سے سرخروئی حاصل کریں۔ لہٰذا امیرالمومنین نے

حکم دیا ہے کہ یہ واپسی فدک رجسٹروں میں لکھی جائے۔ اور یہ احکام تمام عمال کے پاس بھیجے جائیں۔ جب سے جناب رسول خداؐ نے رحلت فرمائی ہے اب تک یہ رسم رہی ہے کہ موسم حج پر تمام لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ جس کسی کو جناب رسول خداؐ نے کچھ صدقہ دیا ہے یا ہبہ کیا ہے وہ آن کر بیان کرے۔ اور اس کا قول قبول کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں جناب فاطمہؑ زیادہ حقدار ہیں کہ ان کا قول در بارۂ ہبہ فدک منجانب رسول اللہ قبول کیا جائے۔ بتحقیق کہ امیر المومنین نے اپنے غلام مبارک طبری کو حکم دیا ہے کہ فدک حضرت فاطمہؑ کے وارثوں کو دیدے مع اس کے تمام حدود و حقوق و پیداوار و غلاموں کے واپس دیدیے۔ محمد بن یحییٰ بن حسین بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب اور محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کو دیدیے۔ ان دونوں کو امیر المومنین نے اس آراضی کے مالکان یعنی ورثا، جناب فاطمہ علیہا السلام کی طرف سے ایجنٹ و کارکن مقرر کیا ہے پس تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ امیر المومنین کی رائے ہے اور یہ وہ ہے جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے انھیں حکم ہوا ہے تاکہ خدا اور اس کے رسول کی رضا حاصل کی جائے۔ جو تمھارے ماتحت ہیں ان کو بھی اس سے آگاہ کر دو۔ محمد بن یحییٰ و محمد بن عبداللہ کے ساتھ بھی وہی عمل کرو جو اس سے پہلے امیر المومنین کے کارکن مبارک طبری کے ساتھ کیا کرتے تھے اور ان دونوں کی وہ مدد پہنچاؤ جس سے اس آراضی کی زرخیزی و پیداوار و منافع میں ایزادی اور مشیت ایزدی کا اجرا ہو۔ مورخہ روز چہارشنبہ ذی قعدہ ۲۱۰ھ۔

(فتوح البلدان ۲۶؁ ۴۷؁)

اس مضمون کو ہم قرآن شریف کی اس آیت پر ختم کرتے ہیں وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ۔ (ترجمہ۔ اور تم مت جھکو ان لوگوں کی طرف جنھوں نے ظلم کیے ہیں۔ ورنہ تم کو جہنم کی آگ اپنے لپیٹے میں لے لیگی۔ اور تمھارا کوئی دوست نہ ہوگا اور تمھاری مدد نہ کی جائے گی۔)

باب پنجدہم

جناب فاطمۃ الزہرا کے مصائب و غموم و ہموم رحلت رسولؐ کے بعد

جناب فاطمۃ الزہرا صلوات اللہ علیہا کو اپنے پدر بزرگوار کے انتقال کا اتنا رنج ہوا کہ جس کی کوئی حد و انتہا ہی نہیں معلوم ہوتی۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ دو فطرتوں کو جو ایک دوسرے سے جاذبیت ہوتی ہے وہ ان کے روحانی درجہ ارتقا کی مناسبت سے ہوتی ہے جس کو آج کل کی زبان میں مقناطیسی جذب کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جس لمحہ سے آں حضرتؐ نے انتقال فرمایا اس سے ہی امت نے بجائے تسلی و تشفی دینے کے جناب فاطمہ کے زخمی دل میں اپنے عمل و گفتگو کے نشتروں سے کچوکے دینے شروع کر دیے۔ اگر امت کی طرف سے آپ کو تسلی ملتی، غم میں شرکت ہوتی، آپ کی دلجوئی کی جاتی جس طرح آپ کا اعزاز اپنے پدر بزرگوار کے زمانے میں تھا اسی طرح قائم رکھا جاتا تو بہت حد تک آپ کے غم کی شدت و اثر میں کمی ہو جاتی لیکن امت تو اس پر تلی بیٹھی ہوئی معلوم ہوتی تھی کہ ہر ایک وہ طریقہ ایذا و ضرر رسانی کا استعمال کیا جائے جس سے جناب فاطمہؑ اگر اپنے والد ماجد کی رحلت کا غم بھولنا بھی چاہیں یا اس میں کمی کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں۔ آپ کو آپ کے والد ماجد کا پرسا دینا تو کجا ان کے جسد اطہر کو بے غسل و کفن چھوڑ کر امت اپنے میں سے ایک حاکم مقرر کرنے چلی گئی۔ آپ کے شوہر جن کا حق ہر طرح سے خلافت پر تھا نظر انداز کر دیے گئے۔ خلافت چھینی، فدک چھینا، گھر کو آگ لگانے آئے، آپ کی ہر طرح سے تحقیر و توہین کی۔ یہ ہیں اس امت کے کارنامے اپنے رسول کی دختر کے ساتھ جس کو ان کے پدر بزرگوار نے خاک ذلت میں سے اٹھا کر یکلخت تخت انسانیت پر بٹھا دیا تھا۔ دین و دنیا کی راہ مستقیم دکھائی۔ ان کو انسان بنایا۔ اور انسان بنا کر ایک قوم بنایا۔ ان کے مخالفین کو مغلوب کیا۔ ان کی مذموم رسموں کو دور کیا۔ آپس کے عناد و عداوت دور کر کے انھیں آپس میں محبت کے ساتھ مل جل کر رہنا سکھایا۔ غرضکہ ان آئے دن کے کچوکوں نے یہی نہیں کہ زخم کو

منہ مل نہ ہونے دیا بلکہ اس کو اور گہرا کیا۔ یہاں تک کہ مزید برداشت کی طاقت نہ رہی اور آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ شیعہ مورخین کا کہنا ہے کہ جب حضرت علیؑ کو گھر سے باہر نکالنے کے لیے آئے تو جناب فاطمہ زہراؑ نے دروازہ پر آکر ان کو بُرا بھلا کہا اور انھوں نے دروازے کو اس زور سے گرایا کہ آپ کا حمل ساقط ہو گیا۔ اور حضرت محسنؑ کا انتقال ہوا۔ اور اسی صدمہ سے آخر کار موت واقع ہوئی لیکن دیگر مورخین کہتے ہیں کہ نہیں یہ غلط ہے۔ آپ نے اپنے والد کے غم میں گھل گھل کر جان دی۔ بہرصورت امت کے صاحبان حل وعقد اس صورت میں بھی اپنی ذمہ داری سے برآ نہیں ہو سکتے۔ یہ اعتراض پھر بھی قائم رہ جاتا ہے کہ جب جانتے تھے کہ ہمارے پیغمبر محسن پیغمبر کی اکلوتی بیٹی اپنے والد کے غم میں گھل رہی ہے تو پھر انھوں نے اس غم کو بھلانے میں اور ان کی دلجوئی کرنے میں کیا کوشش کی۔ اس کو زیادہ ہی کیا۔ کم تو نہ کیا۔ اور پھر طرفہ ماجرا یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے کیا سنتِ رسولؐ کی پیروی میں کیا۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ حسینؑ کو کربلا میں ان کے نانا کی تلوار نے قتل کیا۔ قابل تعریف ہے وہ منطق جس نے اپنے ظلموں کو اپنے نبی کے سر تھوپا۔ اس طرح وہ ہی قوم بحث کر سکتی ہے جس کی گمراہی اس کی عقل سے زیادہ گہری ہے معلوم نہیں یہ بزرگوار اپنی بحث کو کاغذ پر لکھ کر اسے دوبارہ بھی ٹھنڈے دل سے پڑھتے ہیں یا نہیں پڑھتے اگر پڑھتے ہیں لیکن پھر بھی انھیں کوئی نقص اپنی بحث میں نظر نہیں آتا تو دماغی امراض کے معالجین کے لیے اپنے ہنر کے آزمانے کا یہ اچھا موقع ہے۔

علامہ ابن شہر آشوب مناقب میں حضرت محمد باقر علیہ السلام کا قول نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ کی وفات کے بعد کسی نے جناب فاطمہؑ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا یہاں تک کہ آپ نے رحلت فرمائی ۱۴۳؎

سیرۃ النبویہ والآثار محمدیہ میں سید احمد زینی دحلان کہتے ہیں کہ جناب فاطمہؑ آں حضرتؐ کے بعد چھ مہینہ تک زندہ رہیں اور اس عرصہ میں وہ ایک دفعہ بھی نہیں ہنسیں ۱۴۴؎ حلیۃ الاولیا میں ابو نعیم حضرت محمد باقر علیہ السلام کی روایت نقل کرتے ہیں کہ

۱۴۳؎ کتاب مناقب آل ابی طالب مجلد الرابع ص۲۵ ۱۴۴؎ سیرۃ النبویہ احمد ذہبی دحلان برحاشیہ سیرۃ حلبیہ الجزء الثالث ص۲۹۳

جناب رسول اللہؐ کی وفات کے بعد جناب فاطمہؑ کو کسی نے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ اتنے عرصہ میں صرف ایک دفعہ ذرا مسکرائی تھیں اور آپ آں حضرتؐ کے بعد چھ مہینے تک زندہ رہیں ۱۴۵؎ ابن شہر آشوب مناقب میں کہتے ہیں کہ آں حضرتؐ کی وفات کے بعد جناب فاطمہ ہمیشہ سر پہ درد کی وجہ سے کپڑا باندھے رہتی تھیں۔ ہر وقت روتی رہتی تھیں دمبدم آپ کو غش آتا تھا۔ جسم زار و نحیف ہو گیا تھا۔ آپ اکثر اپنے دونوں بچوں حسنین علیہم السلام سے کہا کرتی تھیں۔ کہاں ہیں تمھارے نانا جو تمھاری عزت کرتے تھے، بار بار تم کو گود میں اٹھاتے تھے، کہاں ہیں تمھارے نانا جو سب سے زیادہ تمھارے اوپر شفقت کیا کرتے تھے، تم کو نہیں چھوڑتے تھے کہ تم زمین پر چلو۔ اب میں کبھی ان کو اس دروازہ سے اندر آتے ہوئے نہ دیکھوں گی اور نہ تمھیں اپنے کندھے پر سوار کرتے ہوئے ان کو دیکھوں گی ۱۴۶؎

آں حضرتؐ کے انتقال کے بعد حضرت بلال نے ارادہ کر لیا تھا کہ اب کسی کے لیے وہ اذان نہ کہیں گے۔ ایک دن جناب فاطمۃ الزہراؑ نے خواہش ظاہر کی کہ اپنے والد کے مؤذن کی اذان سنیں۔ اس کی خبر حضرت بلال کو پہنچی تو آپ نے اذان دینی شروع کی۔ جب انھوں نے اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تو جناب فاطمۃ الزہراؑ اپنے والد بزرگوار اور اُن کے زمانے کو یاد کر کے رونے لگیں۔ اور جب حضرت بلال نے کلمہ اشہدان محمد الرسول اللہ کہا تو جناب فاطمہؑ نے ایک نعرہ لگایا۔ اور منہ کے بل گر پڑیں اور آپ پر غش طاری ہو گیا لوگوں نے بلال سے کہا کہ بس اذان کو پورا نہ کرو، بنت رسول اللہؐ نے دنیا سے مفارقت کی۔ ان لوگوں کو گمان ہوا کہ شاید آپ نے رحلت کی۔ جب حضرت معصومہ کو افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اذان کو پورا کرو لیکن بلال نے اذان کو پورا نہ کیا۔ اور عرض کی کہ اے سردارہ زنان عالم مجھے ڈر ہے کہ جب آپ میری آواز سنیں گی تو آپ کو بہت رنج ہو گا۔ پس جناب معصومہ نے ان کو معاف کیا۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ جس قمیص میں میں نے جناب رسول خداؐ کو غسل دیا تھا اس کو دیکھنے کا اکثر جناب معصومہ اشتیاق ظاہر فرمایا کرتی تھیں۔ اور جب وہ قمیص آپ کو دکھائی جاتی تھی تو آپ اس کو سونگھتی تھیں اور

۱۴۵؎ حلیۃ الاولیا وطبقات الاصفیا مطبوعہ بطبعۃ السعادۃ بجوار محافظہ مصر ۱۹۳۳ء المجلد الثانی ص۴۳
۱۴۶؎ کتاب مناقب مطبوعہ بمبئی مجلد الرابع ص۲۵

آپ پر غش طاری ہو جاتا تھا۔ آپ اپنے والد ماجد کے لیے اتنا روتی تھیں کہ اہل مدینہ کو اس گریہ و بکا سے ایذا ہوتی تھی۔ پس انھوں نے جناب معصومہ سے گزارش کی کہ آپ کی گریۂ و بکا نے تو ہم کو بہت ایذا پہنچائی ہے۔ یہ سن کر آپ نے یہ معمول کر لیا تھا کہ قبرستانِ شہدا کی طرف چلی جاتی تھیں اور وہاں دل کھول کر گریۂ و بکا کرتی تھیں۔ جناب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے جناب معصومہ کے لیے قبرستان بقیع میں ایک مکان بنا دیا تھا اور اس کا نام بیت الاحزان رکھا تھا۔ اور وہ اب تک باقی ہے [۱۴۷]

باب ششدہم

مرض الموت میں جناب معصومہ کا خطبہ

مستورات مہاجر و انصار کے سامنے

احتجاج طبرسی میں سوید بن غفلہ سے، معانی الاخبار و شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید میں فاطمہ بنت الحسینؑ سے ان کے فرزند عبداللہ بن الحسن کی زبانی امالی شیخ مفید میں ابن عباس سے، کشف الغمہ میں کتاب السقیفہ ابی بکر احمد بن عبد العزیز الجوہری کے حوالہ سے بروایت عبداللہ بن الحسن عن ام فاطمہ بنت الحسین مروی ہے کہ جب جناب معصومہ کے مرض موت میں شدت ہوئی تو آپ کے پاس مہاجرین و انصار کی عورات جمع ہوئیں۔ سلام عرض کیا اور دریافت کیا کہ بنت رسولؐ آپ نے کس حالت میں صبح کی؟ جناب معصومہ نے حمد و ثنائے الٰہی و درود پیغمبر کے بعد فرمایا:-

اَصْبَحْتُ وَاللّٰهِ عَائِفَةً لِدُنْيَاكُنَّ قَالِيَةً لِرِجَالِكُنَّ لَفَظْتُهُمْ بَعْدَ اَنْ عَجَمْتُهُمْ شَنَاْتُهُمْ بَعْدَ اَنْ سَبَرْتُهُمْ فَقُبْحًا لِفُلُوْلِ الْحَدِّ وَاللَّعِبِ

میں نے آج اس حالت میں صبح کی ہے کہ تمھاری دنیا سے بیزار ہوں اور تمھارے مردوں کی دشمن ہوں میں نے انھیں اس طرح دور کیا ہے جیسے فاسد خرمہ تھوک دیا جاتا ہے اور پوری طرح جانچ کر ان سے دشمنی کی ہے ان کی تلواروں کی باڑھ کے کند ہو جانے

[۱۴۷] اعیان الشیعہ للمحسن الامین العاملی الجزء الثانی صفحہ ۴۴۲

بَعْدَ الْجِدِّ وَقَرْعِ الصَّفَاةِ وَصَدْعِ الْقَنَاةِ وَخَطَلِ الْآرَاءِ وَزَلَلِ الْاَهْوَاءِ (وَلَبِئْسَمَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ) لَا جَرَمَ وَاللّٰهِ لَقَدْ قَلَّدْتُهُمْ رِبْقَتَهَا وَحَمَّلْتُهُمْ اَوْقَتَهَا وَشَنَنْتُ عَلَيْهِمْ غَارَتَهَا فَجَدْعًا وَعَقْرًا وَبُعْدًا لِلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَيْحَهُمْ اَنّٰى زَعْزَعُوْهَا عَنْ رَوَاسِي الرِّسَالَةِ وَقَوَاعِدِ النُّبُوَّةِ وَالدَّلَالَةِ وَمَهْبَطِ الرُّوْحِ الْاَمِيْنِ وَالطَّيِّبِيْنَ بِاُمُوْرِ الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ وَمَا الَّذِيْ نَقَمُوْا مِنْ اَبِي الْحَسَنِ نَقَمُوْا مِنْهُ وَاللّٰهِ نَكِيْرَ سَيْفِهِ وَقِلَّةَ مُبَالَاتِهِ بِحَتْفِهِ وَشِدَّةَ وَطْاَتِهِ وَنَكَالَ وَقْعَتِهِ وَتَنَمُّرَهُ فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَتَاللّٰهِ لَوْ مَالُوْا عَنِ الْمَحَجَّةِ اللَّائِحَةِ وَزَالُوْا عَنْ قَبُوْلِ الْحُجَّةِ الْوَاضِحَةِ

ان کی عمدہ باتوں کے بعد جہالت میں پڑ جانے، ان کے ساتھ دوسری قوموں کے برا سلوک کرنے ان کے نیزوں کے ٹوٹ جانے، ان کی رایوں کے فاسد اور ان کی خواہشوں کے خراب ہو جانے کا خدا برا کرے (ان کے نفسوں نے ان کے لیے ایسے اعمالوں کا توشہ بھیجا تھا کہ خدا ان پر غضبناک ہو گیا۔ اور اب یہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے) بہ تحقیق کہ حکومت و سلطنت نے ان کی گردنوں میں اپنا پھندا اور اپنا بوجھ ڈال دیا ہے اور انھیں بار بار تباہ و غارت کر دیا ہے خدا ظالموں کی ناک کاٹے اور انھیں بے دست و پا کرے اور انھیں اپنی رحمت سے دور رکھے ان پر افسوس ہے کہ انھوں نے خلافت کو ایسے شخص سے دور کر دیا ہے جو رسالت کا مستحکم کرنے والا، نبوت و ہدایت کا سنبھالنے والا، روح الامین کی منزل اور امور دین و دنیا میں ماہر ہے ان کا یہ عمل خسران مبین ہے آخر یہ ابو الحسن سے کس بات سے ناراض ہیں۔ ہاں بخدا۔ لوگ ابو الحسن کی تلوار کے منکر باتوں کو دور کرنے (ہدایت) ابو الحسن کی موت سے بے پرواہ ہونے (جرأت) ان کی سخت جنگ (جہاد) اور مثل عذاب حملوں اور خدا کے بارے میں ان کی جرأت و ہمت سے ناخوش ہیں حالانکہ قسم بخدا اگر یہ لوگ کھلے ہوئے صحیح راستے سے ہٹ جاتے اور واضح دلیل کے قبول کرنے سے کنارہ کشی کرتے تو ابو الحسن ان کو پھر ان باتوں کی جانب واپس لاتے اور انھیں اسی راہ پر لگا دیتے۔ اور قسم بخدا اگر لوگ

لَرَدَّهُمْ اِلَيْهَا وَحَمَلَهُمْ
عَلَيْهَا وَتَاللّٰهِ لَوْ تَكَافُّوا عَنْ
زِمَامٍ نَبَذَهُ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ
لَاعْتَلَقَهُ وَلَسَارَ بِهِمْ
سَيْرًا سُجُحًا لَا يُكْلَمُ خِشَاشُهُ
وَلَا يَكِلُّ سَائِرُهُ وَلَا
يَمَلُّ رَاكِبُهُ وَلَاَوْرَدَهُمْ
مَنْهَلًا نَمِيْرًا صَافِيًا رَوِيًّا
فَضْفَاضًا تَطْفَحُ ضَفَّتَاهُ
وَلَا يَتَرَنَّقُ جَانِبَاهُ وَ
لَاَصْدَرَهُمْ بِطَانًا وَنَصَحَ
لَهُمْ سِرًّا وَاِعْلَانًا وَلَمْ
يَكُنْ يَتَحَلّٰى مِنَ الْغِنٰى بِطَائِلٍ
وَلَا يَحْظٰى مِنَ الدُّنْيَا بِنَائِلٍ
غَيْرَ رِيِّ النَّاهِلِ وَشَبْعَةِ
الْكَافِلِ وَلَبَانَ لَهُمُ الزَّاهِدُ
مِنَ الرَّاغِبِ وَالصَّادِقُ
مِنَ الْكَاذِبِ (وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ
الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا
عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ
وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنَاهُمْ
بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ وَالَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا مِنْ هٰؤُلَاءِ سَيُصِيْبُهُمْ
سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوْا وَمَا هُمْ
بِمُعْجِزِيْنَ) اَلَا هَلُمَّ فَاسْتَمِعْ

ابوالحسن سے اس مہار کو الگ نہ کرتے جو رسول خدا
نے ان کے حوالے کی تھی تو ابوالحسن اُسے نہ چھوڑتے
بلکہ اس مہار کے سہارے بڑی نرم رفتاری سے انھیں
لے چلتے کہ نہ اس مہار کا حلقہ چبھ میں زخم پہنچاتا نہ
اس کا راہرو تھکتا اور نہ سوار درماندہ ہوتا اور ابوالحسن
ان کو ایسے گھاٹ پر پہنچاتے جس کا پانی مثل آب زلال
صاف شفاف وکثیر ہوتا جس گھاٹ کے دونوں
کناروں سے پانی اُچھل کر بہتا اور کبھی گندا ومکدر
نہ ہوتا اور پھر سیر وسیراب واپس لاتے اور ان کی
ظاہر وباطن ہر حالت میں خیرخواہی کرتے۔
دولت سے اپنی کوئی زینت نہ کرتے اور دنیا سے
کوئی حصہ نہ لیتے سوائے اتنی مقدار کے جو پیاسے
کی پیاس بجھا دے یا بھوکے کو سیراب کردے اور
اس دنیا سے مُنہ پھیرنے والے اور دنیا کے طالب کا
اور نیز صادق وکاذب کا فرق ظاہر ہو جاتا۔
آیہ قرآنی (اور اگر اہل قریہ ایمان لاتے اور تقویٰ
اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتوں کے
دروازے کھول دیتے۔ لیکن انھوں نے رسولوں کی
تکذیب کی تو ہم نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے انھیں
مبتلائے عذاب کردیا۔ اور ان میں سے جن لوگوں نے
ظلم بھی کیا تو ان کو عنقریب ان کی برائی کا بدلہ
ملے گا۔ اور وہ خدا کو عاجز نہیں کرسکتے) ہاں
سننے والے ذرا ادھر متوجہ ہوں اور سُن لیں کہ جب تک
تو زندہ رہے گا زمانہ تجھ کو عجب باتیں دکھاتا رہے گا
(اگر تم تعجب کرتے ہو تو سب سے زیادہ قابل تعجب

وَمَا عِشْتَ اَرَاكَ الدَّهْرُ
عَجَبًا (وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ
قَوْلُهُمْ) لَيْتَ شِعْرِيْ اِلٰى
اَيِّ لَجَاٍ لَجَؤُوْا وَاِلٰى اَيِّ سِنَادٍ
اسْتَنَدُوْا وَعَلٰى اَيِّ عِمَادٍ اعْتَمَدُوْا
وَبِاَيِّ عُرْوَةٍ تَمَسَّكُوْا وَعَلٰى
اَيِّ ذُرِّيَّةٍ قَدَّمُوْا وَاحْتَنَكُوْا
(لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ
وَبِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا)
اِسْتَبْدَلُوْا وَاللّٰهِ الذُّنَابٰى
بِالْقَوَادِمِ وَالْعَجُزَ بِالْكَاهِلِ
فَرَغْمًا لِمَعَاطِسِ قَوْمٍ يَحْسَبُوْنَ
اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (اَلَا
اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ
وَلٰكِنْ لَا يَشْعُرُوْنَ) وَيْحَهُمْ
(اَفَمَنْ يَهْدِيْ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ
اَنْ يُتَّبَعَ اَمَّنْ لَا يَهِدِّيْ اِلَّا
اَنْ يُهْدٰى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ
كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ) اَمَا لَعَمْرِيْ
لَقَدْ لَقِحَتْ فَنَظِرَةٌ رَيْثَمَا تُنْتِجُ
ثُمَّ احْتَلِبُوْا مِلْءَ الْقَعْبِ
دَمًا عَبِيْطًا وَذُعَافًا مُبِيْدًا
وَاطْمَئِنُّوْا لِلْفِتْنَةِ جَاْشًا
وَاَبْشِرُوْا بِسَيْفٍ صَارِمٍ
وَسَطْوَةِ مُعْتَدٍ غَاشِمٍ وَبِهَرْجٍ

ان کا قول ہے) کاش مجھے معلوم ہوجاتا کہ یہ لوگ
ابوالحسن کو چھوڑ کر کس جائے پناہ کی طرف مائل
ہوئے ہیں اور کس سہارے سے ٹھکانہ لیا ہے کس
ستون پر بھروسہ کیا ہے کس حلقۂ رسن کو پکڑا ہے۔
رسول خدا کی ذریت کو چھوڑ کر کس کی بارگاہ میں
حاضر ہوئے ہیں۔ اور ان سے وابستہ ہوسکے ہیں
(کیسے بُرے ہیں پناہ لینے والے اور کیسا بُرا ہے
وہ قبیلہ جس کی پناہ میں داخل ہوئے ہیں۔ اور
ظالموں کو بُرا ہی بدلہ ملتا ہے) انھوں نے
بازوؤں کے پروں کے بدلے پیروں کے پروں کو
پکڑا ہے۔ اور ان کے گوشت کے بجائے کندھے
کی ہڈیوں کو اختیار کیا ہے۔ خدا ایسی قوم کی ناک
رگڑے (جو ایسی برائیوں کے بعد بھی) خیال کرتے
ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔ (آیۂ قرآنی۔
وہ یقیناً مفسد ہیں لیکن وہ جانتے نہیں) ان کا
بُرا ہو۔ (آیت قرآنی۔ آیا وہ شخص پیروی کیے
جانے کے قابل ہے جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے
یا وہ جو خود ہدایت کا محتاج ہے کیا بُرا فیصلہ ہے
جو تم کرتے ہو) میری جان کی قسم خلافت کی اونٹنی
حاملہ ہوچکی ہے۔ مہلت دو کہ بچہ جنے۔ پھر پیالے
بھر بھر کے خون گندہ اور زہر ہلاہل اس میں سے
دھوؤ گے۔ فتنہ کے لیے دل کو مطمئن کرلو اور تیغ براں
اور ظالم بیدادگر کے تسلط کی خوشخبری لے لو اور
اپنے فساد کے منتظر رہو جو پایندہ اور سب کو
لپیٹنے والا ہوگا۔ اور ظالموں کے استبداد اور

دَائِمٍ شَامِلٍ واسْتِبْدَادٍ مِنَ الظَّالِمِيْنَ يَدَعُ فَيْأَكُمْ زَهِيْدًا وَجَمْعَكُمْ حَصِيْدًا فَيَا حَسْرَةً لَكُمْ وَاَنّٰى بِكُمْ وَقَدْ عُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كَارِهُوْنَ۔ قال سويد بن غفلة: فاعادت النساء قولها على رجالهن فجاء اليها قوم من المهاجرين والانصار معتذرين وَ قالوا سَيِّدَةُ النِّسَاءِ لَوْ كَانَ ابوالحسن ذكر لنا هٰذا الامر من قبل ان يبرم العهد ويحكم العقد لما عدلنا عنه الى غيره "فقالت عليها السلام" اليكم عني فلا عذر بعد تعذيركم ولا امر بعد تقصيركم۔

(اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص۵۳۷)

خودرائی کے لیے آمادہ ہو جاؤ۔ جو تمھارے مال کی قیمت کو کم کر دے گا۔ اور تمھاری جماعت کو کاٹ کے ڈال دے گا۔ تم پر افسوس ہے۔ اب کہاں تم راہ راست پر آسکتے ہو۔ راہِ مستقیم تمھاری نظر سے اوجھل ہو چکی ہے۔ ہم زبردستی اس کو تمھارے گلے میں کیونکر ڈال دیں جبکہ تم اس سے (راہ مستقیم سے) کراہت کرتے ہو۔ سوید بن غفلہ کہتے ہیں کہ جناب معصومہ کا یہ قول ان عورتوں نے اپنے مردوں سے بیان کیا تو ایک گروہ مہاجرین انصار کا جناب سیّدہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور معذرت کرکے سب نے کہا کہ اے سیدۃ النساء اگر ابوالحسن ہم لوگوں سے اس عہد و عقد خلافت کے مستحکم ہونے سے پہلے اس امر کا ذکر کرتے تو ہم ان کو چھوڑ کر دوسرے کو اختیار نہ کرتے۔ حضرت فاطمہ نے فرمایا کہ تم میرے پاس سے چلے جاؤ۔ تمھاری تقصیر و کوتاہی کے بعد اب کوئی معذرت کی صورت باقی نہیں رہی۔

دخترِ رسول اسلام کی زندگی کے آخری چند مہینے جو انھوں نے اپنے پدر بزرگوار کے بعد گزارے صاحبانِ غور و فکر کے لیے اپنے میں امت کے مستقبل کی پوری داستان مضمر رکھتے ہیں اور ایک ایسا آئینہ جہاں نما پیش کرتے ہیں کہ جس پر نظرِ غائر ڈالنے سے آج تک کے وہ سارے مراحل و منازل اچھی طرح نمایاں نظر آتے ہیں جو امت کو اس راستہ پر پیش آنے والے تھے جو وہ اختیار کر چکی تھی۔ جناب معصومہ کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی کہ تم کو اس خلافت کی اونٹنی میں سے بجائے دودھ کے خون گندہ اور زہر ہلاہل ملے گا۔ تیغ برّاں اور ظالم بیدادگر کے تسلط کے

ماتحت تم آجاؤ گے تم ایسے فساد کے منتظر رہو جو پایندہ اور تم سب کو لپیٹنے والا ہوگا ظلم اور استبدادیت تم میں رائج ہوں گے۔ اب تم راہ راست پر نہیں آسکتے۔ راہ مستقیم تمھاری نظر سے اوجھل ہو چکی ہے۔ مسلمانوں غور کرو اپنی تاریخ پر نظر ڈالو۔ کیا یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری نہیں ہوئی۔ جناب رسولِ خداؐ کے بعد کیا تمھاری تاریخ میں کوئی ایسا زمانہ گزرا ہے جب امن و امان ہو۔ ظلم رائج نہ ہو اور اسلام قوی ہو۔ تمھارے بہترین زمانۂ حکومت میں اسلام غریب و پردیسی آدمیوں کی سی زندگی گزارتا ہوا نظر آتا تھا۔

بابِ ہفتدہم

وصیّت اور رحلت

ہمارے اصحاب کے نزدیک جناب معصومہ کی صحیح تاریخ رحلت ۳ر جمادی الآخر ۱۱ھ مطابق ۲۶ر اگست ۶۳۲ء ہے اور یہ ہی تاریخ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ لیکن اور لوگوں نے مختلف تواریخ وفات بیان کی ہیں مثلاً ۱۳ر جمادی الآخر ۱۳ر ربیع الآخر، ۲۱ر رجب ۱۱ھ ہجری۔ مدائنی و واقدی اور ابن عبدالبر کے نزدیک ۳ر رمضان ۱۱ھ ہے۔ حاکم نے مستدرک میں ۳ر ماہ رمضان ہی لکھا ہے۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ آپ جناب رسولِ خداؐ کی رحلت کے بعد کتنے دن زندہ رہیں۔ مندرجہ ذیل مختلف مدتیں بیان کی جاتی ہیں۔

۴۰ دن، ۴۵ دن، دو مہینے جیسا کہ حاکم نے مستدرک میں بسند حضرت عائشہؓ جابر بیان کیا ہے، ۷۰ دن جیسا کہ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں ابن بریدہ سے نقل کیا ہے، ۷۲ دن، ۷۵ دن، ۸۵ دن، ۳ مہینے اس مدت کو ابوالفرج اصفہانی نے حضرت امام محمد باقر سے نقل کیا ہے۔ حاکم نے مستدرک میں اور ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں بھی اس قول کو قابل اعتبار سمجھا ہے۔ علامہ دلالی نے ذریۃ الطاہرہ میں

اس کی تصدیق کی ہے۔ ۱۰۰ دن بھی شمار کیے جاتے ہیں۔ حاکم نے مستدرک میں اور ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیا میں چھ مہینے کی مدت بیان کی ہے۔ آٹھ مہینے کی مدت بھی ابن عبدالبر نے عمرو بن دینار اور حاکم نے مستدرک میں عبداللہ بن حارث سے نقل کی ہے۔ دو حدیں یقینی ہیں یعنی ۸ مہینے سے زیادہ اور ۴۰ دن سے کم کی مدت کسی نے بیان نہیں کی۔ ہمارے اصحاب میں ۷۵ دن کی مدت روایات اہلبیت علیہم السلام سے مروی ہے اور یہی درست ہے لیکن اس میں ایک مشکل آن پڑتی ہے۔ ہمارے یہاں جناب رسول خداؐ کی وفات کی تاریخ ۲۸ صفر مسلّم ہے۔ ۷۵ دن اس کے بعد جناب فاطمہؑ کی تاریخ وفات ۱۳ جمادی الاوّل ہوتی ہے نہ کہ ۳ جمادی الآخر جو کہ مشہور ہے۔ اور صحیح ہے۔

علامہ سید محسن الامین کی بحث یہ ہے ممکن ہے بلکہ بہت اغلب ہے کہ خمسہ و تسعین (۹۵) دن کی مدت صحیح ہو۔ کاتب نے تسعین کی جگہ سبعین (۷۰) لکھ دیا۔ کیونکہ حروف ایسے ہیں کہ ان میں مغالطہ کا امکان ہے۔ لہذا غلط طور سے ۷۵ دن مشہور ہوگیا۔ اس زمانے میں نقطے بھی نہیں لگایا کرتے تھے۔ اب مطابقت ہوجاتی ہے۔ ۲۸ صفر کو آں حضرتؐ کا انتقال ہوا۔ دو دن صفر کے اور ۳ دن جمادی الآخر کے۔ یہ دونوں مل کر ۵ دن ہوے۔ ربیع الاول، ربیع الثانی اور جمادی الاوّل ان تینوں مہینوں کے ۹۰ دن ہوے۔ پانچ اور نوّے مل کر پچانوے ہو گئے۔ علامہ محسن الامین کے نزدیک جناب فاطمہؑ کا انتقال آں حضرتؐ کے ۹۵ دن بعد ہوا۔

جناب فاطمۃ الزہراؑ کے انتقال کے بعد ان کے سرہانے سے ایک پرچہ نکلا تھا جس میں آپ کی یہ وصیت درج تھی:۔

هذا ما اوصيت به فاطمه بنت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اوصيت وهي تشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله وان الجنة حق والنار حق وان الساعة اٰتية لا ريب فيها وان الله يبعث من في القبور يا علي حنطني وغسلني وكفني وصل علي وادفني بالليل ولا تعلم احدا واستودعك الله واقرأ على ولدي السلام الى يوم القيمة ـ

یہ وہ ہے جو وصیت کی فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم نے، وصیت کی کہ وہ شہادت دیتی ہے کہ کوئی خدا نہیں سوائے خدائے وحدہٗ لاشریک کے اور یہ کہ محمدؐ اس کے بندے ہیں اور رسول ہیں اور یہ کہ جنت و دوزخ حق ہیں۔ قیامت ضرور آنے والی ہے اس میں کچھ شک نہیں۔ اور یہ کہ خدا اٹھائے گا ان سب کو جو قبروں میں ہیں۔ اے علی مجھے حنوط کرنا غسل دینا اور کفن پہنانا اور میرے اوپر نماز پڑھنا اور مجھ کو رات کو دفن کرنا اور کسی کو میری موت کی اطلاع نہ دینا۔ میں تم کو خدا کے سپرد کرتی ہوں اور اپنے بچوں کو سلام کہتی ہوں روزِ قیامت تک۔

آپ نے زبانی وصیتیں بھی فرمائیں، حضرت علی ام ایمن، اسما بنت عمیس کو بلا کر حضرت علی سے تین وصیتیں کیں (پہلی) تو یہ کہ میری بھانجی امامہ بنت زینب سے نکاح کرنا۔ کیونکہ اس کو میری اولاد سے بہت محبت ہے (دوسرے) یہ بتایا کہ جنازہ کس طرح اٹھایا جائے۔ الاستیعاب میں اسناد کے ساتھ درج ہے کہ جناب فاطمہؑ نے اسما بنت عمیس سے کہا کہ جس طریقہ سے عورتوں کا جنازہ اٹھایا جاتا ہے میں پسند نہیں کرتی۔ عورت کے جنازے پر چادر ڈال دیتے ہیں اور اس کا جسم اس چادر سے معلوم ہوجاتا ہے۔ اسما بنت عمیس نے کہا کہ اے بنت رسولؐ میں آپ کو بتاتی ہوں جو میں نے حبش میں دیکھا تھا۔ پس اسما بنت عمیس نے ایک لکڑی کا تختہ منگوایا اس کے چاروں کونوں پر چار ڈنڈے کھڑے کیے۔ جناب فاطمہؑ کو بہت پسند آیا۔ اسلام میں سب سے پہلی عورت جن کا جنازہ اس طرح اٹھایا گیا فاطمہ بنت رسول اللہؐ ہیں۔ اور دوسری عورت زینب بنت جحش ہیں[۱۴۹] جناب فاطمہؑ کو پردے کا بہت ہی خیال تھا چنانچہ جب جناب رسول خداؐ نے ان سے دریافت کیا کہ عورت کے لیے سب سے بہتر کیا چیز ہے تو جناب فاطمہؑ نے فرمایا کہ وہ کسی نامحرم مرد کو نہ دیکھے اور کوئی نامحرم مرد اسے نہ دیکھے[۱۵۰] جب اسما بنت عمیس نے اس قسم کا جنازہ تیار کر کے دکھایا تو معصومہ بہت خوش ہوئیں۔ یہاں تک کہ آپ ہنس پڑیں۔ یہ پہلا اور آخری موقع تھا جب اپنے پدر عالی مقام کی وفات کے بعد آپ ہنسی تھیں۔ پس دوسری وصیت یہ تھی کہ آپ کو اس قسم کے جنازے میں اٹھایا جاوے (تیسری) وصیت یہ تھی کہ آپ کے جنازے پر ان میں سے کوئی نہ آئے جن سے آپ زندگی میں ناراض تھیں۔ ان میں سے کوئی آپ کی نماز جنازہ نہ پڑھے اور رات کو جنازہ اٹھایا جائے

۱۴۹ۃ ابن عبدالبر۔ الاستیعاب ج ۲ ص۷۷۲۔ حلیۃ الاولیا ابی نعیم اصفہانی الجزء الثانی ص۴۳
۱۵۰ۃ حلیۃ الاولیا ابی نعیم اصفہانی الجزء الثانی ص۴۲

چنانچہ اسی وجہ سے حضرت ابوبکر کو اجازت نہ دی گئی [۱۵۱] اور نہ حضرت عائشہ کو اجازت دی گئی [۱۵۲] تاریخ الخمیس کی عبارت کا ترجمہ نیچے درج ہے :-

"ام جعفر کہتی ہیں کہ جناب فاطمہؑ نے اسماء بنت عمیس سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو تم اور علی مجھ کو غسل دیں اور اپنے سوا کسی اور کو میرے جنازے پر نہ آنے دیں پس جب حضرت فاطمہؑ کا انتقال ہوا تو حضرت عائشہ آئیں مگر اسماء بنت عمیس نے ان کو جنازے پر نہ آنے دیا۔ حضرت عائشہ نے ابوبکر سے جا کر شکایت کی کہ یہ خشعمیہ ہمارے اور بنت رسول اللہ کے درمیان حائل ہوتی ہے اور ایک ہودج مثل ہودج عروس جنازے کے لیے بنایا ہے پس حضرت ابوبکر آئے اور باہر ہی ٹھہر گئے اور کہا کہ اے اسماء تو کیوں ازواج رسول کو بنت رسول کے جنازے پر آنے سے روکتی ہے اور کیوں جنازے کے لیے دلھن کا سا ہودج بنایا ہوا ہے۔ اسماء نے کہا کہ حضرت فاطمہؑ نے مجھے وصیت کی تھی کہ ان کے جنازے پر کوئی اور نہ آوے اور ایسا ہودج انھوں نے پسند کیا تھا۔ جب میں نے ان کو بنا کر دکھایا تھا۔ ابوبکر نے کہا کہ اچھا تم کرو جو تم کو انھوں نے وصیت کی ہے۔ یہ کہہ کر واپس چلے گئے اور جسد اطہر کو علی و اسماء نے غسل دیا۔ ابوعمرو دولابی نے بھی اس روایت کا اخراج کیا ہے۔

(تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص۳۱۳ مطبوعہ مصر)

حضرت فاطمہؑ نے ہر ایک زوجۂ نبی کے لیے ۱۲ اوقیہ دینے کی وصیت کی۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ اور اتنا ہی بنو ہاشم کی ہر ایک عورت کو دیا تھا۔ اور کچھ اپنی بہن زینب کی لڑکی امامہ کو بھی دیا تھا۔ جناب معصومہ کی اس وصیت سے ہم کو سبق حاصل کرنا چاہیے۔ حالانکہ آپ کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ پورا گھر ہی تھا لیکن پھر بھی اپنے اور اپنے رشتہ داروں کے حق میں وصیت کی۔ اب مسلمانوں میں تو

---

[۱۵۱] صحیح بخاری مطبوعہ مصر۔ کتاب المغازی باب غزوۂ خیبر الجزء الثالث ص۳۸۔ طبقات ابن سعد الجزء الثامن ذکر فاطمہ ص۱۹۔ مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث ذکر فاطمہ ص۱۶۲۔ حلیۃ الاولیاء ابی نعیم الجزء الثانی ص۴۳

[۱۵۲] حسین دیار بکری تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص۳۱۳۔ الاستیعاب ج ۲ ص۷۷۲۔ علامہ سمہودی وفاء الوفاء مطبوعہ مصر الجزء الثانی ص۹۳

یہ ہے کہ صرف اپنے بیوی اور بچوں ہی کے لیے سب کچھ چھوڑ جاتے ہیں دوسروں کا خیال بھی نہیں کرتے۔ علامہ سید محسن الامین لکھتے ہیں کہ جناب فاطمہؑ کے سات باغ تھے۔ ان کو جناب فاطمہؑ نے اولاد ہاشم، اولاد عبدالمطلب پر وقف کر دیا۔ اور اس وقف کا متولی حضرت علیؑ کو اور ان کے بعد امام حسنؑ کو مقرر کیا اور امام حسینؑ کے بعد جناب فاطمہؑ کی اولاد میں سے جو بھی سب سے بڑا ہوگا وہ ولی و متولی ہوگا۔ آپ نے یہ وصیت تحریر کر دی تھی۔ ان سات باغوں کے نام یہ تھے۔ العواف، الدلال، البرقہ، والمبیت والحسنی والصافیہ اور وہ جو ام ابراہیم کے پاس تھا۔ اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص۵۳۹

حافظ ابونعیم حلیۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ جب وقت رحلت نزدیک آیا تو جناب فاطمہؑ نے حضرت علیؑ سے کہا کہ میرے غسل کا انتظام کرو۔ پس حضرت نے انتظام کیا۔ جناب فاطمہؑ نے غسل کیا۔ طہارت کی۔ جدید کپڑے منگوا کر پہنے، حنوط لگایا اور پھر حضرت علیؑ سے کہا کہ ان ہی کپڑوں میں بعد رحلت غسل دیدینا۔ یہ کپڑے نہ اتارنا [۱۵۳] ابن سعد نے طبقات الکبریٰ میں اور ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں ابو رافع سے انھوں نے سلمیٰ سے روایت کی ہے کہ جس دن آپ نے انتقال کیا ہے۔ انتقال سے تھوڑی دیر پہلے سلمیٰ سے کہا کہ اے امّاں میرے اوپر غسل کے لیے پانی ڈالو پس انھوں نے پانی ڈالا جدید پوشاک منگوائی وہ پہنی۔ پھر فرمایا کہ میرا بچھونا بیچ گھر میں بچھا دو۔ پس اس پر آپ لیٹ گئیں۔ قبلہ کی طرف رخ کیا اور پھر کہا کہ اے امّاں جان میں ابھی مرنے والی ہوں۔ میں نے غسل کر لیا ہے۔ اس کے بعد غسل کے لیے میرے کپڑے نہ اتارے جائیں۔ یہ کہا اور انتقال فرمایا۔ جناب معصومہ کی رحلت کی خبر فوراً مدینہ میں پھیل گئی۔ اہل مدینہ نے مل کر گریہ وزاری کی۔ بنو ہاشم کی عورتیں آپ کے گھر میں جمع ہوئیں اور اس شدت کے ساتھ گریہ وزاری کی کہ تمام مدینہ لرز گیا اور وہ کہتی جاتی تھیں اے سیدہ، بنت رسول اللہ، اہل مدینہ حضرت علیؑ کے پاس جمع ہوئے۔ وہ لوگوں سے پُرسا لے رہے تھے۔ اور جناب حسنؑ اور حسینؑ ان کے پاس بیٹھے رو رہے تھے

---

[۱۵۳] حلیۃ الاولیاء الجزء الثانی ص۴۳

اور ان دونوں کے رونے سے وہ سب لوگ رونے لگے۔ ام کلثوم گھر سے برقعہ پہن کر نکلیں اور قبر رسول کی طرف یہ کہتی ہوئی چلیں کہ اے رسول اللہ ہم نے محسوس کیا کہ آپ ہم سے جدا ہو گئے ہیں۔ اب اس کے بعد ہمیں آپ کی زیارت نصیب نہ ہوگی۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ حسنین علیہ السلام پر رونا گناہ ہے معلوم نہیں وہ اس گریہ وزاری کو کیا کہیں۔ لوگ جمع ہوئے اور اس انتظار میں تھے کہ جنازہ نکلے تو نماز جنازہ پڑھیں۔ اتنے میں ابوذر واپس آئے اور ان سے کہا کہ آپ سب چلے جائیں کیونکہ بنتِ رسول کا جنازہ ابھی نہیں اُٹھے گا۔ یہ سُنکر لوگ اُٹھے اور چلے گئے۔ جناب فاطمہؑ نے ہر طریقہ سے امت پر ظاہر کر دیا کہ وہ دنیا سے ان لوگوں سے ناراض گئی ہیں۔ کیا اس وقت کہ جب ان لوگوں نے جناب معصومہ کی وصیت سنی ہوگی تو اپنے دل میں قائل نہ ہوئے ہوں گے۔ کہ واقعی بنت رسولؐ پر ظلم ہوا۔ اور وہ ہم سے ناراض ہونے میں حق بجانب تھیں۔

صحیح روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ غسل تو درحقیقت صرف حضرت علیؑ نے دیا اور اسماء بنت عمیس اوپر کے کاموں میں مدد دیتی تھیں۔ اس طرح لوگوں کا یہ اعتراض بھی باقی نہیں رہتا کہ اس وقت تو اسماء بنت عمیس زوجہ ابی بکر تھیں۔ اور علیؑ نامحرم تھے۔ پھر دونوں نے مل کر غسل کیونکر دیا ہوگا۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت علیؑ غسل دے رہے تھے اور جناب حسنین علیہما السلام پانی لا رہے تھے۔ اور اس وقت زینب، ام کلثوم، فضہ و اسماء بنت عمیس کے علاوہ کوئی موجود نہ تھا۔ اور یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جناب فاطمہؑ کا لباس غسل کے وقت نہیں اُتارا گیا۔ یہ تھی وصیت حضرت فاطمہ کی۔ اس وصیت سے جناب فاطمہ کی حیا کا درجہ معلوم ہوتا ہے۔

حضرت علیؑ نے سات کپڑوں میں کفن دیا اور جناب رسول خداؐ کے کفن سے جو کافور باقی رہ گیا تھا اس سے حنوط کیا۔ پھر نماز پڑھی پانچ تکبیروں کے ساتھ۔ آدھی رات کو دفن کیا اور قبر کا نشان بھی مٹا دیا۔ دفن و نماز کے وقت حضرت علیؑ حسنین علیہم السلام، عمار، مقداد، عقیل، زبیر، ابوذر، سلمان، بریدہ و چند بنوہاشم کے علاوہ اور کوئی موجود نہ تھا۔ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ آدھی رات کو دفن کیا گیا اور دفن نماز و جنازہ کے وقت حضرات شیخین موجود نہ تھے۔

مقامِ دفن میں اختلاف ہے۔ بہت سی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اپنے ہی گھر میں دفن ہوئیں اور یہ روایات صحیح اور قابل اعتبار ہیں۔ اور بعض روایات یہ ہیں کہ قبرستانِ بقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔ اور حضرت علیؑ نے سات قبریں اسی طرح کی اور اس کے ارد گرد بنا دیں کہ آپ کی قبر کی شناخت نہ ہو سکے۔ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبر کا نشان مٹا کر زمین کو ہموار کر دیا۔ تاکہ مقام قبر کسی کو معلوم نہ ہو سکے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں کیا اس کی وجہ وہی جناب فاطمہؑ کی وصیت معلوم ہوتی ہے کہ قبر پر کوئی وہ شخص نہ آئے جس سے آپ زندگی میں ناراض تھیں۔

بعض روایات میں تو یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کو تو یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہؑ نے انتقال فرمایا۔ اگرچہ ان روایات کی تنقید علامہ سمہودی نے اس طرح کی ہے کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ حضرت ابوبکر کو جناب معصومہ کی رحلت کا بھی علم نہ ہوا حالانکہ ان کی زوجہ غسل جنازہ میں حاضر تھیں۔ لیکن اس بات کو وہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ حضرت ابوبکر کو یہ نہ معلوم ہوا کہ جناب معصومہ کو کب دفن کیا گیا[۱۵۴] لیکن ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں امور میں کوئی ضد نہیں ہے۔ جناب اسماء بنت عمیس تو تیمارداری میں بھی شامل تھیں اور رحلت سے کئی دن پہلے سے آتی جاتی تھیں اور تیمارداری کرتی تھیں جب جناب فاطمہؑ کی رحلت ہوئی تو اس وقت کون سا وقت اور موقع تھا کہ سب سے پہلے جا کر اس کی اطلاع وہ حضرت ابوبکر کو دیتیں۔ حضرت ابوبکر کو کونسی رفاقت و محبت جناب فاطمہؑ سے تھی یا ہمدردی حضرت علیؑ سے تھی کہ ان کو فوراً ہی اطلاع دی جاتی اپنے شوہر و اہلبیت رسالت کے تعلقات سے وہ آگاہ تھیں۔ ہاں اگر حضرت عائشہ ہوتیں تو شاید وہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر ہی کو اطلاع دیتیں کہ لو یہ ایک کانٹا تھا وہ بھی نکل گیا کوئی یہ خیال نہ کرے کہ چونکہ حضرت اسماء بنت عمیس کے تعلقات حضرت فاطمہؑ سے اچھے تھے تو ان کے شوہر بھی ان کے دوست ہی ہونگے۔ حضرت عائشہ و جناب رسولِ خداؐ کی مثال اس خیال کی تردید کرتی ہے حضرت عائشہ

[۱۵۴] وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ مطبوعہ مصر الجزء الثانی ص۹۲

حضرت فاطمہؑ و حضرت علیؑ کی کتنی مخالف تھیں حضرت علیؑ کا ذکر خیر نہیں سن سکتی تھیں لیکن برخلاف اس کے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان دونوں حضرات سے کتنی محبت تھی جب جنابِ رسولِ خداؐ کے اثر سے حضرت عائشہ کی طبیعت نہ بدل سکی تو حضرت ابو بکر کے اثر سے جناب اسماء بنت عمیس کی طبیعت کیونکر بدل جاتی۔ اور اپنی بیوی کو حضرت فاطمہ کی گھر جانے سے ان کی بیماری کے موقع پر جبراً روکنا حضرت ابو بکر کی سیاسی مصلحتوں کے خلاف تھا۔

امام المحدثین ابو عبداللہ المعروف بالحاکم کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رات کو دفن ہوئیں حضرت علیؑ نے غسل دیا۔ جنازہ اٹھایا۔ اور رات کو دفن کیا اور ابوبکر کو اس کی اطلاع نہ ہوئی[۱۵۵]

علامہ طبری نے دلائل النبوۃ میں محمد بن ہمام سے روایت نقل کی ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے حضرت فاطمہؑ کے جسدِ اطہر کو رات کو بقیع میں دفن کیا اور ان کی قبر کا نشان مٹا دیا۔ جس رات کو آپ کو دفن کیا گیا اس رات کو چالیس اور قبریں بقیع میں بنائی گئیں۔

دفن کرنے کے بعد جناب امیر علیہ السلام کھڑے ہوئے اور اپنا منہ قبرِ رسول کی طرف پھیر کر اس طرح فریاد کی۔

السلام علیك یا رسول الله عني وعن ابنتك وزائرتك النازلة فی جوارك والبائتة فی الثری ببقعتك والمختار الله لها سرعة اللحاق بك قل یا رسول الله عن صفیتك صبری ورق عنها تجلدی الا ان فی التاسی بعظیم فرقتك وفادح مصیبتك

اے رسول اللہ آپ پر میرا اور آپ کی دختر کا سلام ہو جو اب آپ سے ملنے اور آپ کے ہمسائے میں رہنے آئی ہیں۔ اور آپ کے بقعہ میں تہ خاک آرام کریں گی اور خدا نے ان کو آپ سے بہت جلد ملا دیا۔ اے رسول اللہ آپ کی محبوبہ دختر کی جدائی سے میرا صبر جاتا رہا ہے لیکن آپ کی جدائی کا صدمہ و تکلیف میں نے برداشت کیا اس برداشت کی میں اب تقلید کرتا ہوں میں نے آپ کو لحد میں سلایا۔ اور آپ کی روح و بدن کی جدائی

[۱۵۵] مستدرک۔ الجزء الثالث ص۱۶۲

موضع تعز فلقد وسدتك فی ملحود قبرك وفاضت بین نحری وصدری نفسك بلی وفی کتاب الله لی انعم القبول انا لله وانا الیه راجعون قد استرجعت الودیعة واخذت الرهینة واختلست الزهراء فما اقبح الخضراء والغبراء یا رسول الله اما حزنی فسرمد واما لیلی فمسهد الی ان یختار الله لی دارك التی انت فیها مقیم کمد مقیح وهم مهیج سرعان ما فرق بیننا والی الله اشكو وستنبئك ابنتك بتضافر امتك علی هضمها فاحفها السؤال واستخبرها الحال فكم من غلیل معتلج بصدرها لم تجد الی بثه سبیلا وستقول ویحكم الله وهو خیر الحاكمین والسلام علیكما سلام مودع لا قال ولا سئم فان انصرف فلا عن ملالة وان اقم فلا عن سوء ظن بما وعد الله الصابرین واها واها والصبر ایمن واجمل

اس وقت ہوئی کہ جب آپ کا جسم میری گردن و سینے کے درمیان تھا قرآن شریف کا حکم میرے لیے کافی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ نے اپنی ودیعت واپس لے لی اور اپنی پارہ جگر کو جو میرے پاس چھوڑا تھا آپ نے اپنے پاس بلا لیا۔ زمین و آسمان میرے لیے اندھیر ہو گئے اب میرا غم دائمی ہو گیا۔ اور میری راتیں نیند و آرام سے خالی ہو گئیں جب تک کہ خداوند تعالیٰ مجھے بھی اس مقام پر بلا لے جہاں آپ ہیں میرے دل میں زخم پیپ آلود پڑ گئے ہیں اور غم کی موجیں جوش میں آگئیں۔ کتنی جلدی ہمارے ایک دوسرے کے درمیان جدائی ہوئی ہے میں خدا سے شکایت کرتا ہوں اور آپ کی بیٹی آپ کو آگاہ کریں گی کہ آپ کی امت نے آپ کی دختر کے حق کو غصب کرنے میں آپس میں مدد کی۔ آپ ان سے سوال کریں اور وہ آپ کو سارا حال بتائیں گی۔ ان کے سینے میں شدید غم و الم بھرا ہوا تھا جس کے ظاہر کرنے کا موقع انھیں اس دنیا میں نہ ملا۔ اور اب وہ آپ کو بتائیں گی۔ اور خدا سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے تم دونوں پر میرا سلام ہو وداع کرنے والا سلام اگر میں یہاں سے چلا جاؤں تو وہ اس وجہ سے نہ ہوگا کہ میں یہاں ٹھہرنے سے ملول ہوں اور اگر میں یہاں قبر پر ٹھہر جاؤں تو وہ اس وجہ سے نہ ہوگا کہ جو وعدہ صابرین کے ساتھ خدا نے کیا ہے اس پر میرا یقین نہیں۔

فلولا غلبة المستولين لجعلت المقام واللبث لزاما معكوفا ولاعولت إعوال الثكلى على جليل الرزية فبعين الله تدفن ابنتك سرًا وتهضم حقها وتمنع ارثها ولم يطل العهد ولم يخلق منك الذكر الى الله يا رسول الله المشتكى وفيك يا رسول الله احسن العزا صلى الله عليك وعليك وعليها السلام والرضوان - (اعیان الشیعہ سید محسن الامین الجزء الثانی ص۵۴۷، ص۵۴۸)

ہائے ہائے صبر ہی بہتر ہے اور اگر جابر و ظالم لوگوں کا غلبہ نہ ہوتا تو میں قبر پر مقیم ہو جاتا اور اس مصیبت عظیم پر گریہ و زاری کرتا کہ جیسے مادر مردہ پسر گریہ و زاری کرتی ہے۔ پس خدا کے سامنے آپ کی دختر پوشیدگی کے ساتھ دفن کی گئی۔ ان کا حق تلف کر لیا گیا اور ان کو میراث بھی نہ دی۔ درانحالیکہ ابھی آپ کی یاد لوگوں میں پرانی نہیں ہوئی۔ اے رسولِ خدا خدا سے ہم شکایت کرتے ہیں اور آپ سے بہتر کون ہے جس سے فاطمہ زہرا کے رحلت کی تعزیت کی جائے۔

جناب فاطمہ کی قبر کے کنارے پر کھڑے ہو کر حضرت علی مرتضیٰ نے یہ دو شعر اسی وقت انشا کر کے پڑھے:۔

(۱) لكل اجتماع من خليلين فرقة — وكل الذى دون الفراق قليل

(۲) وان افتقادى فاطما بعد احمد — دليل على ان لا يدوم خليل

(ترجمہ:- (۱) دو دوستوں کے ایک جگہ جمع ہونے کے بعد فرقت ضرور ہوتی ہے۔ فراق کے علاوہ جو زمانہ ہوتا ہے یعنی (زمانہ وصال) وہ بہت ہی قلیل ہوتا ہے۔

(۲) میرے دوستوں یعنی فاطمہ و احمد کا یکے بعد دیگرے کھو یا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ دوست ہمیشہ نہیں رہتا۔)

علامہ طبری نے دلائل الامامۃ میں محمد بن ہمام سے نقل کیا ہے کہ جب مسلمانوں کو جناب فاطمہ زہراؑ کے انتقال کی خبر ملی تو وہ سب بقیع میں آئے۔ وہاں ان کو چالیس قبریں جدید نظر آئیں اس وجہ سے ان کو نہ معلوم ہو سکا کہ ان قبروں میں سے کون سی قبر جناب فاطمہؑ کی ہے تو ان کو بہت رنج ہوا اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ تمھارے نبی نے فقط ایک لڑکی ہی تو چھوڑی تھی۔ وہ

مر بھی گئی۔ دفن بھی ہو گئی اور تم نہ اس کی رحلت کے وقت حاضر آئے نہ اس پر نماز پڑھی۔ یہاں تک کہ تم اس کی قبر سے بھی واقف نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ اس پر حکام خلافت نے کہا کہ جاؤ مسلمانوں کی عورتوں کو بلا لاؤ۔ اور وہ ان قبروں کو کھودیں تاکہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ فاطمہ کی کون سی قبر ہے تو پھر ہم ان پر نماز پڑھیں اور ان کی زیارت کریں۔ یہ خبر حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کو بھی پہنچی۔ آپ غصے میں بھرے ہوئے، آنکھیں سرخ ہوئی ہوئی، رگ گردن غصے سے پھولی ہوئی وہ زرد قبا اوڑھے ہوئے جو آپ ہمیشہ گھمسان کی لڑائی میں اوڑھا کرتے تھے۔ اپنی ننگی تلوار ذوالفقار پر تکیہ ہوئے بقیع میں تشریف لائے۔ لوگوں پر رعب و خوف چھا گیا اور کہنے لگے دیکھو کس غصے کی حالت میں علی ابن ابی طالب آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں خدا کی قسم کھا کے کہ اگر کسی نے ایک پتھر بھی ان قبروں کا اکھاڑا تو میں اس کی گردن اس تلوار سے اڑا دوں گا۔ اب حکام خلافت ٹھنڈے پڑ گئے اور ان میں سے ایک شخص نے حضرت علیؑ کو مخاطب کر کے کہا کہ اے ابوالحسن آپ کو کیا ہوا ہے۔ اور آپ کا کیا حرج ہے۔ ہم تو اس لیے قبر فاطمہ کو اکھیڑنا چاہتے ہیں کہ ان کی نماز جنازہ پڑھیں۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اپنے کپڑوں پر مکا مارا اور برہنہ تلوار کو زمین پر زور سے دے مارا۔ اور فرمایا کہ میں نے اپنا حق تو محض اس وجہ سے چھوڑا اور اس کے لینے کے لیے تلوار نہ اٹھائی کہ لوگ مرتد ہو جاتے لیکن قبر فاطمہ تو اس قادر مطلق کی قسم ہے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں علی کی جان ہے کہ اگر تو نے یا تیرے اصحاب نے ایک ڈھیلا بھی اس قبر سے اٹھایا تو میں اس زمین کو تم سب کے خون سے سیراب کر دوں گا۔ بس اگر چاہتا ہے تو لے سامنے آجا۔ اب دوسرے صاحب جو نرمی سے گفتگو کرنے والے تھے حضرت علی سے مخاطب ہو کر بولے کہ رسولِ خدا کے حق کی قسم اور اس کے حق کی قسم جو عرش کے اوپر ہے ہم اب یہ کام نہ کریں گے کہ جس سے تم ناراض ہوتے ہو۔ یہ کہہ کر وہ لوگ چلے گئے اور پھر کسی نے ادھر کا خیال نہ کیا [۱۵۶]

ہم حیران ہیں کہ ان لوگوں کی ذہنیت اور عقل پر جو حضرت فاطمہؑ و حضرت علیؑ کے

[۱۵۶] اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص۵۴۹ طبع ثانی۔

سوانح حیات سے واقفیت رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ اس انتظام حکومت سے خوش تھے۔ جو آں حضرتؐ کے انتقال کے بعد ہوا۔ اپنے تئیں حقدار نہیں سمجھتے تھے اور اپنا حق نہیں جتایا اگر حقدار تھے تو انھوں نے تلوار کیوں نہ اٹھائی۔ فاتح بدر و حنین و خیبر کی تلوار کو کیا ہوگیا۔ غور تو کرو ان کی تلوار ایسی ہی تیز تھی کہ جیسے پہلے تھی۔ ہر موقع پر اپنا حق جتایا۔ دوسروں کے ظلم کو آشکارا کیا اور یہ بھی بتایا کہ میں خلافت کے لیے تلوار کیوں نہیں اُٹھاتا۔

باب ہشتدہم

جناب معصومہ کے وہ اقوال و افعال و تحریکات جن کی صحت و واقعیت مسلّمہ امت ہے اور جن پر معرفت ائمۂ حق و صراطِ مستقیم اور شناخت ائمۂ مضلّین اور دشمنانِ رسولؐ اور آل رسولؐ مبنی ہے

جب آں حضرتؐ کی رحلت کے بعد اسلام پر وہ مصیبت پڑی جس کا ذکر کتاب الفتن کے عنوان کے تحت میں بخاری و صحیح مسلم و دیگر کتب احادیث میں موجود ہے تو سب سے پہلی داعیہ الی الاسلام جناب فاطمہؑ ہیں۔ اور جس غم میں گھُل گھُل کر جناب معصومہ نے انتقال فرمایا وہ یہی تھا کہ آں حضرتؐ کے بعد کیسی جلدی لوگوں نے صراطِ مستقیم کو چھوڑ دیا۔ اس سے آں حضرتؐ کی جُدائی کا رنج اور زیادہ شدید ہوگیا۔ آپ کی زندگی کے مندرجہ ذیل واقعات غور طلب ہیں:—

(۱) والیانِ ریاست سے اپنی میراث طلب کرنا۔

(۲) اس دعوے کی پیروی خود اربابِ حکومت میں آکر کرنی تاکہ لوگوں کو یہ شبہ نہ ہو کہ انھیں تو اس کا خیال نہیں۔ دوسرے لوگ خواہ مخواہ یہ تنازعہ کھڑا کر رہے ہیں

(۳) اس معاملہ کو اپنی طرف نسبت دینے میں اتنا مبالغہ کرنا کہ حضرت علیؑ سے بھی شکایت کی کہ آپ خاموش کیوں ہیں۔

(۴) اس دعوے کے انکار پر وہ عظیم الشان خطبہ لوگوں کے مجمع میں ادا کرنا جس سے

حق و ناحق صاف طور سے نمایاں ہوگیا۔

(۵) جناب معصومہ اور حضرت علیؑ نے حکومت کے فیصلۂ فدک کو ہمیشہ غلط سمجھا اور اس کو ظلم سے تعبیر کیا۔

(۶) جناب فاطمہ زہراؑ نے صاف طور سے برملا ان لوگوں کے مُنہ پر کہہ دیا کہ خلافت حضرت علیؑ کا حق تھا اور ان کو خلافت سے محروم رکھنا ان کے اوپر ظلم عظیم ہے اور اسلام کے لیے باعث بربادی ہے۔

(۷) ان لوگوں سے آپ نے صاف فرما دیا کہ میں تم سے ناراض ہوں اور تمھاری شکایت جاکر خدا و رسولؐ سے کرونگی۔ اور پھر مرتے دم ان سے گفتگو نہ کی۔

(۸) جناب فاطمہؑ نے وصیت کی کہ جنازہ رات کو اُٹھے، چنانچہ جنازہ آپ کا رات کو اُٹھا تھا۔

(۹) یہ بھی وصیت تھی کہ جنازہ پر وہ لوگ نہ آئیں جنھوں نے آپ پر ظلم کیا تھا اور جن سے آپ ناراض تھیں چنانچہ وہ لوگ جنازے پر آنے سے روک دیے گئے۔ اور انھوں نے جس طرح رسولِ خداؐ کے دفن و کفن میں شریک ہونے کی سعادت حاصل نہ کی تھی اسی طرح بنت رسولؐ کی تجہیز تدفین و تکفین کی شرکت سے محروم رہے۔

(۱۰) جناب رسولِ خداؐ کا قول کہ جس نے فاطمہؑ کو ایذا دی اور ناراض کیا۔ اس نے مجھے ایذا دی اور ناراض کیا۔ اور جس نے مجھے ناراض کیا اُس نے خداوند تعالیٰ کو ناراض کیا۔

باب نوزدہم

جناب فاطمۃ الزہراؑ کے اوقاف و صدقات

جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے سات باغ تھے، بوقت رحلت آپ نے بروئے وصیت تحریری اُن کو بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب کے حق میں وقف کر دیا۔ ان کا انتظام و تولیت جناب علی مرتضیٰؑ کے ہاتھ میں رکھی گئی۔ ان کے بعد امام حسنؑ اور ان کے بعد امام حسین بروئے وصیت متولی مقرر کیے گئے۔ امام حسینؑ کے بعد جناب فاطمہؑ کی اولاد میں جو سب سے بڑا ہو وہ مقرر کیا گیا۔ جب امام محمد باقر علیہ السلام سے اس وصیت کی

نسبت دریافت کیا گیا تو آپ نے ایک تحریر نکالی اس وصیت کی نقل ہم باب ششم میں درج کر چکے ہیں۔

جناب ابوالحسن الثانی علیہ السلام سے ان سات باغوں کی نسبت سوال کیا گیا جو جناب فاطمہؑ کو ورثہ میں جناب رسول خداؐ کی طرف سے ملے تھے تو آپ نے فرمایا کہ وہ ساتوں باغ وقف تھے۔ جن کی آمدنی میں سے جناب رسول خداؐ اپنے مہمانوں اور متعلقین پر خرچ کیا کرتے تھے۔ جب آں حضرتؐ کا انتقال ہوا تو اس میراث کا تنازعہ عباس نے جناب فاطمہؑ سے کیا اس پر حضرت علیؑ اور دیگر لوگوں نے گواہی دی کہ وہ ساتوں باغ جناب فاطمہؑ کے حق میں بروئے وصیت جناب رسولِ خداؐ نے وقف کر دیے تھے۔ صاحب اعیان الشیعہ لکھتے ہیں کہ ان خبروں میں ذرا شک کی گنجائش رہ جانے کا امکان ہے۔ کیونکہ بعض روایات سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ جناب فاطمہؑ نے بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب پر وقف کر دیا تھا۔ اگر یہ ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آپ کی ملکیت میں تھے۔ کیونکہ وقف تو اس وقت ہی ممکن ہے کہ جب واقف ملکیت کا حامل ہو اور بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب رسول خداؐ نے یہ جناب فاطمہؑ کے حق میں وقف کیے تھے۔ اگر ایسا ہے تو پھر جناب فاطمہؑ ان کو بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب پر وقف نہیں کر سکتی تھیں۔ کیونکہ وقف میں پھر دوبارہ وقف نہیں ہوتا۔ ان دونوں قسم کی روایات میں اس طرح مطابقت ہو سکتی ہے کہ یہ وقف جناب رسولِ خدا ہی نے اس طرح کر دیا ہو کہ جناب فاطمہؑ کی حیات تک تو وہ اُن کے حق میں رہے اور ان کے بعد بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب کی طرف عود کر آوے۔ اور اسی ترتیب سے اس کا انتظام اور تولیت رکھا ہو جو جناب فاطمہؑ کی وصیت میں درج ہے۔[۱۵۷]

باب ہفتم

اولاد

اس پر تمام امت اسلامیہ کا اتفاق ہے کہ جناب فاطمہؑ کے تین لڑکے اور

[۱۵۷] اعیان الشیعہ طبع دوم الجزء الثانی ص۵۴

دو لڑکیاں ہوئیں۔ اولاد نرینہ میں حضرت امام حسنؑ و حسینؑ و محسنؑ تھے۔ اور اولاد اناث میں حضرت زینبؑ و ام کلثومؑ تھیں۔ ہم ان میں سے ہر ایک کا مختصر حال لکھتے ہیں جس سے معلوم ہو گا کہ جناب فاطمہؑ نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کس طرح کی تھی۔ اور یہ بھی ظاہر ہو گا کہ جناب معصومہ کی اولاد کو اپنے والدین کی طرف سے دنیاوی ورثہ میں سے صرف ایک چیز ملی تھی اور وہ امت کا سلوک تھا۔ یہ بات ضرور ہے کہ امت نے سب کے ساتھ یکساں ہی سلوک کیا۔ اگرچہ اختلافِ حالات کی وجہ سے طریقۂ سلوک کی مختلف صورتیں ہو گئیں لیکن نوعیت ایک ہی رہی ظلم و تعدی۔

امام حسن علیہ السلام۔

پیدائش۔ بمقام مدینہ منورہ شب درمیانی ۱۴، ۱۵، رمضان المبارک ۳ھ مطابق ۲۹، فروری ۶۲۵ء روز جمعہ۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ شاید ۲ھ ہو۔ لیکن زیادہ مشہور ۳ھ ہے۔ آپ اپنی والدین کی سب سے پہلی اولاد تھے۔

سوانح حیات۔ جناب امام حسنؑ اہلبیت رسولؐ میں ہیں اور ان کی اولاد میں شمار ہوتے ہیں۔ جناب رسول خداؐ فرمایا کرتے تھے کہ تمام انبیاء کی اولاد ان کے اپنے صلب میں ہوتی ہے لیکن میری اولاد صلب علی ابن ابی طالب میں ہے۔[۱۵۸]

امام حسن آیۂ تطہیر میں شامل اور آلِ عباء میں داخل ہیں۔ آیت مباہلہ میں ابناءنا کی جگہ آپ نے اور آپ کے بھائی امام حسینؑ نے لے لی تھی۔ اور اس بڑے معرکہ مباہلہ میں آپ منتخب کیے گئے تھے۔ جناب رسول خداؐ کو امام حسنؑ و حسینؑ سے بہت ہی محبت تھی۔ امام حسنؑ کی عمر آٹھ سال سے چند ماہ کم تھی کہ جناب رسول خداؐ کا انتقال ۲۸، ماہ صفر ۱۱ھ مطابق ۲۵، مئی ۶۳۲ء کو ہو گیا اور ابھی تین ہی مہینے گزرے تھے کہ جمادی الآخر ۱۱ھ کی ۳ تاریخ مطابق ۲۶، اگست ۶۳۲ء کو آپ کی مادر گرامی حضرت فاطمہ کا انتقال ہو گیا۔ ۲۴، محرم ۳۵ھ مطابق ۲۳، جون ۶۵۶ء کو حضرت علیؑ

[۱۵۸] ارجح المطالب عبید اللہ امرتسری مطبوعہ ۱۳۵۱ ہجری طبع چہارم باب سوم ص۳۳۴، ص۳۳۵۔ شرح زرقانی علی مواہب لدنیہ الجزء الثانی ص۶۔ صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص۷۴۔ ریاض النضرہ محب طبری باب الرابع فصل السادس جزء الثانی ص۱۶۸۔ کنز العمال علی متقی۔ الجزء السادس ص۱۵۲ احدیث ۲۵۱

تختِ خلافت ظاہری پر متمکن ہوئے۔ روزِ اول ہی سے طلحہ و زبیر و معاویہ کی بغاوت شروع ہو گئی۔ حضرت عائشہ نے بھی اپنی مخالفت کا اعلان جنگ جمل کی صورت میں کر دیا۔ جنگِ جمل و جنگ صفین میں امام حسن شامل تھے۔ ۲۱ رمضان سنہ ۴۰ھ مطابق ۳۰ جنوری سنہ ۶۶۱ء میں حضرت علیؑ کی شہادت پر امام حسن علیہ السلام اپنے والد کے جانشین ہوئے لیکن معاویہ کے دونوں ہتھیار یعنی زہر و فریب اپنا کام کر چکے تھے۔ اور امام حسنؑ کی فوج میں علانیہ بغاوت ہو گئی۔ شوال سنہ ۴۱ھ مطابق ۳۰ جولائی سنہ ۶۶۱ء میں معاویہ سے صلح ہوئی۔ صلح کی شرائط میں سے تین شرطیں یہ تھیں کہ (۱) معاویہ جناب علی مرتضیٰ کو امام حسنؑ کے سامنے برا نہیں کہے گا (۲) معاویہ کچھ رقم امام حسنؑ کو دیا کرے گا۔ (۳) معاویہ کے مرنے پر امام حسنؑ کو خلافت ملے گی پھر امام حسینؑ خلیفہ ہوں گے [۱۵۹]

اس صلح کا سوان سنہ ۴۱ھ میں ہونا مسٹر امیر علی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ علامہ ابن عبدالبر اور علامہ حاکم اس صلح کو ۵ جمادی الاولیٰ سنہ ۴۱ھ مطابق ۱۶ نومبر سنہ ۶۶۱ء میں ہونا بیان کرتے ہیں۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ کسی کتاب سے یہ نہیں پایا جاتا کہ امام حسن نے معاویہ کی بیعت کی۔ صرف تحریرات کے ذریعہ سے صلح ہوئی تھی۔ معاویہ نے بیعت پر اصرار نہیں کیا اگر کیا ہوگا تو امام حسنؑ نے انکار کیا ہوگا۔ چنانچہ جب معاویہ کوفہ میں آیا اور امام حسن بھی اس کے مقام پر تشریف لے گئے۔ تو اس نے یہ کہا کہ آپ خطبہ دیدیں تاکہ لوگوں پر ظاہر ہو جائے کہ آپ نے مجھ سے صلح کر لی ہے۔ اگر بیعت کر لیتے تو پھر معاویہ یہ بات نہ کہتا۔ اس کی اس خواہش کو امام حسنؑ نے مان لیا۔ اور منبر پر تشریف لے جا کر یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

فحمد الله واثنی علیه وصلی علی النبی وآله ثم قال من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا الحسن ابن رسول الله انا

بعد حمد و ثنائے الٰہی و درود بر نبی اکرم آپ نے فرمایا کہ جو مجھ کو جانتا ہے وہ جانتا ہے جو مجھ کو نہیں جانتا ہے اس کو میں بتاتا ہوں کہ میں پیغمبر خدا کا بشیر و نذیر کا بیٹا ہوں۔ اس شخص کا پسر ہوں جس کو

---

[۱۵۹] امیر علی تاریخ انگریزی۔ ابن عبدالبر۔ الاستیعاب الجزء الاول ص۱۴۳، ۱۴۴ ترجمہ حسن ابن علی ابن قتیبہ۔ کتاب الامامت والسیاست الجزء الاول ص۱۳۶۔ ابن حجر مکی صواعق محرقہ الباب العاشر فی خلافۃ الحسن ص۸۱۔ مولانا جامی۔ شواہد النبوۃ رکن سادس ص۱۷۲ مطبوعہ نولکشور۔ مصباح الدین احمد۔ الہارون ص۱۳۸

ابن البشیر النذیر انا ابن المصطفیٰ بالرسالة انا ابن من صلت علیه الملٰئکة انا ابن من شرفت به الامة انا ابن من کان جبرئیل السفیر من الله الیه انا ابن من بعث رحمة للعالمین فلم یقدر معاویة ان یکتم عداوته وحسده فقال یا حسن علیك بالرطب فانعته لنا قال نعم یا معاویة الریح تلقحه والشمس تنفخه والقمر یلونه والحر ینضجه واللیل یبرده ثم اد بر علی منطقه فقال انا ابن المستجاب الدعوة انا ابن من کان من ربه کقاب قوسین او ادنیٰ انا ابن الشفیع المطاع انا ابن مکة ومنیٰ انا ابن من خضعت له قریش رغما انا ابن من سعد تابعه وشقی خاذله انا ابن من جعلت الارض له طهورا ومسجدا انا ابن من کانت اخبار السماء الیه تترٰی انا ابن من اذهب الله عنهم الرجس وطهرهم تطهیرًا فقال معاویه اظن

خدا نے اپنی رسالت کے لیے منتخب کر لیا جس کے جنازے پر ملائکہ نے نماز پڑھی جس سے امت سرخرو ہوئی۔ جس کے پاس جبرئیل خدا کی طرف سے سفیر بن کر آتے تھے۔ جو مخلوق کے لیے رحمۃ للعالمین بنا۔ معاویہ اس پر قادر نہ ہوا کہ نبی صلعم کی عداوت جو اس کے دل میں تھی چھپا لیتا معاویہ نے کہا کہ اے حسن کچھ خرمائے تر کی صفات بیان کرو۔ امام حسنؑ نے جواب میں کہا کہ اچھا اے معاویہ فرمایا کہ ہوا خرمائے تر کو بڑھاتی ہے سورج اس کو خوشبو دیتا ہے۔ چاند رنگ دیتا ہے۔ گرمی پکاتی ہے۔ رات اس کو سرد کرتی ہے پھر اپنے سابقہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ میں فرزند ہوں اس کا جس کی دعا قبول ہوئی۔ جس کے اور اس کے خدا کے درمیان فاصلہ صرف قاب قوسین کا رہ گیا تھا۔ یا اس سے بھی کم جو شفیع روز جزا ہے، جس کی اطاعت واجب ہے۔ میں مکہ و منیٰ کا فرزند ہوں۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کے آگے قریش نے اپنی ناک رگڑ دی جس کا پیرو نیکی پر فائز ہوا۔ اور جس نے اس کو چھوڑ دیا وہ شقی ہوا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کے لیے زمین طاہر و قابل سجدہ بنائی گئی جس کے پاس آسمان کی خبریں لگاتار آتی تھیں جس کو خداوند تعالیٰ نے پاک و پاکیزہ رکھا۔ معاویہ سے نہ رہا گیا اور کہا کہ اے حسن کیا تمھارا دل خلافت کے لیے تنازعہ کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ وائے ہو تجھ پر

نفسك يا حسن تنازعك الى الخلافة فقال ويلك يا معاويه انما الخليفة من سار بسيرة رسول الله (ص) وعمل بطاعته ولعمرى انا لاعلام الهدى ومنار التقى ولكنك يا معاوية ممن اباد السنن واحيا البدع واتخذ عباد الله خولاً ودين الله لعباً فكان قد اخمل ما انت فيه فعشت يسيرًا وبقيت عليك تبعاته

اے معاویہ خلیفہ وہ ہے جو سیرت رسول پر چلتا ہے اور ان کے عمل واحکام کی اطاعت کرتا ہے ۔بخدا میں ہدایت کا علم پرہیزگاری کا منارہوں ۔ اور اے معاویہ تو ان میں سے ہے جنھوں نے سنت رسول کو برباد کیا اور بندگان خدا کو اپنا غلام بنا لیا اور خدا کے دین کو کھلونا بنا لیا جس میں تو ہے وہ بربادی ہے بس تو تھوڑے دن زندہ رہے گا لیکن تیرے گناہوں کے برُے نتائج باقی رہ جائیں گے ۔

یہ خطبہ ہم نے علامہ محسن الامین کی اعیان الشیعہ الجزءالرابع قسم اول ص۴۷ سے لیا ہے تحف العقول میں بھی یہ درج ہے ۔اسی خطبہ کو ذرا تھوڑے اختلاف سے ابن الجوزی نے تذکرۃ الخواص الامۃ میں ابن الاثیر نے تاریخ الکامل میں ، ابن عبد البر نے الاستیعاب میں اور ابوالفرج الاصفہانی نے مقائل الطالبین میں نقل کیا ہے ۔ انھوں نے اس طرح نقل کیا ہے ۔ یہ بھی اعیان الشیعہ میں درج ہے ۔

ايها الناس ان الله هداكم باولنا وحقن دماءكم باخرنا ونحن اهل بيت نبيكم اذهب الله عنا الرجس وطهرنا تطهيرًا نحن حزب الله المفلحون وعترة رسوله المطهرون واهل بيته الطيبون الطاهرون واحد الثقلين الذين خلفهما رسول الله فيكم فطاعتنا مقرونة بطاعة الله فان تنازعتم فى شئ فردوه

اے لوگو! خدا نے تم کو ہمارے پہلے شخص (محمدؐ) کے ذریعہ سے ہدایت دی اور آخری شخص (محمد) سے تمھارے خون بہنے سے بچا لیا۔ ہم تمھارے نبی کے اہلبیت ہیں۔ ہم سے خداوند تعالیٰ نے رجس ونا پاکی دُور رکھی ہے ۔اور پاک وصاف کیا ہے ۔ہم خدا کے فلاح پانے والے گروہ ہیں ۔ اس کے رسول کی پاک اولاد ہیں ۔اور اس کے طیب وطاہر اہلبیت ہیں ۔ دو گراں وبے بہا چیزوں میں کے ایک ہیں ۔ وہ دو چیزیں جن کو رسول خداؐ نے تمھارے درمیان بطور وراثت کے

الى الله والى الرسول وقال الا ان اكيس الكيس التقى واعجز العجز الفجور وان لهذا الامر مدة وان الدنيا دول انما الخليفة من سار بكتاب الله وسنة نبيه (ص) وليس الخليفة من سار بالجور ذلك ملك ملكاً يمتع فيه قليلاً ثم تنقطع لذته وتبقى تبعته ثم التفت الى معاوية فقال وان ادرى لعله فتنة لكم ومتاع الى حين فضج الناس بالبكاء فالتفت معاويه الى عمرو وقال هذا رايك ثم قال للحسن حسبك يا ابا محمد ـ

چھوڑا ۔ اور ہماری اطاعت تمھارے اوپر فرض ہے ۔ اور خدا کی اطاعت کے نزدیک ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم کسی شے میں تنازعہ کرو تو اس تنازعہ کو خدا ورسول کے پاس لے جاؤ۔ آپ نے فرمایا خبردار ہو جاؤ میں نے تقویٰ کا لباس پہن لیا ہے ۔ اور میں فجور کی چیزیں اکھاڑ کر پھینک دیتا ہوں حکومت ودولت کی ایک میعاد ہوتی ہے ۔ اور دنیا ہرتی پھرتی چھاؤں ہے ۔خلیفہ وہ ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول کی پیروی کرتا ہے ۔ وہ خلیفہ نہیں ہے جو جور وظلم کرتا ہے ۔ یہ بادشاہوں کا ملک بہت قلیل عرصہ کے لیے فائدہ پہنچاتا ہے اور پھر اس کی لذت منقطع ہو جاتی ہے اور اس کی برائیوں کے نتائج باقی رہتے ہیں ۔ پھر آپ معاویہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ایا تجھے کچھ معلوم بھی ہے کہ تم لوگ کس فتنے میں ہو اور اس سرمایہ کی مدت بہت قلیل ہے یہ خطبہ سُن کر لوگ بہت روئے اور معاویہ نے عمرو بن العاص کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ یہ تیری رائے کا نتیجہ ہے ۔ پھر امام حسن سے کہا کہ اے ابو محمد یہ کافی ہے ۔

اِس خطبہ کا بہت بڑا حصہ طبری نے اپنی تاریخ میں بھی نقل کیا ہے ۔ دیکھو تاریخ طبری عربی الجزءالسادس ص۹۳ ، ص۹۴

ابوالحسن مدائنی نے امام حسنؑ کا ایک اور خطبہ نقل کیا ہے ۔ وہ یہ ہے :۔

الحمد لله الذى توحد فى ملكه وتفرد فى ربوبيته يوتى الملك من يشاء وينزع

تعریف ہے اس خدا کی جو اپنی قدرت و سلطنت میں واحد ہے اور صفت ربوبیت میں کوئی اس کا شریک نہیں ، جس کو چاہتا ہے

عمن یشاء والحمد للہ الذی اکرم بنا مومنکم واخرج من الشرک اولکم وحقن دماء اٰخرکم فبلاؤنا عندکم قدیما وحدیثا احسن البلاء ان شکرتم او کفرتم ایھاالناس ان رب علی کان اعلم بعلی حین قبضہ الیہ ولقد اختصہ بفضل لم تعتدوا بمثلہ ولم تجدوا مثل سابقتہ فھیھات ھیھات طالما قلبتم لہ الامور حتی اعلاہ اللہ علیکم وھو صاحبکم وعدوکم فی بدر واخواتھا جرعکم رنقا وسقاکم علقا واذل رقابکم واشرقکم بریقکم فلستم بملومین علی بغضہ وایم اللہ لا تری امۃ محمد خفضا ما کانت سادا تھم وقادتھم بنی امیہ ولقد وجھہ اللہ الیکم فتنۃ لن تصدروا عنھا حتی تھلکوا لطاعتکم طواغیتکم وانضوائکم الی شیاطینکم فعند اللہ احتسب

اپنا ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اپنا ملک واپس لے لیتا ہے تعریف ہے اس خدا کی جس نے تمھارے مومنوں کو ہماری وجہ سے بزرگی دی اور تمھارے پہلے لوگوں کو ہماری وجہ سے شرک سے نکالا اور آخر لوگوں کا خون ہماری وجہ سے بہنے سے بچایا۔ پس تمھارا امتحان ہمارے ذریعہ سے قدیم بھی ہے اور جدید بھی ہے۔ یہ بہترین امتحان ہے خواہ تم شکر کرو یا کفران نعمت کرو۔ اے لوگو علی کا خدا علی سے اچھی طرح واقف تھا جب اس نے علی کو اپنے پاس بلایا اور خدا نے علی کو ایسے فضائل سے مخصوص کیا جو کسی اور کو نہ دیے گئے اور تم ان فضائل کو نہ پاؤ گے۔ ان میں جو علی سے پہلے گزر گئے ہیں تم نے علی کے امور کو پلٹ دیا یہاں تک کہ خدا نے ان کو تمھارے اوپر پلٹ دیا۔ وہ تمھارے ساتھی بھی تھے اور بدر وغیرہ کی جنگ میں تمھارے دشمن بھی تھے۔ انھوں نے تم کو نہایت گندہ پانی پلایا اور خون سے تمھیں سیراب کیا تمھاری گردنوں کو ذلیل کیا پس تم جو علی کے ساتھ بغض رکھتے ہو تو اس کی وجہ ہے۔ بخدا تم امت محمد کو کبھی آرام سے نہ دیکھو گے۔ جب تک بنو امیہ اس کے سردار اور رہنما ہیں۔ بہ تحقیق کہ خداوند تعالیٰ نے فتنہ کا رخ تمھاری طرف کر دیا ہے۔ تم اس سے خلاصی و رہائی نہ پاؤ گے۔ یہاں تک کہ تم اپنے گمراہ کرنے والوں شیطانوں کی اطاعت کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو جاؤ۔ پس خدا کے یہاں تمھاری

ما مضی وما ینتظر من سوء رعیتکم وحیف حکمکم ثم قال یا اھل الکوفہ لقد فارقکم بالامس سھم من مرامی اللہ صائب علی اعداء اللہ نکال علی فجار قریش لم یزل اخذا بحناجرھا جاثما علی انفاسھا لیس بالملومۃ فی امر اللہ ولا بالسروقۃ لمال اللہ ولا بالفروقۃ فی حرب اعداء اللہ اعطی الکتاب خواتمہ وعزائمہ دعاہ فاجابہ وقادہ فاتبعہ لا تاخذہ فی اللہ لومۃ لائم صلوات اللہ علیہ ورحمۃ۔

ان برائیوں کا حساب لیا جائے گا جو گزر گئی ہیں اور ان برائیوں کا جو تمھاری رعیت کے کردار اور تمھارے فاجرانہ اور ظالمانہ احکام کی وجہ سے آگے آنے والے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے اہل کوفہ خدا کے ترکش کے اس تیر نے تم سے کل جدائی کی ہے جو ہمیشہ خدا کے دشمنوں کو مجروح کرتا تھا۔ جو قریش کے فاجروں کے لیے مصیبت تھا جس نے ہمیشہ قریش کے گلوں کو پکڑا تھا جس نے خدا کے امور میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ خدا کا مال نہیں لیا۔ خدا کے دشمنوں سے لڑنے میں کبھی کمی نہیں کی۔ اس کے عزائم خدا کی کتاب کے موافق تھے۔ قرآن کے احکام کی ہمیشہ پیروی کی۔ خدا کے امور میں وہ لوگوں کی ملامت سے نہیں ڈرتا تھا۔ اس کے اوپر خدا کی صلوات و رحمت ہو۔

ان خطبوں کو غور سے پڑھیں۔ یہ صاف صاف باتیں وہ نہیں کہہ سکتا جس نے بیعت کر لی ہو۔ معاویہ نے اتنا ہی غنیمت سمجھا کہ حسنؑ اس کے سامنے سے ہٹ گئے۔

جناب امیر علیہ السلام کی شہادت پر جناب امام حسن علیہ السلام نے مندرجہ ذیل خطبہ کوفہ والوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اس خطبہ کو علامہ حافظ جمال الدین الزرندی المدنی نے اپنی کتاب درر السمطین میں نقل کیا ہے۔ اور نیز علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے جلاء العیون میں درج فرمایا ہے۔ الشیخ سلیمان قندوزی مفتی اعظم قسطنطنیہ نے اپنی کتاب ینابیع المودۃ مطبوعہ اسلامبول الباب التسعون صفحہ ۴۸۰ پر لکھا ہے:۔

ان الحسن ابن علی ابن ابی طالب علیھما السلام قال فی الخطبۃ الاخری بعد الحمد

امام حسنؑ نے اپنے خطبہ میں بعد حمد و ثنائے الٰہی و درود بر رسول اکرمؐ فرمایا کہ ہم اہل بیت کو خداوند تعالیٰ نے بزرگی عطا کی اور ہم کو پسند

والثناء علی اللہ التصلیۃ علی رسول اللہ انا اھل بیت اکرمنا اللہ و اختارنا و اصطفانا اذھب عنا الرجس وطھرنا تطھیرا ولم تفترق الناس فرقتین الا جعلنا اللہ فی خیرھما من آدم علیہا السلام الی جدی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فلما بعثہ للنبوۃ واختارہ للرسالۃ و انزل علیہ کتابہ فکان ابی اول من آمن وصدق اللہ ورسولہ قد قال اللہ تعالیٰ فی کتابہ المنزل علی نبیہ المرسل فمن کان علی بینۃٍ من ربّہ و یتلوہ شاھد منہ وقد قال لہ جدی رسول اللہ حین امرہ ان یسیر الی مکۃ فی موسم الحج بسورۃ براءۃ سر بھا یا علی فانی امرت ان یسیر بھا الا انا اورجل منی وانت منی فانی من جدی و جدی من اللہ فقال لہ جدی حین قضی بینہ وبین اخیہ جعفر ومولاہ زید ابن حارثہ

اور منتخب کرلیا ۔ تمام مخلوق میں ۔ اور تمام آلائشوں سے ہم کو پاک وپاکیزہ رکھا ۔ انسان فرقوں میں تقسیم ہوگئے اور فرقہ اخیار میں سے خدا نے جناب آدم سے لے کر میرے نانا محمد رسول اللہ کو منتخب و برگزیدہ کرلیا ۔ اور ان پر اپنی کتاب نازل کی ۔ جس پر ہمارے والد بزرگوار فوراً ایمان لے آئے ۔ چنانچہ قرآن شریف میں آیت نازل فرمائی افمن کان علی بینۃ من ربہ و یتلوہ شاھد منہ اس میں علی بینۃ سے مراد میرے نانا ہیں اور یتلوہ شاھد منہ سے ہمارے والد علی ابن ابی طالب مراد ہیں ۔ اور میرے نانا نے میرے والد کو سورۃ براءۃ دی اور یہ کہہ کر مکہ بھیجا کہ علی یہ لے کر مکہ جاؤ ۔ کیونکہ مجھے خداوند تعالیٰ کا حکم پہنچا ہے کہ اس کو یا تو میں لے جاؤں یا وہ شخص لے جائے جو مجھ سے ہے ۔ اور اے علی تم مجھ سے ہو پس میرے باپ علی نانا سے ہیں ۔ اور میرے نانا خدا سے قریب ہیں اور پھر میرے باپ کی شان میں میرے نانا نے اس وقت ارشاد فرمایا کہ جب دختر حضرت حمزہ کے متعلق میرے والد جناب جعفر اور زید بن حارثہ میں بحث ہوئی ۔ یا علی تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اور میرے بعد تم تمام مومن اور مومنہ کے ولی ہو ۔ اور تمام معرکوں میں اور نہایت سخت لڑائی میں میرے والد نے اپنی جان کو فدا کرکے میرے نانا کی حفاظت کی ۔ اور تمام لڑائیوں میں

فی ابنۃ عمہ حمزہ اما انت یا علی فمنی وانا منک وانت ولی کل مومن ومومنۃ بعدی فلم یزل ابی وقی جدی بنفسہ وفی کل موطن یقدمہ جدی ولکل شدۃ یرسلہ ثقۃ منہ طمانیۃ الیہ و قال اللہ تعالیٰ (والسابقون السابقون اولئک المقربون) فکان ابی سابق السابقین واقرب المقربین الی اللہ و الیٰ رسولہ وذلک انہ لم یسبقہ الی الایمان احد غیر خدیجۃ سلام اللہ علیہا فلما ان اللہ عزوجل فضل السابقین علی المتاخرین فضل سابق السابقین وقد قال اللہ عزوجل اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام کمن آمن باللہ والیوم الآخر وجاھد فی سبیل اللہ نزلت ھذہ الآیۃ فی ابی وکان حمزہ وجعفر قتلا شھیدین فی قتلاء کثیرۃ من الصحابۃ فجعل اللہ حمزۃ سید الشھداء

میرے نانا میرے باپ کو آگے رکھتے تھے ۔ اور تمام تکلیف وخطرے کے موقعوں پر میرے نانا میرے باپ کو بھیجتے تھے ۔ کیونکہ ان کو میرے والد پر بھروسہ ہوتا تھا ۔ اور اُن سے اطمینان تھا خداوند تعالیٰ فرماتا ہے والسابقون السابقون اولئک المقربون میرے والد سابقین سے سابق تھے ۔ مقربین خدا ورسول میں سے سب سے زیادہ اقرب تھے ۔ اور بایں وجہ سے کہ سوائے جناب خدیجہ کے کسی شخص نے اسلام میں علی پر سبقت نہیں کی میرے والد خدا و رسول کی اطاعت کرنے میں سب سابقین سے پہلے اور سب مقربین سے اقرب تھے ۔ کیونکہ ایمان لانے میں سوائے حضرت خدیجہ میری نانی کے کسی اور نے علی پر سبقت نہیں کی ۔ پس جس وقت خداوند تعالیٰ نے سابقین کو تاخیر کرنے والوں پر فضیلت دی اسی طرح سابقین میں آپس میں بھی فضیلت کے درجے ہیں اور خداوند تعالیٰ نے فرمایا اجعلتم سقایۃ الحاج الایۃ یہ آیت صرف میرے والد کے حق میں نازل ہوئی ہے اور جناب حمزہ و جعفر اکثر صحابہ کے ساتھ قتل ہوئے تھے لیکن بمقابلہ ان شہداء کے خداوند تعالیٰ نے جناب حمزہ کو سید الشہداء کا خطاب عطا کیا ۔ اور میرے عم نامدار جعفر کو دو پر عطا کیے کہ وہ ان کے ذریعہ سے بہشت میں ملائکہ کے ساتھ جس طرح چاہتے ہیں اُڑتے

من بنيهم وجعل لجعفر جناحين ليطير بهما في الجنة مع الملائكة كيف يشاء من بينهم و ذلك لقرابتهما من جدي صلى الله عليه و آله وسلم وصلى جدي على عمه حمزة سبعين صلوٰة من بين الشهداء يوم احد وكذالك جعل الله تعالىٰ لنسآء نبيه المحسنة منهن اجرين وللسيئة منهن وزرين ضعفين لمكانهن من جدي رسول الله صلى الله علي وآله وسلم وجعل الله الصلوٰة في مسجد نبيه صلى الله عليه وآله وسلم بالف صلوٰةٍ من بين سائر المساجد الا المسجد الحرام لمكان رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم فلما نزل (ان الله و ملٰئكته يصلون على النبي يا ايها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليماً) قالوا يا رسول الله كيف نصلي عليك فقال قولوا اللهم صل على

پھرتے ہیں۔ اور میرے نانا نے میرے چچا حمزہ پر ۷۰ دفعہ یوم احد نماز پڑھی تھی۔ اسی طرح خداوند تعالیٰ نے ازواج نبی میں سے جو نیکی کرے اسے دوگنا ثواب عطا فرمایا۔ اور جو بدی کرے اس کے لیے دوگنی سزا تجویز کی۔ یہ میرے نانا رسول اللہ کے تعلق کی وجہ سے ہے۔ جو شخص مسجد رسول میں نماز پڑھے اس کی ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نمازوں کے برابر جناب احدیت نے مقرر فرمایا۔ یہ اس وجہ سے کہ اس کو جناب رسول خداؐ میرے جد سے نسبت تھی۔ اور جب یہ آیت نازل ہوئی ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی الآیۃ تو لوگوں نے آں حضرتؐ سے دریافت کیا کہ آپ پر کس طرح صلواۃ بھیجیں تو آپ نے فرمایا کہ کہو اللھم صل علی محمد وال محمد اور ہر ایک مسلمان کے لیے فریضۂ واجبہ ہے کہ ہر ایک نماز میں میرے نانا جناب رسول خداؐ کے ساتھ ہمارے اوپر بھی صلواۃ بھیجے خداوند تعالیٰ نے غنیمت میں سے خمس ہمارے لیے اور جناب رسول خدا کے لیے واجب کیا اسی طرح صدقہ جناب رسول خداؐ پر بھی حرام ہے اور ہم پر بھی حرام ہے پس خداوند تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمیں پاک و پاکیزہ فرمایا۔ اسی طرح جیسا کہ اپنے رسول یعنے ہمارے نانا کو پاکیزہ فرمایا اور ہم کو بھی ویسا ہی طاہر فرمایا جیسا کہ ان کو طاہر فرمایا۔ اور یہ ایسا خاص شرف اور ظاہر

محمد وآل محمد فحق على كل مسلم فريضة واجبةٌ ان يصلى علينا مع الصلوٰة على جدي رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم واحل الله تعالىٰ خمس الغنيمة لرسوله و اوجبها في كتابه واوجب لنا من ذالك ما اوجب له وحرم عليه الصدقة وحرمها علينا فلله الحمد نزهنا مما نزهه وطيب لنا ما طيب له كرامته اكرمنا الله بها وفضيلة فضلنا على سائر عباده وقال الله لجدي حين جحده كفرة اهل لكتاب وحاجوه (فقل تعالوا ندع ابنائنا وابنائكم ونسآئنا ونسائكم وانفسنا وانفسكم ثم نبتهل فنجعل لعنة الله على الكاذبين) فاخرج جدي صلى الله عليه وآله وسلم منه من الانفس ابي ومن البنين انا واخي الحسين ومن النساء امي فاطمه فنحن اهله ولحمه ودمه ونفسه ونحن منه و هو منا وقد قال الله تعالى وتبارك (انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس

کرامت ہے اور ایسی فضیلت ہے کہ جس سے ہم کو تمام بندگان خدا پر فضیلت حاصل ہے۔ اور خداوند تعالیٰ نے میرے نانا اپنے رسول سے خطاب کر کے فرمایا۔ جب نصاریٰ نجران ان سے مناظرہ کرنے آئے کہ تم ان سے کہدو ندع ابناءنا و ابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا و انفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین پس میرے جد بزرگوار اپنے ساتھ مجھ کو میرے بھائی حسین کو میرے والد علی اور میری والدہ فاطمہ کو ساتھ لے کر بیت الشرف نبوت سے باہر تشریف لائے اور ہمیں لوگ ان کے اہل بیت ان کے گوشت پوست ان کے خون اور ان کے نفس تھے۔ اور ہمیں لوگ ان سے تھے۔ اور ہمیں لوگوں میں سے وہ تھے اور خدا نے آیت نازل فرمائی انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس الآیۃ تو میرے جد بزرگوار نے مجھے میرے بھائی حسین میری ماں اور میرے باپ کو ایک کمل خیبری کے نیچے ام المومنین حضرت ام سلمہ کے گھر میں جمع کر کے فرمایا کہ خداوندا یہی لوگ میرے اہلبیت ہیں۔ اور یہی میرے مخصوصین ہیں۔ تو ان سے ہر قسم کی آلائش کو دور رکھ اور ان کو ایسا پاک و پاکیزہ رکھ جیسا کہ پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ام سلمہ نے کہا کہ میں بھی اس کے اندر آسکتی ہوں آں حضرتؐ نے فرمایا کہ تو اپنے مقام پر ٹھہری رہ

اهل البيت ويطهركم تطهيرا فلما نزلت هذه جمعنا جدى اياى واخى وامى وابى ونفسه فى كساء خيبرى فى حجرة ام سلمه فقال اللهم هؤلاء اهلبيتى وخاصتى اذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا فقالت ام سلمه انا ادخل معهم يا رسول الله فقال لها قفى مكانك يرحمك الله انت على خير وانها خاصة لى ولهم ولما نزلت (وامر اهلك بالصلوٰة واصطبر عليها) ياتينا جدى كل يوم عند طلوع الفجر يقول الصلوٰة يا اهل البيت يرحمكم الله انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا وامر بسد الابواب فى مسجده غير بابنا فكلموه فى ذالك فقال انى لم اسد ابوابكم ولم افتح باب على من تلقاء نفسى ولكن اتبع ما اوحى الى ان الله امرنى بسد ابوابكم وفتح باب على وقد سمعت هذه الامة جدى يقول ما ولت امة امرها رجلا وفيهم من هو

یہ تو خاص میرے اور ان کے لیے ہے اگرچہ تو بھی خیر پر ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی وامر اهلك بالصلوٰة واصطبر عليها تو جناب رسول خداؐ ہر روز طلوع فجر کے وقت ہمارے مکان پر آکر فرمایا کرتے تھے کہ اے اہلبیت الصلوٰۃ خدا تم پر رحم کرے۔ اور آیۂ تطہیر کی تلاوت فرماتے تھے۔ معاملہ سد ابواب میں سب لوگوں کے دروازے ہمارے دروازے کے علاوہ مسجد رسول کی طرف سے بند کر دیے گئے۔ اس پر بعض لوگوں نے نکتہ چینی کی تو آں حضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے اپنی دلی خواہش سے تمھارے دروازے بند نہیں کیے ہیں اور نہ علی کا دروازہ کھلا رکھا ہے بلکہ یہ تو خدا کا حکم ہے اور میں نے اس کی تعمیل کی ہے۔ خدا نے وحی بھیجی کہ تمام لوگوں کے مکانوں کے دروازے جو مسجد کے اندر کھلتے ہیں بند کر دیے جاویں لیکن علی کا یہ دروازہ کھلا رہنے دیا جاوے میں نے اس حکم کی تعمیل کی ہے۔ تمام امت نے جناب رسول خدا کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ اگر یہ امت اپنے امر پر ایسے شخص کو حکم بنائے گی جو علم میں کمتر درجہ رکھتا ہے اور سب سے زیادہ علم کا رکھنے والا ان میں موجود ہے۔ تو اس امت کا امر ہمیشہ پراگندہ رہے گا جب تک یہ اس کی طرف رجوع نہ کریں گے۔ جو انھوں نے چھوڑ دیا ہے۔ اور انھوں نے رسول خدا کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا ہے کہ اے علی تمھاری

اعلم منه الا لم يزل يذهب امرهم سفالا حتى يرجعوا الىٰ ما تركوه وسمعوه صلى الله عليه واله وسلم يقول لابى انت منى بمنزلة هارون من موسىٰ الا انه لا نبى بعدى وقد راوه وسمعوه حين اخذ بيد ابى بغدير خم وقال لهم (من كنت مولاه فعلى مولاه اللهم وال من والاه وعاد من عاداه) ثم امرهم ان يبلغ الشاهد منهم الغائب ثم قال الحسن عليه السلام ايها الناس انكم لو التمستم ما بين جابلقاء وجابلساء رجلا جده نبى وابوه وصيه لم تجدوا غيرى وغير اخى فاتقوا الله ولا تضلوا ايها الناس لو اذكر الذى اعطانا الله تبارك وتعالىٰ وخصنا به من الفضائل فى كتابه وعلىٰ لسان نبيه صلى الله عليه واله وسلم لم احصه وانا ابن البشير وانا ابن النذير وانا ابن السراج المنير الذى جعله رحمة للعالمين واقسم بالله لو تمسكت الامة بالثقلين

منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو ہارون کی موسیٰ کے نزدیک تھی۔ صرف فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ آوے گا۔ اور بہ تحقیق امت نے جناب رسول خدا کو بمقام غدیر خم علی کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہتے ہوئے بھی سُنا ہے کہ جس کا میں ولی و حاکم ہوں اس کا یہ علی حاکم و ولی ہے خداوندا دوست رکھ اس کو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علی کو دشمن رکھے اور پھر آں حضرتؐ نے یہ حکم دیا کہ ان کے اس بیان کو جو حاضر ہیں انھیں سنا دیں جو غائب ہیں پھر امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کہ اے لوگو اگر تم جابلقا و جابلسا کے درمیان ایسے شخص کو تلاش کروگے کہ جس کا نانا رسول ہے۔ اور باپ رسول کا وصی اور جانشین ہے تو سوائے میرے اور میرے بھائی حسین کے کسی اور کو نہ پاؤگے۔ پس اے لوگو خدا سے ڈرو اور گمراہ نہ ہو اگر تم اپنے فضائل و مناقب جو کتاب خدا اور زبان رسول سے ثابت ہوتے ہیں۔ اور اپنے وہ خصائص جو مخصوص ہماری ذات کے لیے خالق عالم کی طرف سے ودیعت فرمائے گئے ہیں۔ اور جس کی وجہ سے ہم کو تمام دنیا کے لوگوں پر فضیلت حاصل ہے بیان کریں تو ان کا شمار نہیں ہوسکتا۔ میں بشیر کا فرزند ہوں میں نذیر کا فرزند ہوں میں اس سراج منیر کا پسر ہوں جس کو خدا نے رحمۃ للعالمین بنایا ہے۔ پھر آپ نے خدا کی قسم کھا کر بیان کیا

لاعطتھم السمآء قطرھا والارض برکتھا ولا کلوا نعمتھا خضراء من فوقھم ومن تحت ارجلھم من غیر اختلاف بینھما الی یوم القیمۃ قال اللہ عزوجل (ولو انھم اقاموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیھم من ربھم لاکلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم الآیہ) وقال عزوجل (ولو ان اھل القری اٰمنوا واتقوا لفتحنا علیھم برکات من السمآء والارض ولکن کذبوا فاخذناھم بما کانوا یکسبون) نحن اولی الناس بالناس فی کتاب اللہ وعلی لسان نبیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا ایھا الناس اسمعوا وعوا واتقوا اللہ وارجعوا الیہ ھیہات منکم الرجعۃ الی الحق وقد صارعکم النکوص وخامرکم الطغیان والجحود انلزمکموھا وانتم لھا کارھون والسلام علی من اتبع الھدی۔

کہ اگر امت ان دونوں ثقلین یعنی عترت رسول و قرآن خدا سے تمسک کرتی تو آسمان اپنی نعمتیں اور زمین اپنی برکتیں ان کو عطا کرتے۔ اور وہ ان تمام نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے اور یہ نعمتیں ان کے اوپر سے۔ اُن کے نیچے پیروں میں سے ان کے دائیں ان کے بائیں سے آکر قیامت تک انھیں گھیرے رہتیں اور ان میں کبھی اختلاف نہ ہوتا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ولو انھم اقاموا التوراۃ والانجیل الآیۃ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ولو ان اھل القری اٰمنوا واتقوا الآیہ اور فرمایا ایھا الناس ہم تمام لوگوں سے ازروئے کتاب اللہ و حدیث رسول اولیٰ و بہتر ہیں۔ پس اے گروہ مسلمین ہمارے احکام کو سنو اور ہماری اطاعت کرو اور خدا سے ڈرو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔

اس خطبہ کا اعادہ ذرا اختلاف کے ساتھ جناب امام حسن نے اس وقت بھی کیا تھا کہ جب بعد صلح آپ کوفہ سے مدینہ آنے لگے ہیں۔

انتقال:- جناب امام حسنؑ نے ۲۸ صفر ۵۰ھ مطابق ۲۷ مارچ ۶۷۰ء کو جعدہ بنت اشعث ابن قیس کے زہر دینے کی وجہ سے انتقال فرمایا۔ اس سے

پہلے بھی آپ کو کئی دفعہ زہر دیا جا چکا تھا۔ لیکن یہ بہت ہی سم قاتل تھا۔ جس کے اثر سے آپ جانبر نہ ہو سکے۔

امیر معاویہ نے والی مدینہ کے ذریعہ سے جعدہ بنت اشعث کو اس بات پر آمادہ کیا۔ کہ وہ امام حسنؑ کو زہر دے اور وعدہ کیا کہ وہ اس کو ایک ہزار دینار دے گا۔ اور اس کا نکاح اپنے بیٹے یزید سے کر دے گا۔ اور اس غرض کے لیے اس کے پاس سم قاتل بھجوایا۔ جب جعدہ حضرت امام حسنؑ کو زہر دے چکی اور آں جناب کا اس زہر سے انتقال ہوگیا تو اس نے معاویہ کے پاس ایفاء وعدہ کا پیغام بھیجا۔ معاویہ نے ایک ہزار دینار تو بھیج دیے۔ لیکن نکاح سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مجھے اپنے بیٹے یزید کی زندگی پیاری ہے جب تو نے حسن جیسے فرزند رسول کو زہر دے دیا تو میرا بیٹا یزید کس گنتی میں ہے [۱۶۰]

انتقال کے وقت امام حسنؑ نے اپنے بھائی امام حسینؑ سے وصیت کی کہ مجھے میرے نانا کے پہلو میں دفن کرنا۔ لیکن اگر کوئی مانع ہو تو جدال و قتال نہ کرنا۔ بلکہ بقیع میں مجھے دفن کر دینا۔ چنانچہ جب آپ کا انتقال ہوا تو امام حسین علیہ السلام آپ کا جنازہ قبر رسولؐ کی طرف لے چلے لیکن بنو امیہ مزاحم ہوئے۔ اور اس مزاحمت میں والی مدینہ سعید بن العاص اور حضرت عائشہ بھی شامل تھیں۔ جھگڑا بڑھ گیا۔ ان لوگوں نے جنازے پر تیر بھی مارے۔ لہٰذا امام حسین وصیتِ برادر کے مطابق خاموش ہو گئے اور بقیع میں جنازے کو لے جا کر دفن کر دیا [۱۶۱]

تاریخ ابو الفدا کی عبارت یہ ہے:-

وکان الحسن قد اوصی ان یدفن عند جدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلما توفی ارادوا ذالک وکاد یقع بین بنی امیہ و بنی ھاشم بسبب ذالک فتنۃ فقالت عائشہ البیت بیتی ولا اذن

---

[۱۶۰] مروج الذہب مسعودی الجزء الثانی ص ۳۰۳۔ ابن عبد البر۔ الاستیعاب ذکر امام حسن۔ ربیع الابرار زمخشری۔ تاریخ ابی الفداء۔ الجزء الاول ص ۱۸۳۔ سبط ابن الجوزی تذکرہ خواص الامۃ ذکر امام حسینؑ۔ روضۃ المناظر۔ تاریخ حبیب السیر جلد دوم جزء اول ص ۱۸۔ سیرۃ الاولیاء۔ امیر خسرو

[۱۶۱] تاریخ ابی الفداء الجزء الاول ص ۸۳۔ تاریخ حبیب السیر جلد دوم جزء ص ۱۸

ان یدفن فیه فیدفن با لبقیع ۔

(ترجمہ :- امام حسن نے وصیت فرمائی تھی کہ ان کو ان کے نانا رسول اللہ کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ پس جب آپ نے رحلت فرمائی تو اس امر کی کوشش کی گئی ۔ اور اس وجہ سے بنو ہاشم اور بنو امیہ میں فتنہ برپا ہونے لگا پس جناب عائشہ نے فرمایا کہ یہ گھر میرا گھر ہے اور میں اجازت نہیں دیتی کہ حسن یہاں دفن کیے جائیں ۔ پس ان کو بقیع میں دفن کر دیا گیا ۔)

تاریخ روضۃ الصفا کی عبارت یہ ہے :-

"در بعضے روایات آمدہ است کہ جہت امیر المومنین حسن علیہ السلام قبرے را نزدیک بقبر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کندند وجنازہ را برسر قبر نہادند وقبل از دفن عائشہ بر این معنی وقوف یافتہ بر اشترے سوار شدہ بآں موقع رفت و بہ منع مشغول گشت شیعہ علی علیہ السلام بنیاد یہ غوغا کردہ گفتند اے عائشہ روزے بر اشتر نشستہ محاربت می کنی ۔ وروزے بہ اشتر سوار شدہ برسر جنازہ نبیرۂ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منازعت آغاز می نمائی ومگذاری کہ او را دفن کنند ۔ چندانکہ سعی نمودند مفید نیفتاد ومردم بدو فرقہ متفرق شدہ بجانب دیگر تیر انداختند ۔ چند تیر بجنازہ رسید آنگاہ جناب حسین علیہ السلام بنا بر وصیتے کہ سابقاً مرقوم گشت جنازہ بہ بقیع بردند ۔"

ترجمہ :- بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب امام حسنؑ کے لیے ایک قبر جناب رسول خدا کے نزدیک کھودی گئی ۔ اور جنازہ کو دفن کرنے کے لیے اس کے کنارے پر رکھا ۔ قبل اس کے کہ دفن کریں حضرت عائشہ کو یہ معلوم ہوگیا ۔ وہ ایک خچر پر سوار ہو کر موقع پر تشریف لائیں اور دفن کرنے سے منع کرنے لگیں حضرت علیؑ کے شیعوں نے شور و غل کیا اور کہا کہ اے عائشہ کبھی اونٹ پر سوار ہو کر جنگ کرتی ہو ۔ کسی دن خچر پر سوار ہو کر نواسۂ پیغمبر صلوات اللہ علیہ کے جنازے پر آکر تنازعہ برپا کرتی ہو ۔ اور انھیں دفن نہیں ہونے دیتی ہو ۔ ان لوگوں نے بہت کوشش کی لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا ۔ لوگ دو جماعتوں میں منقسم ہوگئے ۔ اور ایک دوسرے کی طرف تیر پھینکنے لگے ۔ چند تیر آکر جنازۂ امام حسن پر بھی لگے ۔ اس وقت اس وصیت کے بموجب

جس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے ۔ امام حسین جنازہ کو برائے دفن بقیع میں لے گئے ۔)

اس موقع پر حضرت عبداللہ ابن عباس و محمد بن حنفیہ کی لفظی بحث حضرت عائشہ سے ہوگئی ۔ اس موقع پر عبداللہ ابن عباس نے یہ شعر کہا ۔ اور پڑھا :-

تَجَمَّلْتِ تَبَغَّلْتِ وَ لَوْ عِشْتِ تَفَیَّلْتِ ۔۔۔ لَكِ الثُّمْنُ مِنَ التِّسْعِ وَلِلْكُلِّ تَصَرَّفْتِ

(ترجمہ :- آپ اونٹ پر بھی سوار ہوئیں اور خچر پر بھی سوار ہو چکیں اور اگر زندہ رہیں تو ہاتھی پر سوار ہو جیے گا ۔ تمھارا تو نو حصوں میں آٹھواں حصہ ہوتا ہے لیکن آپ نے سارے پر تصرف کر لیا ہے ۔)

معلوم نہیں یہ گھر حضرت عائشہ کا گھر کیونکر ہوگیا ۔ کیونکہ ان کے والد ماجد فرما چکے تھے کہ پیغمبر کو نہ ترکہ ملے اور نہ پیغمبروں کے وارثوں کو ان کا ترکہ ملتا ہے ۔ حضرت ابوبکر کو خیال نہ آیا ورنہ تمام امہات المومنین سے ان کے مکان چھین لیتے کیونکہ ان کے مکانات جناب رسول خدا کا ترکہ تھا ۔ دیکھو نور الدین سمہودی کی وفاء الوفا باخبار دار المصطفٰی الجزء الاول باب الرابع فصل التاسع ص۳۲۵

چند اعتراضات ۔ وہ لوگ جو تاریخ کو غور سے نہیں پڑھتے جناب امام حسن علیہ السلام کے عمل پر دو اعتراض کرتے ہیں ۔ (۱) ایک تو یہ کہ آپ عورتوں کو بہت طلاق دیا کرتے تھے ۔ (۲) دوسرے یہ کہ آپ آرام و راحت کے دلدادہ تھے ۔ اس وجہ سے معاویہ سے صلح کر لی ۔ ورنہ امام حسینؑ کی طرح جان دیدیتے صلح نہ کرتے ۔ اس کے ضمن ہی میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے عمل میں آپس میں ضد تھی ۔ لہٰذا دونوں میں سے ایک غلطی پر تھے ۔ امام حسین علیہ السلام کے طرز عمل کی بنا پر بحث کر کے یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر حضرت علی اپنے زمانے کے خلیفہ کو حق بجانب نہ سمجھتے تو وہ بھی امام حسین کی طرح لڑائی کر کے جان دیدیتے ۔

جو لوگ واقعات کا مطالعہ غور سے نہیں کرتے اور اپنی عقل سلیم کو کام میں نہیں لاتے وہ اسی طرح کی بے ربط باتیں کرتے ہیں ۔ ہم ان اعتراضات کا جواب دیتے ہیں ۔

امیر معاویہ کے حالات کو جاننے والے جانتے ہیں کہ دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے ان کے پاس بہترین حربہ زہر کا تھا ۔ اور اس کے بعد یزید کا امیر معاویہ ہی پر منحصر نہیں ہے ۔ دنیا کے بادشاہ اور امرا جو خدا و آخرت پر اعتقاد نہیں رکھتے

اور ہمت و جرأت سے عاری ہوتے ہیں ایسے ہی اوچھے ہتھیار استعمال کرنے لگتے ہیں۔ مورخین لکھتے ہیں کہ امام حسنؑ کو چھ دفعہ زہر دیا گیا تھا اس سے صاف عیاں ہے کہ امام حسن خفیہ دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے۔ اور چونکہ صلح کی شرط یہ بھی کہ معاویہ کے بعد امام حسنؑ کو خلافت ملے گی لہذا امیر معاویہ کی دلی خواہش یہ تھی کہ امام حسنؑ اس کی زندگی میں انتقال کر جائیں۔ اب قیاس کیا جا سکتا ہے کہ امام حسنؑ کی موت کی کتنی کوششیں کی جاتی ہوں گی۔ زہر عموماً عورتوں کے ذریعہ سے دیا جاتا تھا۔ امام حسنؑ کے لیے ضروری ہوا کہ جب کبھی ذرا سا شبہ بھی کسی عورت پر ہو اس کو اپنے سے علیحدہ کر دیں۔ شبہ پر سزا تو دی نہیں جا سکتی تھی۔ طلاق ہی کے ذریعہ سے جس کی اجازت شریعت نے دیدی تھی یہ علیحدگی ہو سکتی تھی۔ اندریں صورت تعجب یہ نہیں ہے کہ امام حسنؑ نے طلاق کیوں دی بلکہ تعجب یہ ہے کہ اتنی کم طلاق کیوں دی۔ واقعات نے ثابت کر دیا کہ واقعی طلاق کم تھے۔ جب ہی تو ان کی زد سے جعدہ بچ گئی۔

دوسرا اعتراض زیادہ غور چاہتا ہے۔ اس کی بحث میں اقلیدس کی اشکال کی بحث کی طرح چند اصول موضوعہ و علوم متعارفہ قائم کر لینے ضروری ہیں اور وہ یہ ہیں:-

(۱) ائمہ اہلبیت علیہم السلام کی زندگیاں ان کے لیے نہ تھیں انھوں نے اپنا نفس خدا کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ لہذا بے فائدہ کا غرور و جاہلیت کا پندار ان کے عمل پر اثر پذیر نہیں ہو سکتا تھا۔

(۲) وہ انسان کی جان خصوصاً مومن کی جان کی اسی طرح حفاظت کرتے تھے جس طرح قرآن نے حکم دیا ہے۔ قرآن مومن کی جان کو دنیا کی ہر شے سے اوپر رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ جان بچانے کے لیے حرام بھی حلال کر دیا گیا ہے لہذا مومن کی جان کو محض جاہلیت کے پندار یا دنیا کی وجاہت کے لیے خطرے میں نہیں ڈال سکتے تھے۔

(۳) ان کی عقل سلیم نے دنیا کی اشیا کو ان کی مناسب قدر پر رکھا تھا۔ ان کے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی شے دین اسلام تھا۔ اس دین کے لیے ہر شے یہاں تک کہ جان و عزت کو بھی قربان کر دیتے تھے۔

اب ان تین اصول موضوعہ کو مدنظر رکھ کر ہم اپنی بحث شروع کرتے ہیں۔

دنیاوی امور کے لحاظ سے واقعی حضرت علیؑ کی عزت پر بھی حرف آتا تھا۔ ان کی جرأت پر بھی نکتہ چینی ہو سکتی تھی۔ اور ہوئی۔ خودداری کو بھی زد پہنچی اور سلطنت ہاتھ سے نکل گئی وہ الگ۔ واقعات پر غور کرنے سے یہ نتیجہ صریح نکلتا ہے کہ اگر اوروں کی طرح حضرت علی بھی پہلوئے رسولؐ کو چھوڑ کر سقیفہ سازی کے لیے چلے جاتے تو جیسا انصار نے اور نیز بہت سے مہاجرین نے بھی بعد میں کہا علی کے وہاں ہوتے ہوئے کسی اور سے بیعت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ جس بحث کی بنا پر انصار نے آخرکار مہاجرین کے حق کو مان لیا۔ وہ مہاجرین کی قرابت رسولؐ تھی۔ اور علیؑ سے زیادہ وہاں کوئی اور قریب نہ تھا۔ دیگر فضائل تو ایک جگہ رہے یہ ہی بات کافی تھی۔ علی کو سلطنت تو مل جاتی لیکن اسلام ہاتھ سے جاتا رہتا۔ منافقین اور دشمنان اسلام کو یہ بحث مل جاتی کہ نبوت و وحی سب پردہ تھا جس کی آڑ میں حکومت حاصل کرنا مقصد تھا۔ اولاد تک رسولؐ کے جسم کو چھوڑ گئی۔ ضرور یہ رسولؐ کی وصیت ہوگی کہ دیکھو سلطنت میں نے بڑی مشکل سے حاصل کی ہے۔ یہ نہ ہاتھ سے نکلے۔ میرے دفن کا خیال نہ کرنا۔ دفن تو میں ہو ہی جاؤں گا۔ برعکس اس کے ہم اوپر معلوم کر آئے ہیں کہ رسول خداؐ نے علیؑ کو وصیت کی تھی کہ تم میرے پہلو سے جدا نہ ہونا جب تک مجھ کو دفن نہ کر لو اور لوگ دنیا کی طرف جائیں تو جانے دینا۔ تم دین کو نہ چھوڑنا۔

اگر حضرت ابوبکر کی بیعت کے بعد حضرت علی تلوار اٹھاتے تو اگر کسی کی فتح یقینی نہ ہوتی تو بھی نتیجہ مشکوک تو ضرور ہو جاتا۔ دنیا کے آدمیوں کے لیے یہ موقع تجربہ کرنے کے قابل تھا۔ لیکن اس تجربہ میں اسلام یقیناً برباد ہو جاتا اور آج کو صدائے اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ نہ سننے میں آتی۔ حضرت علیؑ نے تو دب کر صبر کر لیا لیکن ان کے مخالفین اس فطرت کے آدمی تھے کہ خاموش نہ بیٹھتے۔ اور اگر بہت مجبور ہوتے تو اسلام کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ کام کرتے کہ جس سے اسلام مطلقاً نہ رہتا۔ منافقین سے مل کر ایک عام صدا بلند ہو جاتی کہ محمدؐ کے پاس نہ نبوت تھی نہ وحی یہ سب دھوکہ بازی حکومت حاصل کرنے کے لیے تھی۔ پھر وہ ہی قبیلوں کے حسد اور آں حضرتؐ کے زمانے کی جنگوں کی عداوت کو اتنا پھیلایا جاتا کہ علیؑ کے پاس حکومت نہ رہتی اور لوگوں کے پاس اسلام نہ رہتا

حضرت علیؑ نے نتیجہ پر نظر ڈالی اور خاموش رہے۔ ہمیں تو حضرت علیؑ کی دوربینی کی تعریف کرنی چاہیے۔ اتنی دور تک ہر ایک آدمی نہیں دیکھ سکتا۔

حضرت امام حسنؑ کی بھی یہی حالت تھی۔ دنیا کے بادشاہ رہ چکے تھے۔ معاویہ کی تقریباً فتح ہو چکی تھی۔ زہر اور روپیہ اپنا پورا کام کر چکا تھا۔ بہت ممکن تھا کہ امام حسنؑ ہی کی فوج کے باغی آپ کو قید کر کے معاویہ کے پاس لے جاتے۔ اور اگر ہاتھ میں تلوار لے کر اودے پور اور جے پور کے راجپوتوں کی طرح دشمن کی فوج میں گھس جاتے تو کیا ہوتا جانیں سب کی ضائع ہو جاتیں۔ تھوڑی دیر کے لیے دنیا یہ کہہ دیتی کہ بہادر تھے ایسے ہی بہادر تھے کہ جیسے بعد میں راجپوتوں نے اپنے تئیں ثابت کیا۔ بس آخری تعریف یہ ہوتی لیکن دین پر اثر نہ پڑتا۔ لوگ یہ نہ کہتے کہ دین کے لیے جان دی۔ یہ کہتے کہ دنیا کے لیے جان دی۔ اتنی جانوں کے مقابلہ میں یہ تعریف ہیچ تھی۔ یہ بھی تو غور کرو کہ امام حسنؑ نے معاویہ کو کیا چیز دی۔ حکومت دی جس کو عرف عام میں خلافت کہا جاتا ہے۔ یہ وہ چیز تھی جو امام حسنؑ کے پاس پہنچتے پہنچتے ایک زہر ہلاہل کا پیالہ بن چکی تھی تمام گناہوں کا مجموعہ بن چکی تھی کثافت اور گندگی کی ایک پوٹ تھی کہ جس کو محض مس کرنے سے انسان نجس ہو جاتا تھا۔ یہ شیطان کا اٹیم بم بن چکی تھی۔ دنیا کی تمام بدیوں کا مرکب تھی۔ اس کو نیکی سے وہ ہی مخالفت تھی جو تاریکی کو روشنی سے ہوتی ہے۔ جہاں یہ تھی وہاں نیکی کا نام نہ تھا۔ ہم متنازعہ باتوں کو یہاں نہیں لیتے۔ ہم اس خلافت کو وہاں سے شروع کرتے ہیں کہ جس کے نامور خلیفہ امیر معاویہ تھے۔ انھوں نے خلافتِ راشدہ کے ایک بہت بڑے رکن کے خلاف بغاوت کی۔ لہٰذا اس خلافت کی بنیاد بغاوت پر تھی۔ اور یہ خلافت خلافت راشدہ کے مخالف تھی۔ اب فرمائیے کہ جو حکومت یا خلافت خلافتِ راشدہ کے خلاف ہوگی۔ وہ کیسی ہوگی۔ کیا ہوگی۔ اسلام ہوگی یا کفر ہوگی۔ اگر وہ اسلام ہے تو خلافتِ راشدہ کفر۔ اور اگر خلافتِ راشدہ اسلام ہے۔ تو یہ خلافت کفر۔ ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ اس خلافت کو نیکی سے عناد تھا۔ خلافتِ بنی امیہ میں دو ہی نیک بادشاہ ہوئے ہیں۔ معاویہ ابن یزید اور عمر ابن عبدالعزیز ان دونوں کو اس خلافت نے زندہ نہ چھوڑا۔ اور فوراً قتل کر دیا۔ اس خلافت نے امام حسینؑ کے ساتھ جو کیا وہ تو ظاہر ہے۔ ممکن ہے کہا جائے کہ خلافت بچاری کا

کیا قصور ہے۔ بنو امیہ تھے ہی ایسے اور بنو ہاشم سے جو ان کو عناد تھا وہ سب ان امور کا باعث ہوا۔ اچھا دیکھئے اب یہی خلافت بنو ہاشم میں جاتی ہے۔ وہاں اس نے کیا گل کھلائے سب جانتے ہیں کہ بنو عباس نے کیا کیا ظلم کیے ہیں۔ اور ان کی سلطنت کس طرح اسلام سے دُور جا پڑی تھی۔ بنو عباس تو پھر دُور تھے جب خاص بنو فاطمہ میں یہ خلافت پہنچی ہے تو وہاں بھی اس کا رنگ ایسا ہی رہا ہے۔ اور جب ٹرکی میں آئی تو آخر کار لوگوں نے اس کو زندہ رہنے کے قابل بھی نہ سمجھا۔ اور ختم ہی کر دیا۔ غرضکہ قاہرہ بغداد، دمشق اور قسطنطنیہ سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے ہیں۔ واقعات نے ثابت کر دیا کہ جس کو تم نے جانشینیٔ رسولؐ کا لقب دے کر لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے سنبھالا ہوا ہے وہ دراصل جانشینیِ رسولؐ نہیں ہے۔ جانشینیٔ رسولؐ ہوتی تو اس میں یہ ظلم رائج نہ ہوتے اور اسلام ذلیل نہ ہوتا۔ رسولؐ نے تو اپنا جانشین کسی اور ہی کو بنایا تھا۔ اس خلافت نے اس اصلی جانشینِ رسولؐ سے اعراض کر کے اپنے تئیں ایسا بنا لیا کہ جیسی وہ ہر دور میں نظر آتی ہے۔ امام حسنؑ نے دیکھا کہ اس میں سے یہ صلاحیت بھی جاتی رہی تھی کہ نیک آدمیوں کے پاس آن کر کچھ ان سے اثر لیتی۔ حضرت علیؑ نے لوگوں کے اصرار پر جبکہ کوئی اسے لینے کے لیے تیار نہ تھا اس کو سنبھال لیا لیکن ان کے پاس اس طرح رہی کہ جیسے سونے چاندی کے تیلیوں کے پنجرے میں کوّے کو بند کر دو۔ ہمیشہ پھڑکتی رہی اور نکلنے کے لیے بے قرار رہی۔ اور آخر نکل کر ہی چین لیا۔ یہ تھی وہ چیز جو امام حسنؑ نے امیر معاویہ کو دی۔

امام حسینؑ کی حالت بالکل مختلف تھی۔ لہٰذا ان کا طرزِ عمل بھی مختلف تھا۔ امام حسینؑ کے پاس حکومت نہ تھی۔ باپ اور بھائی کے تجربات سامنے تھے۔ بھائی کے بعد بیس سال کی زندگی بتا رہی تھی کہ حکومت سے کچھ سروکار نہیں رکھا تھا۔ حکومت کے لئے کسی سے سازش نہ کی تھی۔ مدینہ سے اس لیے نکلے کہ والی مدینہ نے وہاں نہ رہنے دیا۔ مکہ سے اس لیے نکلے کہ یزیدی خفیہ ایجنٹ آپ کی جان کے درپے تھے۔ نکلے تو کس سامان سے۔ چند بڈھے، کچھ جوان بہت سے بچے اور عورتیں لے کر راستہ میں کہتے رہے کہ میں تو مرنے کے لیے جا رہا ہوں جس کا جی چاہے مجھ سے

علیحدہ ہو جائے۔ چنانچہ بہت سے لوگ جو محض مال و دولت کی خاطر شامل ہوئے تھے علیحدہ ہو گئے۔ شبِ قتل تک آپ نے اپنی اس اجازت کو دہرایا ہے۔ بلکہ یہاں تک فرمایا کہ میں نے اپنی بیعت تمہاری گردنوں سے اٹھا لی ہے۔ تم یہاں سے نکل کر جا سکتے ہو۔ یہ لوگ تو صرف میرے درپے ہیں۔ اس پر بھی اگر کوئی یہ کہے کہ امام حسین حکومت کے لیے اٹھے تھے تو اس کا علاج ہمارے پاس نہیں ہے۔ وہ ہم سے بحث نہ کرے۔ بلکہ اپنے حکیم یا ڈاکٹر کی طرف رجوع کرے جو ماہر امراضِ دماغیہ ہو وے۔ یزید کا بیعت کا مطالبہ تھا حسینؑ کو اس سے قطعی انکار تھا۔ محض بیعت نہ کرنے پر سارا گھر لٹا دیا۔ عزیز و اصحاب قتل کروا دیے۔ بچوں کو راہِ خدا میں دیدیا۔ لیکن اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں نہ دیا۔ دنیا کی آنکھیں کھل گئیں کہ یزید اسلام کو کس طرف لے جا رہا تھا سب کو معلوم ہو گیا کہ اصلی اسلام کیا ہے۔ اور کس طرف ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ ان بزرگواروں کا عمل ایک ہی اصول پر مبنی تھا۔ اسلام کو بچانے کے لیے جان دے دو لیکن دنیا کی وجاہت کی پروا نہ کرو۔ امام حسن اور امام حسینؑ کا طرزِ عمل اس وجہ سے مختلف تھا کہ ان کے زمانے کے حالات مختلف تھے۔ نوعِ عمل یا یوں کہو کہ باعثِ عمل ایک ہی تھا طرزِ عمل مختلف تھا مقصد ایک تھا۔ طریقے جدا تھے۔ اور یہ سب ایک ہی ظلم کے مظلوم تھے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام:-

مقام و تاریخ پیدائش۔ بمقام مدینہ بتاریخ سوم شعبان ۴ھ مطابق ۹ جنوری ۶۲۶ء

مقام و تاریخ شہادت۔ بمقام کربلا۔ دہم ماہِ محرم الحرام ۶۱ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء

اپنوں نے اور غیروں نے امام حسین علیہ السلام کے حالات اور خصوصاً واقعۂ کربلا پر اتنا لکھا ہے کہ اس جگہ اس کا اعادہ بالکل غیر ضروری معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ امام حسین کے حالات پر لکھا بہت گیا ہے۔ غور کم کیا گیا ہے۔ سانحۂ کربلا تاریخ عالم کا وہ واقعہ ہے کہ جو اپنی نوعیت اور نتائج میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ کبھی فرصت ملی اور اجل نے مہلت دی تو ہم اس پر ایک مبسوط رسالہ تحریر کریں گے۔

یہاں یہ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جب غیر مسلم مخالفین نے دیکھا کہ محض اس ایک ہی واقعہ سے محمد مصطفیٰؐ کی رسالت و نبوت ثابت ہوتی ہے۔ اور ہمارا دین مذہب

حسینؑ کا نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے تو انھوں نے وہ کیا جو اس صورت میں کر سکتے تھے۔ یعنی حسینؑ کی قربانی کی اہمیت کو کم کرنا چاہا۔ کم کرنے کا تو اور کوئی ذریعہ نظر نہ آیا۔ زمانہ حال کی ذہنیت اور لا مذہبیت اور حبِ ملک جاہ کو دیکھ کر یہ کہنا شروع کیا ہے کہ حسینؑ نے تو یزید کے خلاف بغاوت کی تھی۔ بغاوت بھی دانشمندانہ نہ تھی۔ لہذا شکست ہوئی۔ مارے گئے۔ یہی بغاوت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے واقعات کا مطالعہ نہیں کیا۔ اور اگر مطالعہ کیا ہے تو عمداً اغماض کرتے ہیں۔ یہ واقعات غور طلب ہیں:-

(۱) حسینؑ نے مدینہ چھوڑا کیونکہ وہاں کا حاکم یزید کے حکم اور مروان کے کہنے سے امام حسینؑ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ مدینہ میں حسینؑ کے لیے جائے پناہ نہ تھی۔ مدینہ کو حفاظتِ جان کے لیے چھوڑا نہ کہ شام پر حملہ کرنے کے لیے۔

(۲) مدینہ چھوڑ کر کوفہ کی طرف نہیں گئے بلکہ مکہ کی طرف گئے۔ کیونکہ وہ خدا کا گھر سمجھا جاتا تھا۔ اور حرم میں کبوتر کا مارنا بھی حرام تھا۔

(۳) یزید کے کارکنوں اور ایجنٹوں نے وہاں بھی تعاقب کیا۔ اندیشہ تھا کہ حرم میں قتل کر دیں گے۔ اور حرم کی حرمت ضائع ہو جائے گی۔ لہذا مکہ چھوڑ کر چھوڑنا پڑا۔

(۴) سب سے بڑی بات دیکھنے کی یہ ہے کہ کس ساز و سامان کے ساتھ حسینؑ نے مدینہ و مکہ چھوڑا۔ گھر کی ساری عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور چند قریبی جوانوں کے ساتھ۔ نہ کوئی قوم ہمراہ تھی۔ اور نہ کسی فوج کے جمع کرنے کی کوشش کی کیا باغی لوگ اسی طرح حکومت پر حملہ کرنے کے لیے نکلتے ہیں۔

(۵) جناب امام حسنؑ کی رحلت اور مدینہ چھوڑنے کے درمیان امام حسینؑ کی زندگی جس طرح گزری ہے۔ اس کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ اس دوران میں نہ تو امام حسین نے حکومت کے دشمنوں اور نکتہ چینیوں کے ساتھ ساز باز کی، نہ فوج جمع کرنے کی کوشش کی اور نہ اپنے حقوق اور بنو امیہ کے مظالم کو شہرت دی۔

(۶) مکہ سے نکلنے کے بعد جب امام حسینؑ چھٹی منزل زبالہ پر پہنچے ہیں تو وہاں خبر آئی کہ تمام کوفی آپ کے خلاف ہو گئے ہیں۔ اور حضرت مسلم ابن عقیل، ہانی بن عروہ اور آپ کے قاصد کو قتل کر دیا گیا ہے۔ تو آپ نے اپنے تمام

ساتھیوں کو جمع کرکے ایک خطبہ ادا فرمایا جس میں ان کو ان حالات سے مطلع کیا اور صاف طور سے کہہ دیا کہ میں تو قتل ہونے کے لیے جا رہا ہوں۔ ہمارا کوئی دوست نہیں رہا۔ تم میں سے جو چاہتا ہے وہ چلا جائے میں نے تمھاری گردنوں میں سے اپنی بیعت کا طوق نکال لیا ہے میرے ساتھ رہنے میں تم کو سوائے موت کے اور کچھ نہ ملے گا۔ یہ سُن کر بہت سے لوگ چلے گئے۔ صرف وہی رہ گئے جو مدینہ سے آپ کے ساتھ ہوئے تھے [۱۶۲]

ہم اہل انصاف سے انصاف طلب ہیں۔ خدا لگتی کہیے۔ کیا دنیا کے کسی ملک کے کسی زمانے کی تاریخ میں آپ نے دیکھا ہے کہ جو شخص ملک فتح کرنے اُٹھتا ہے اور جس کا مقصد ملک چھیننا ہوتا ہے وہ اپنے ساتھیوں اور مددگاروں کو موت سے ڈرا کر انھیں جُدا کرتا ہے۔ یا سچ و جھوٹ ملا کر اور فتح و فائدہ کی امید دلا کر انھیں اپنی مدد پر آمادہ کرتا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ مددگار جمع کرتا ہے۔

دُو تاریخ ماہ محرم ۶۱ھ بروز جمعرات امام حسین علیہ السلام کربلا میں وارد ہوئے۔ وہاں عمر سعد سے کئی ملاقاتیں ہوئیں اور صلح کی کوشش بھی کی گئی۔ امام حسینؑ نے صرف دُو شرطیں پیش کی تھیں۔ ایک تو یہ کہ میں وہیں چلا جاؤں جہاں سے آیا ہوں یا تم مجھ کو اس وسیع زمین میں کہیں اور چلا جانے دو۔ امام حسینؑ نے کبھی نہیں کہا کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو تاکہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ دوں۔ اگر یہی ماننا تھا تو وطن سے ہی کیوں نکلتے۔ عقبہ ابن سمعان ہمیشہ امام حسینؑ کے ساتھ رہا۔ یہ ام رباب کا غلام آزاد کردہ تھا۔ وہ کہتا ہے کہ امام حسینؑ نے کبھی یہ شرط پیش نہیں کی کہ مجھے دمشق لے چلو اور یزید کے سامنے پیش کر دو [۱۶۳]

آخرکار جب ان لوگوں نے کسی بات کو نہ مانا اور لڑائی یقینی ہو گئی تو پھر امام حسینؑ نے خطبہ دیا اور لوگوں کو اجازت دی کہ رات کے اندھیرے میں جہاں چاہیں چلے جائیں

[۱۶۲] تاریخ طبری الجزء السادس ص ۲۲۶۔ البدایہ والنہایہ فی التاریخ لابن کثیر شامی الجزء الثامن ص ۱۶۹ اُردو ترجمہ تاریخ کامل خلافت بنو امیہ حصہ اول ص ۱۶۵ [۱۶۳] اُردو ترجمہ تاریخ کامل خلافت بنو امیہ حصہ اول ص ۱۶۸۔ تاریخ طبری الجزء السادس ص ۲۳۵۔ البدایہ والنہایہ الجزء الثامن ص ۱۶۸

آپ نے صاف صاف کہہ دیا کہ موت یقینی ہے لیکن آپ کے اصحابؓ اقارب میں سے کسی نے نہ مانا۔ اور آپ کے ساتھ قتل ہو جانے کو اپنی حیات ابدی کی ابتدا سمجھا۔ امام حسین کی یہ اجازت عین قتل کی رات کو اور ان اصحابؓ اقارب کا انکار اور موت کے لیے اصرار فطرت انسانی کے ارتقا اور ارتفاع کی انتہائی منزل کا نمونہ ہے۔ وہ لوگ جو دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام نے کیا سکھایا اور کیسے آدمی پیدا کیے وہ آئیں اور کربلا کے میدان میں دیکھیں۔ یہ نمونہ انھیں سقیفہ بنی ساعدہ میں نظر نہیں آئے گا۔ لشکروں کو فتح کر لینا آسان ہے۔ دوسروں کے ملکوں کے چھیننے کی شعبدہ بازی بہت سے حریصوں نے کر دکھائی ہے لیکن موت کو فتح کرنا حسینؑ اور ان کے اصحاب کے لیے باقی رہ گیا تھا۔ اس اجازت اور اس انکار کے لیے دیکھو [۱۶۴]

اتنی بحث کے بعد بھی اگر کوئی یہی گمان کرتا ہے کہ امام حسینؑ نے یزید پر خروج کیا تھا۔ اور اس سے ملک چھین لینے کے لیے اُٹھے تھے تو اب مباہلہ کا نہ تو زمانہ ہے اور نہ مباہلہ والے آدمی ہیں۔ یہ ہی کہہ سکتا ہوں کہ ان لوگوں کی سمجھ کا علاج میرے پاس نہیں ہے۔ کسی ماہر امراض دماغیہ کی طرف رجوع کریں۔

حضرت محسن :۔ یہ تاریخی مسلمہ ہے کہ جناب فاطمہ زہرا کا ایک لڑکے کا حمل ساقط ہوا تھا۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ جب امت محمدیہ حضرت فاطمہ کے بیت الشرف کے جلانے کے لیے آمادہ تھی اور جناب فاطمہ دروازے کے پیچھے آن کر فریاد کر رہی تھیں۔ تو ایک شخص نے دروازے پر زور سے لات ماری۔ جناب فاطمہؑ پر کواڑ گر پڑا۔ جس کے صدمہ سے حمل ساقط ہو گیا۔ اور جناب فاطمہؑ نے اسی علت میں انتقال فرمایا دوسرا فریق کہتا ہے کہ کسی معتبر تاریخ میں یہ واقعہ درج نہیں ہے لہٰذا اس کو نہ ماننا چاہیے لیکن اس فرقے کے منصف مزاج اصحاب بھی دبی زبان سے اس کو مانتے ہیں ملاحظہ ہو مولوی صدر الدین حنفی کی کتاب روائح المصطفےٰ کا اقتباس جو ہم نے اس کتاب کے صفحہ ۲۸ پر نقل کیا ہے۔ وہ معاملہ فدک اور حمل ساقط ہونے کو

[۱۶۴] تاریخ طبری الجزء السادس ص ۲۳۸، ص ۲۳۹۔ البدایہ والبدایہ فی التاریخ لابن کثیر شامی الجزء الثامن ص ۱۷۶، اُردو ترجمہ تاریخ الکامل خلافت بنو امیہ حصہ اول ص ۱۸۲

ایک ہی نوع یعنی امت کے ظلم میں رکھتے ہیں کہ ان امور کی وجہ سے حضرت فاطمہؑ امت سے ناراض دُنیا سے گئیں۔ اب جو جی چاہے ان کی تاویل کر لو۔ بہرصورت یہ ایسی باتیں ہیں جن کا تعلق آخرت سے زیادہ ہے بہ نسبت اس دنیا کے اور آخرت کے حاکم کے علم میں سب کچھ ہے۔ ہمیں بحث کی ضرورت نہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ اسقاط حمل مسلّم ہے اور اس کی وجہ نہیں بتائی جاتی۔ ان ہی ایام میں جناب فاطمہؑ کی رحلت مسلّم ہے لیکن مرض کی نوعیت نہیں بیان کی جاتی۔ اور ان معتبر تاریخوں کا بنو امیہ کے زیر اثر مرتب ہونا ثابت ہے تو پھر پڑھنے والے کے دل میں شبہات پیدا ہوں تو وہ حق بجانب ہے۔

حضرت زینب علیہا السلام :-

تاریخ و مقام پیدائش:۔ بمقام مدینہ شعبان ۶ھ مطابق دسمبر ۶۲۷ء۔

تاریخ و مقام وفات مصر ۱۴ رجب ۶۲ھ مطابق ۳۰ مارچ ۶۸۲ء۔

یہ امر واقعہ ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تکمیل نبوت جناب امام حسین و امام حسن علیہما السلام کی شہادت سے ہوئی جیسا کہ مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ نے اپنی کتاب سر الشہادتین میں لکھا ہے۔ امام حسنؑ کی شہادت جناب امام حسینؑ کی شہادت کا پیش خیمہ ہے اور امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور شہادت کے مقصد کی تکمیل جناب زینب علیہا السلام سے ہوئی۔ ان کا صبر و استقلال حد کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ اور سب سے بڑی بات جو ہے وہ یہ ہے کہ واقعہ کربلا کی عظمت و شہرت جو اس زمانے میں ہوئی وہ سب جناب زینب کی وجہ سے ہوئی۔ ورنہ شامی تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ایک غیر مذہب والے باغی کو ہمارے بادشاہ نے قتل کرایا ہے کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق تک راستہ میں بازاروں میں درباروں میں آپ لوگوں کو بتاتی آئی ہیں کہ تم نے کس کو قتل کیا ہے۔ اس کی عظمت اسلام میں کیا تھی۔ وہ ایک اسلام کا علم تھا جس کو تم نے سرنگوں کر دیا۔ ہدایت کا چراغ تھا جس کو تم نے گل کر دیا۔ اس کے نانا شفیع روز محشر ہیں جن کو تم نے ہمیشہ کے لیے ناراض کر دیا۔ اب کس کی شفاعت کا تم کو بھروسہ رہا۔ اس جگہ ہم صرف جناب زینب کے چند خطبات نقل کرتے ہیں۔ جب امام حسینؑ قتل ہو گئے اور خیموں میں آگ لگا دی گئی۔ اولاد رسولؐ کو

قیدی بنا کر لے جانے لگے تو عورتوں نے ان لشکریان یزید سے کہا کہ ہم کو قتل گاہ حسینؑ کی طرف نہ لے جانا۔ ورنہ عورتیں اور بچے تڑپیں گے لیکن وہ لشکریان یزید ان مخدرات عصمت اور اولادِ رسولؐ کو قتل گاہ کی طرف سے لے چلے جب وہاں پہنچے تو جناب امام حسینؑ کی لاش کو دیکھ کر حضرت زینبؑ نے اس طرح فریاد کی:۔

وامحمداہ، صلی علیک ملیک السماء ھذا حسینک مرمل بالدماء، مقطع الاعضاء وبناتک سبایا، الی اللہ المشتکی والی محمد المصطفی والی علی المرتضی الی فاطمۃ الزھرا والی حمزۃ سید الشھداء وا محمداہ ھذا حسین بالعراء تسفی علیہ ریح الصبا قتیل اولاد البغایا واحزناہ واکرباہ یا ابا عبد اللہ الیوم مات جدی رسول اللہ یا اصحاب محمد ھؤلاء ذریۃ المصطفی یساقون سوق السبایا

فریاد ہے اے محمد مالک آسمان آپ پر درود بھیجے۔ یہ حسینؑ خون آلودہ ریت پر پڑے ہوئے ہیں ان کے اعضا پارہ پارہ ہیں۔ اور آپ کی بیٹیاں اسیر ہو رہی ہیں خدا سے شکایت ہے۔ محمد مصطفیٰ سے شکایت ہے، علی مرتضیٰ سے شکایت ہے اور حمزہ سید الشہدا سے شکایت ہے فریاد ہے اے محمد، یہ حسین چٹیل میدان میں پڑے ہوئے ہیں ان پر ہوا نے خاک کی چادر اڑھائی ہوئی ہے۔ بدکار عورتوں کی اولاد نے ان کو قتل کر دیا ہے۔ ہائے کیسا غم ہے، ہائے کیسا کرب ہے آج میرے نانا رسول نے انتقال فرمایا۔ اے اصحاب محمد یہ لوگ ذریت مصطفیٰ ہیں جو قیدیوں کی طرح پھرائے جا رہے ہیں۔

اس طرح بھی فریاد کی:۔

یا محمداہ بناتک السبایا وذریتک مقتلۃ تسفی علیھم ریح الصبا، وھذا حسین مجزوز الراس من القفا مسلوب العمامۃ والرداء بابی من اضحی عسکرہ

فریاد ہے اے محمد! آپ کی بیٹیاں قید ہو گئیں اور آپ کی ذریت بے طرح قتل کی گئی۔ ان پر ہوا خاک کی چادر اڑا رہی ہے۔ اور حسینؑ ہیں جن کا سر پس گردن سے کاٹا گیا ہے ان کا عمامہ اور ردا لوٹ لی گئی۔ میرے باپ اس پر فدا جس کا لشکر دو شنبہ کے دن لوٹا گیا۔ میرے باپ اس پر قربان جس کے خیمہ کی طنابیں کاٹ ڈالی گئیں

فِي يَوْمِ الاثْنَيْنِ نَهْبًا بِأَبِي مَنْ
فُسْطَاطُهُ مُقَطَّعُ العُرَى بِأَبِي
مَنْ لَا غَائِبٌ فَيُرْتَجَى وَلَا جَرِيحٌ
فَيُدَاوَى بِأَبِي مَنْ نَفْسِي لَهُ الفِدَاءُ
بِأَبِي مَنْ لَهُ الهُمُومُ حَتَّى قَضَى
بِأَبِي مَنْ هُوَ العَطْشَانُ حَتَّى
مَضَى، بِأَبِي مَنْ شَيْبَتُهُ تَقْطُرُ
بِالدِّمَاءِ، بِأَبِي مَنْ جَدُّهُ
رَسُولُ إِلٰهِ السَّمَاءِ بِأَبِي مَنْ
هُوَ سِبْطُ النَّبِيِّ الهُدَى بِأَبِي
مُحَمَّدِ المُصْطَفَى بِأَبِي خَدِيجَةِ
الكُبْرَى، بِأَبِي عَلِيِّ المُرْتَضَى
بِأَبِي فَاطِمَةَ الزَّهْرَا سَيِّدَةِ النِّسَاءِ
بِأَبِي مَنْ رُدَّتْ لَهُ الشَّمْسُ حَتَّى صَلَّى

میرے باپ اس پر نثار جو ایسا غائب نہیں ہے کہ
اس کے واپس آنے کی امید کی جا سکے اور نہ ایسا
زخمی ہے کہ جس کا علاج کیا جا سکے۔ میرے باپ
اس پر فدا جس پر میری جان بھی قربان ہے۔
میرے باپ اس پر فدا جس کے حصہ میں غم ہی غم
تھا۔ یہاں تک کہ اس نے قضا کی۔ میرے باپ
اس پر نثار جو پیاسا ہی دنیا سے اٹھا۔ میرے
باپ اس پر فدا جس کے نانا رسول خدا تھے۔
میرے باپ اس پر فدا جو نبی ہدیٰ کا نواسہ تھا
میرے باپ محمد مصطفیٰ پر فدا، میرے باپ خدیجہ کبریٰ پر
نثار، میرے باپ علی مرتضیٰ پر قربان، میرے باپ
فاطمہ زہرا سیدۃ النساء پر فدا، میرے باپ اس پر
فدا جس کی خاطر سے سورج کو لوٹایا گیا۔ یہاں تک
کہ اس نے نماز پڑھی۔

جب یہ قافلہ کوفہ میں پہنچا جہاں کے لوگ حضرت علی و حضرت امام حسنؑ سے
غداری کر چکے تھے۔ اور حضرت مسلم کو بلا کر اور ان سے بیعت کر کے ان کو تنہا چھوڑ دیا تھا
اور حضرت امیر المومنینؑ کی لڑکیاں اور بیویاں ان بازاروں میں بے چادر و مقنعہ
زنجیروں میں بندھی ہوئی لائی گئی ہیں۔ اور ان کو دیکھ کر لوگوں نے گریہ و زاری شروع
کر دی تو حضرت زینبؑ نے ان کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ اور پھر فرمایا :-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى
مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ الطَّاهِرِيْنَ (اَمَّا بَعْدُ)
يَا اَهْلَ الْكُوْفَةِ يَا اَهْلَ الْخَتْلِ
وَالْغَدْرِ اَتَبْكُوْنَ فَلَا رَقَأَتِ
الدَّمْعَةُ وَلَا هَدَأَتِ الرَّنَّةُ
وَلَا هَدَأَتِ الزَّفْرَةُ اِنَّمَا مَثَلُكُمْ

اے اہل کوفہ، اے غدارو، اے مکارو! ہم پر
گریہ کر رہے ہو۔ تمہارے آنسو کبھی نہ تھمیں اور
تمہاری فریاد کبھی نہ ختم ہو۔ تمہاری مثال اس
عورت کی ہے جو سوت اچھی طرح کاتنے کے بعد
توڑ دیتی ہے۔ تم نے بھی رشتہ عہد کو توڑ ڈالا اور
اصلی کفر کی طرف لوٹ گئے۔ کیا تم اپنی قسموں میں

كَمَثَلِ الَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا
مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا تَتَّخِذُوْنَ
اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ هَلْ
فِيْكُمْ اِلَّا الصَّلَفُ وَالْعُجْبُ
وَالشَّنَفُ وَالْكَذِبُ وَمَلَقُ
الْاِمَاءِ وَغَمْزُ الْاَعْدَاءِ اَوْ
كَمَرْعًى عَلٰى دِمْنَةٍ اَوْ كَفِضَّةٍ
عَلٰى مَلْحُوْدَةٍ اَلَا سَاءَ مَا
قَدَّمَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَنْ
سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ وَفِي الْعَذَابِ
اَنْتُمْ خٰلِدُوْنَ اَيْ اَجَلْ
وَاللّٰهِ فَابْكُوْا فَاِنَّكُمْ وَاللّٰهِ
اَحَقُّ بِالْبُكَاءِ فَابْكُوْا كَثِيْرًا
وَاضْحَكُوْا قَلِيْلًا فَلَقَدْ ذَهَبْتُمْ
بِعَارِهَا وَشَنَارِهَا وَلَنْ تَرْحَضُوْهَا
بِغَسْلٍ بَعْدَهَا اَبَدًا وَاَنّٰى تَرْحَضُوْنَ
قَتْلَ سَلِيْلِ خَاتَمِ النُّبُوَّةِ
وَمَعْدَنِ الرِّسَالَةِ وَسَيِّدِ
شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَلَاذِ
حَرْبِكُمْ وَمَعَاذِ حِزْبِكُمْ
وَمَقَرِّ سِلْمِكُمْ وَآسِي كَلْمِكُمْ
وَمَفْزَعِ نَازِلَتِكُمْ وَالْمَرْجِعِ
اِلَيْهِ عِنْدَ مَقَالَتِكُمْ وَمَدَرَةِ
حُجَجِكُمْ وَمَنَارَةِ مَحَجَّتِكُمْ
اَلَا سَاءَ مَا قَدَّمَتْ لَكُمْ

مکر و خیانت کو پیش نظر رکھے ہوئے ہو۔ تم لوگوں میں
صرف غلط دعوے ہیں اور تم سب کے سب عیب و
کذب سے وابستہ ہو۔ تم میں کنیزوں کی سی
چاپلوسی اور دشمنوں کی سی غمازی ہے۔ تمہاری
مثال اس ہری گھاس کی سی ہے جو کوڑے پر
لہلہا رہی ہو۔ یا اس چاندی کی طرح ہو جس سے
کوئی قبر سنواری گئی ہو۔ تم نے اپنی آخرت کے
لیے بہت خراب توشہ بھیجا ہے۔ خدا کا غضب
تمہارے لیے مہیا ہے۔ اور تم عذاب میں ہمیشہ
رہو گے۔ اب تم ہم پر رو رہے ہو۔ ہاں قسم بخدا
بہت روؤ قسم بخدا تمہارے لیے یہی مناسب ہے
کہ تم روتے رہو۔ زیادہ روؤ اور کم ہنسو۔ یعنی
خوشی تمہیں کم نصیب ہو۔ عیب و ننگ تم نے
اپنے لیے جمع کر رکھا ہے اور اس ذلت کو تم
اپنے سے کسی طرح دور نہیں کر سکتے۔ اور کسی پانی
سے اس دھبہ کو نہیں دھو سکتے اور تم کیونکر
اس بات کی تلافی کر سکتے ہو کہ تم نے خاتم النبیین
کے جگر گوشہ اور جوانان جنت کے سردار کو قتل کر دیا ہے
جو تمہاری جنگ میں تمہارا مقام امن تھا۔ جو تمہارے
گروہ کے لیے جائے پناہ اور تمہاری صلح کی جائے
قرار تھا۔ تم مباحثہ میں جس کی طرف رجوع کر سکتے
تھے۔ جو تمہاری دلیلوں کا معدن اور تمہارے
دینی راستہ کا روشن کرنے والا تھا۔ کتنے برے گناہ
کے تم مرتکب ہوئے ہو۔ رحمت خدا سے دور ہو گئے ہو
تمہاری کوشش بیکار ہو کے رہ گئی۔ تم دنیا

اَنْفُسُکُمْ وَ سَاءَ مَا تَزِرُوْنَ لِیَوْمِ بَعْثِکُمْ فَتَعْسًا تَعْسًا وَنَکْسًا نَکْسًا لَقَدْ خَابَ السَّعْیُ وَ تَبَّتِ الْاَیْدِیْ وَ خَسِرَتِ الصَّفْقَۃُ وَبُؤْتُمْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَضُرِبَتْ عَلَیْکُمُ الذِّلَّۃُ وَالْمَسْکَنَۃُ اَتَدْرُوْنَ وَیْلَکُمْ اَیَّ کَبِدٍ لِمُحَمَّدٍ فَرَیْتُمْ وَاَیَّ عَھْدٍ نَکَثْتُمْ وَاَیَّ کَرِیْمَۃٍ لَہٗ اَبْرَزْتُمْ وَاَیَّ حُرْمَۃٍ لَہٗ ھَتَکْتُمْ وَاَیَّ دَمٍ لَہٗ سَفَکْتُمْ لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْئًا اِدًّا تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْہُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ ھَدًّا لَقَدْ جِئْتُمْ بِھَا صَلْعَاءَ عَنْقَاءَ سَوْدَاءَ فَقْمَاءَ وَفِیْ بَعْضِھَا خَرْقَاءَ شَوْھَاءَ طِلَاعَ الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ اَفَعَجِبْتُمْ اَنْ قَطَرَتِ السَّمَاءُ دَمًا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَۃِ اَخْزٰی وَاَنْتُمْ لَا تُنْصَرُوْنَ فَلَا یَسْتَخِفَّنَّکُمُ الْمَھَلُ فَاِنَّہٗ عَزَّوَجَلَّ لَا یَحْفِزُہُ الْبِدَارُ وَلَا یُخَافُ عَلَیْہِ فَوْتُ الثَّارِ کَلَّا اِنَّ رَبَّکُمْ لَبِالْمِرْصَاد	و آخرت کے خسارے سے دوچار ہو گئے ہو۔ عذاب الٰہی کے مستحق قرار پائے ہو۔ اور ذلت و خواری کو تم نے اپنے لیے خرید لیا ہے۔ اے اہل کوفہ تم پر وائے ہو، جناب رسالتمآب کے کیسے جگر گوشہ کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور اُن کے خانوادہ کی کیسی کیسی مخدرہ اور عفت مآب بی بیوں کو بے پردہ کر دیا۔ ان کے کیسے برگزیدہ فرزندوں کا خون بہایا اور آں حضرتؐ کی کیا کیا حرمت ضائع کی ایسا قابل نفرت کام تم نے کیا ہے کہ جس کی وجہ سے قریب ہے کہ آسمان شگافتہ ہو جائے اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر جائیں تم نے ایسی بُری حرکت کی ہے کہ جس نے زمین و آسمان کو گھیر لیا ہے۔ تم کو اس بات پر تعجب ہے کہ آسمان سے اس واقعہ پر خون برسا (یہ تو فقط نشانی ہے) دیکھو عذاب آخرت تمھیں اس سے بھی زیادہ رسوا کرے گا اور کوئی تمھاری مدد نہ کریگا وہاں خدا کی نرمی اور مہلت تمھارے بوجھ کو ہلکا نہ کرے گی (وہاں کے عذاب کے منتظر رہو) کیونکہ خداوند عالم عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ اسے دقت اور انتقام کے فوت ہو جانے کا اندیشہ نہیں ہے۔ تمھارا پروردگار گنہ گاروں کی گھات میں ہے۔

ثُمَّ اَنْشَأَتْ تَقُوْلُ ؎	پھر جناب زینبؑ نے یہ اشعار انشا فرمائے:۔
(۱) مَاذَا تَقُوْلُوْنَ اِذْ قَالَ النَّبِیُّ لَکُمْ مَاذَا صَنَعْتُمْ وَ اَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ	(۱) تم اس وقت کیا جواب دو گے جب پیغمبر خدا تم سے کہیں گے کہ تم تو آخری امت (امت مرحومہ) ہو تم نے یہ کیا کیا۔
(۲) بِاَھْلِ بَیْتِیْ وَ اَوْلَادِیْ وَمَکْرُمَتِیْ مِنْھُمْ اُسَارٰی وَمِنْھُمْ ضُرِّجُوْا بِدَمِ	(۲) میرے اہلبیت و میری اولاد میری حرمت کے ساتھ بعض کو ان میں سے قید کیا اور بعض کو قتل کر ڈالا۔
(۳) مَا کَانَ ذٰلِکَ جَزَائِیْ اِذْ نَصَحْتُ لَکُمْ اَنْ تَخْلُفُوْنِیْ بِسُوْءٍ فِیْ ذَوِیْ رَحِمِ	(۳) یہ تو صلہ نہ تھا میری نصیحت و رسالت و اصلاح کا جو میں نے تمھارے ساتھ کیا تھا کہ تم میرے بعد میرے قرابتداروں کے ساتھ ایسا بُرا سلوک کرتے
(۴) اِنِّیْ لَاَخْشٰی عَلَیْکُمْ اَنْ یَّحِلَّ بِکُمْ مِثْلُ الْعَذَابِ الَّذِیْ اَوْدٰی عَلٰی اِرَمِ	(۴) میں ڈرتی ہوں کہ کہیں تم پر بھی وہی عذاب نازل نہ ہو جائے جس نے ارم و شداد والوں کو ہلاک کر ڈالا تھا۔

جناب زینب صلوٰۃ اللہ علیہا کی یہ تقریر سُن کر لوگ ڈاڑھیں مار کر روتے تھے۔ بشر بن خزیم اسدی کہتا ہے کہ میں نے کوفہ کے لوگوں کو دیکھا کہ یہ تقریر سُن کر زن پسر مُردہ کی طرح روتے تھے۔ اور دانتوں سے اپنی اُنگلیاں چباتے تھے۔ ایک شخص ضعیف میرے پاس کھڑا تھا وہ کہنے لگا بابی و امی کہولہم خیر الکہول وشبابہم خیر شباب ونسلہم نسل کریم وفضلہم فضل عظیم۔ یعنی میرے ماں باپ ان پر فدا ہوں ان کے بڈھے لوگ دنیا کے بڈھوں سے اور جوان لوگ دنیا کے جوانوں سے بہتر ہیں۔ ان کی نسل بزرگ ہے اور ان کا فضل عظیم ہے"۔ جب جوش گریہ زیادہ ہوا تو جناب زین العابدینؑ نے فرمایا کہ پھوپھی بس اب خاموش ہو جاؤ۔ ماضی سے جو بچ گیا ہے اس پر بس کرو۔ خدا کا شکر کہ آپ ایسی عالمہ ہیں کہ جس کو کسی انسان نے علم نہیں دیا۔ اور آپ عقلمند ہیں بغیر دانائی سکھانے والے کے اور فرمایا کہ اِنَّ الْبُکَاءَ وَالْحَنِیْنَ لَا یَرُدَّانِ مَنْ قَدْ اَبَادَہُ الدَّھْرُ یعنی گریہ وزاری ان لوگوں کو واپس نہیں لے آتے جن کو زمانہ فنا کر چکا ہے۔

جناب زید بن موسیٰ بن جعفر علیہم السلام فرماتے ہیں کہ جناب فاطمہ بنت حسین علیہا السلام نے بازار کوفہ میں یہ تقریر فرمائی:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَدَدَ الرَّمْلِ وَالْحَصٰى وَزِنَةَ الْعَرْشِ اِلَى الثَّرٰى اَحْمَدُهٗ وَاُؤْمِنُ بِهٖ وَاَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَنَّ وُلْدَهٗ ذُبِحُوْا بِشَطِّ الْفُرَاتِ بِغَيْرِ ذَحْلٍ وَلَا تِرَاتٍ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اَفْتَرِيَ عَلَيْكَ الْكَذِبَ وَاَنْ اَقُوْلَ عَلَيْكَ خِلَافَ مَآ اَنْزَلْتَ عَلَيْهِ مِنْ اَخْذِ الْعُهُوْدِ لِوَصِيِّهٖ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ الْمَسْلُوْبِ حَقُّهُ الْمَقْتُوْلِ مِنْ غَيْرِ ذَنْبٍ كَمَا قُتِلَ وَلَدُهٗ بِالْاَمْسِ فِيْ بَيْتٍ مِّنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْهِ مَعْشَرٌ مُّسْلِمَةٌ بِاَلْسِنَتِهِمْ تَعْسًا لِّرُءُوْسِهِمْ مَا دَفَعَتْ عَنْهُ ضَيْمًا فِيْ حَيَاتِهٖ وَلَا عِنْدَ مَمَاتِهٖ حَتّٰى قَبَضْتَهٗ اِلَيْكَ مَحْمُوْدَ النَّقِيْبَةِ طَيِّبَ الْعَرِيْكَةِ مَعْرُوْفَ الْمَنَاقِبِ مَشْهُوْرَ الْمَذَاهِبِ

ساری حمد خدا کے لیے ہے ایسی حمد جو ریگ بیاباں اور سنگ ریزوں سے تعداد میں اور عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک کے سارے اجسام سے وزن میں برابر ہو۔ میں اس کی حمد کرتی ہوں۔ اس پر ایمان رکھتی ہوں اور اسی پر مجھے بھروسہ ہے اور میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور یہ گواہی دیتی ہوں کہ محمد اس معبود کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ خدا کی رحمت ہو ان پر اور ان کی آل پر اور میں اس بات کی گواہی دیتی ہوں کہ آں حضرتؐ کے بیٹے فرات کے کنارے اس طرح ذبح کیے گئے کہ نہ ان کا خون بہا لیا جاتا ہے نہ بدلا۔ خداوندا میں تیری مدد کے سہارے اس بات سے پناہ مانگتی ہوں کہ تجھ پر جھوٹ باندھوں اور اس عہد کے خلاف بولوں جو تو نے اپنے پیغمبر کے وصی علی ابن ابی طالب کے بارے میں نازل کیا ہے۔ یعنی امر خلافت، وہ علی جن کا حق چھین لیا گیا اور بغیر جرم کے قتل کر دیے گئے جس طرح کل روز عاشورہ ان کا فرزند قتل کر دیا گیا۔ وہ علی جن کی شہادت خدا کے گھر (مسجد کوفہ) میں واقع ہوئی۔ جہاں وہ لوگ موجود تھے جو صرف زبان سے مسلمان تھے۔ خدا ان کا سر توڑے انھوں نے نہ تو آں جناب کی زندگی میں ان سے کسی ظلم کو

لَمْ يَاْخُذْهُ ـ اَللّٰهُمَّ فِيْكَ لَوْمَةُ لَائِمٍ وَّلَا عَذْلُ عَاذِلٍ هَدَيْتَهٗ يَا رَبِّ لِلْاِسْلَامِ صَغِيْرًا وَّحَمِدْتَ مَنَاقِبَهٗ كَبِيْرًا وَّلَمْ يَزَلْ نَاصِحًا لَّكَ وَلِرَسُوْلِكَ حَتّٰى قَبَضْتَهٗ اِلَيْكَ زَاهِدًا فِي الدُّنْيَا غَيْرَ حَرِيْصٍ عَلَيْهَا رَاغِبًا فِي الْاٰخِرَةِ مُجَاهِدًا لَّكَ فِيْ سَبِيْلِكَ رَضِيْتَهٗ وَاخْتَرْتَهٗ وَهَدَيْتَهٗ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

اَمَّا بَعْدُ يَآ اَهْلَ الْكُوْفَةِ يَآ اَهْلَ الْمَكْرِ وَالْغَدْرِ وَالْخُيَلَاءِ فَاِنَّآ اَهْلُ بَيْتٍ اِبْتَلَانَا اللّٰهُ بِكُمْ وَابْتَلَاكُمْ بِنَا فَجَعَلَ بَلَاءَنَا حَسَنًا وَّجَعَلَ عِلْمَهٗ عِنْدَنَا وَفَهْمَهٗ لَدَيْنَا فَنَحْنُ عَيْبَةُ عِلْمِهٖ وَوِعَاءُ فَهْمِهٖ وَحِكْمَتِهٖ وَحُجَّتُهٗ فِي الْاَرْضِ لِبِلَادِهٖ وَلِعِبَادِهٖ اَكْرَمَنَا اللّٰهُ بِكَرَامَتِهٖ وَفَضَّلَنَا بِنَبِيِّهٖ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا بَيِّنًا فَكَذَّبْتُمُوْنَا وَكَفَّرْتُمُوْنَا وَرَاَيْتُمْ قِتَالَنَا

دور کیا اور نہ ان جناب کے مرتے وقت تا اینکہ خدا نے ان کو اپنی طرف بلا لیا۔ درانحالیکہ وہ طبیعت کے پاک اور فطرت کے پاکیزہ تھے۔ ان کے مناقب سب کو معلوم تھے۔ اور ان کا مسلک مشہور تھا۔ خداوندا تیرے بارے میں ان جناب کو نہ تو کسی ملامت کرنے والے کا خوف ہوتا تھا اور نہ کسی سرزنش کرنے والے کا ڈر۔ پروردگارا تو نے انھیں ان کی طفلی ہی میں اسلام کی طرف رہبری کی اور ان کے بڑے ہونے پر ان کے مناقب کی مدح فرمائی۔ وہ جناب ہمیشہ تیرے اور تیرے رسول کی خدمت میں خالص بات پیش کرتے رہے۔ تا اینکہ تو نے اس حالت میں اپنی طرف بلا لیا کہ وہ دنیا کی چیزوں میں زاہد تھے۔ حریص نہ تھے۔ آخرت کے کاموں میں ہمہ تن راغب تھے اور تیری راہ میں تیری خوشنودی کے لیے سچا جہاد کرنے والے تھے۔ تو ان سے راضی ہوا، تو نے ان کو منتخب کر لیا اور صراط مستقیم کی طرف تو نے ان کی رہبری فرمائی۔

امابعد۔ اے اہل کوفہ، اے مکر و بیوفائی والو! اے تکبر والو، بے شک ہم اہلبیت وہ ہیں جن کی آزمائش خدا نے تمھارے ذریعہ کی ہے اور ہماری آزمائش کو اچھا قرار دیا۔ اس خدا نے اپنا علم ہمیں بخشا۔ اپنی فہم ہمیں عنایت کی۔ چنانچہ ہم اس کے علم کا ظرف اور اس کے فہم و حکمت کا مقام ہیں۔ اور ہم روئے زمین پر اس کے ملکوں اور اس کے بندوں کے لیے اس کی حجت ہیں

حَلَالًا وَاَمْوَالَنَا نَهْبًا كَاَنَّا
اَوْلَادُ تُرْكٍ اَوْ كَابُلٍ كَمَا
قَتَلْتُمْ جَدَّنَا بِالْاَمْسِ وَ
سُيُوْفُكُمْ تَقْطُرُ مِنْ دِمَائِنَا
اَهْلَ الْبَيْتِ لِحِقْدٍ مُتَقَدِّمٍ
قَرَّتْ لِذَالِكَ عُيُوْنُكُمْ وَفَرِحَتْ
قُلُوْبُكُمْ اِفْتِرَاءً مِنْكُمْ عَلَى اللّٰهِ
وَمَكْرًا مَكَرْتُمْ وَاللّٰهُ خَيْرُ
الْمَاكِرِيْنَ فَلَا تَدْعُوَنَّكُمْ
وَاَنْفُسُكُمْ اِلَى الْجَذَلِ بِمَا
اَصَبْتُمْ مِنْ دِمَائِنَا وَنَالَتْ
اَيْدِيْكُمْ مِنْ اَمْوَالِنَا فَاِنَّ
مَا اَصَابَنَا مِنَ الْمَصَائِبِ الْجَلِيْلَةِ
وَالرَّزَايَا الْعَظِيْمَةِ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ
مِنْ قَبْلِ اَنْ نَبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ لِكَيْلَا تَاْسَوْ
عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا
بِمَا اٰتَاكُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ
كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ تَبًّا لَكُمْ
فَانْتَظِرُوا اللَّعْنَةَ وَالْعَذَابَ
وَكَاَنْ قَدْ حَلَّتْ بِكُمْ
وَتَوَاتَرَتْ مِنَ السَّمَاءِ
نَقِمَاتٌ فَيُسْحِتَكُمْ بِمَا
كَسَبْتُمْ وَيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ
بَاْسَ بَعْضٍ ثُمَّ تُخَلَّدُوْنَ

خدا نے ہمیں اپنی کرامت کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور ہمیں اپنے بنی محمد مصطفےٰ کے ذریعہ اکثر مخلوقات پر بیّن فضیلت دی ہے۔ باوجود اس کے تم نے ہمیں جھٹلایا۔ ہمیں کافر کہا۔ اور ہمارے قتل کو حلال جانا۔ اور ہمارے مالوں کو لوٹنا جائز سمجھا۔ گویا ہم تُرک و کابل کی نسل سے ہیں۔ ایسے ہی تم نے کل ہمارے جد بزرگوار علی ابن ابی طالب کو قتل کر ڈالا اور اب تک تمھاری تلواروں سے ہم اہلبیت محمد کا خون ٹپک رہا ہے۔ یہ اس کینہ کی وجہ سے ہے جو پہلے سے تمھارے دل میں چلا آرہا ہے۔ اس قتل و غارت سے تمھاری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں تمھارے دل مسرور ہوئے حالانکہ تمھارے یہ افعال سرتاسر خدا و رسول پر افترا و بہتان تھے۔ اور یہ ایسا مکر تھا جو تم نے دیدہ و دانستہ کیا ہے۔ خدا مکر کا اچھی طرح بدلہ لینے والا ہے لہذا خبردار تمھارے نفوس ہمارا خون بہانے پر تم کو خوش ہونے پر آمادہ نہ کریں اور ہمارا مال و اسباب لوٹنے پر تم کو فرح و سرور کی طرف مائل نہ کریں۔ کیونکہ ہم پر جو بڑی بڑی مصیبتیں نازل ہوئی ہیں۔ وہ خدا کی کتاب میں خلقتِ دنیا سے پہلے ہی ثبت ہو چکی تھیں اور یہ امر خدا کے لیے سہل ہے ہرگز فوت شدہ چیز پر افسوس نہ کرو اور جو نئی شے حاصل ہو اس پر خوشی نہ کرو۔ خدا کسی اکڑنے والے اور فخر کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔ خدا تمھیں

فِى الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
بِمَا ظَلَمْتُمُوْنَا اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ
عَلَى الظّٰلِمِيْنَ وَيْلَكُمْ اَتَدْرُوْنَ
اَيَّةُ يَدٍ طَاعَنَتْنَا مِنْكُمْ وَاَيَّةُ
نَفْسٍ نَزَعَتْ اِلٰى قِتَالِنَا اَمْ
بِاَيَّةِ رِجْلٍ مَشَيْتُمْ اِلَيْنَا
تَبْغُوْنَ مُحَارَبَتَنَا قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ
وَغَلُظَتْ اَكْبَادُكُمْ وَطُبِعَ
عَلٰى اَفْئِدَتِكُمْ وَخُتِمَ عَلٰى
سَمْعِكُمْ وَبَصَرِكُمْ وَسَوَّلَ
لَكُمُ الشَّيْطَانُ وَاَمْلٰى لَكُمْ
وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِكُمْ غِشَاوَةً
فَاَنْتُمْ لَا تَهْتَدُوْنَ تَبًّا لَكُمْ
يَا اَهْلَ الْكُوْفَةِ اَيَّ تُرَاتٍ
لِرَسُوْلِ اللّٰهِ قِبَلَكُمْ وَذُحُوْلٍ لَهٗ
لَدَيْكُمْ بِمَا غَدَرْتُمْ بِاَخِيْهِ
عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ جَدِّيْ
وَبَنِيْهِ عِتْرَةِ النَّبِيِّ
الطَّاهِرِيْنَ الْاَخْيَارِ
وَافْتَخَرَ بِذَالِكَ مُفْتَخِرٌ
نَحْنُ قَتَلْنَا عَلِيًّا وَبَنِيْ عَلِيٍّ
بِسُيُوْفٍ هِنْدِيَّةٍ وَرِمَاحٍ
وَسَبَيْنَا نِسَائَهُمْ سَبْيَ تُرْكٍ
وَنَطَحْنَاهُمْ فَاَيَّ نِطَاحٍ
بِفِيْكَ اَيُّهَا الْقَائِلُ الْكِثْكِثُ

ہلاک کرے لعنت و عذاب کے منتظر رہو۔ گویا لعنت تم پر اُتر چکی ہے جو تمھارے کرتوت کے سبب تم کو ہلاک کر دے گی اور تم میں سے بعض کو بعض کی تعدی سے دوچار کر دے گی پھر قیامت کے روز تم لوگ دائمی اور دردناک عذاب میں مبتلا رہو گے۔ کیونکہ تم نے ہم آلِ محمد پر ظلم کیا ہے۔ آگاہ ہو کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔ تم پر وائے ہو، تم جانتے ہو کہ تمھارے کن ہاتھوں نے ہمیں نیزے مارے ہیں اور کیسے کیسے دل ہمارے قتال پر کھنچ کر آ لئے تھے۔ اور کن پیروں سے ہم سے جنگ کرنے کے ارادے سے ہماری طرف بڑھے تھے۔ تمھارے دل سخت اور تمھارے جگر موٹے ہو گئے ہیں۔ تمھارے دلوں پر اور تمھارے کانوں پر مُہر لگا دی گئی ہے شیطان نے تمھارے فعلوں کو تمھاری نظر میں خوشنما کر کے دکھایا ہے اور تمھاری آنکھوں پر پردے ڈال دیے لہذا اب تم راہِ ہدایت نہ پاؤ گے۔ اے اہلِ کوفہ خدا تمھیں ہلاک کرے۔ رسول خدا کا کیسا کیسا خون بہا تمھارے سروں پر اور کیسی کیسی جانوں کا بدلہ تمھاری گردنوں پر ہے۔ کیونکہ تم نے آں حضرتؐ کے بھائی اور میرے جد بزرگوار علی ابن ابی طالب اور ان کی اولاد اور نبی کی عترت پاکیزہ کے ساتھ بے وفائی کی ہے اور اس پر ایک فخر کرنے والے نے یوں فخر بھی کیا ہے

وَلَكَ الْأَثْلَبُ افْتَخَرْتَ بِقَتْلِ
قَوْمٍ زَكَّاهُمُ اللّٰهُ وَطَهَّرَهُمْ
وَأَذْهَبَ عَنْهُمُ الرِّجْسَ
فَاكْظِمْ وَاقْعَ كَمَا أَقْعَى
أَبُوكَ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ
مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَحَسَدْتُمُونَا
وَيْلًا لَكُمْ عَلَى مَا فَضَّلَنَا اللّٰهُ
عَلَيْكُمْ۔ فَمَا ذَنْبُنَا أَنْ
جَاشَ دَهْرًا بُحُورُنَا وَ
بَحْرُكَ سَاجٍ لَا يُوَارِي
الدَّعَامِصَا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ
يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ
ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ وَ
مَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُورًا
فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ۔

ہم نے علی اور اولاد علی کو ہندی تلواروں اور
نیزوں سے قتل کیا۔ ان کی عورتوں کو ترک کی
عورتوں کی طرح قید کیا اور بڑی بڑی ٹکر دی ہے
اے اس طرح بولنے والے تیرے منہ میں خاک
اور ریت۔ تو اس قوم کے قتل پر فخر کرتا ہے جسے
خدا نے پاکیزہ بنایا ہے طاہر کیا ہے اور ان سے
ہر برائی کو دور رکھا ہے لہذا تو غصہ کے گھونٹ
پیتا رہ۔ اور کتے کی نشست سے بیٹھ جس طرح
تیرا باپ بیٹھا تھا۔ ہر شخص کو اس کے عمل کا
بدلہ ملے گا۔ تم پر وائے ہو، تم نے ہمارے فضل پر
حسد کیا ؎

ہمارا کیا قصور ہے اگر ہمارے سمندر جوش
مارتے رہیں اور تیرا دریا عیب کے جانور کو
چھپا نہ سکے۔ یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہتا
ہے عطا فرماتا ہے۔ وہ بڑا فضل والا ہے۔
اور خدا جسے نور نہیں دیتا اسے کہیں سے
نور نہیں ملتا۔

جناب فاطمہ کی اس تقریر سے لوگوں میں کہرام مچ گیا اور ہر ایک بے ساختہ بلک بلک کر رونے لگا۔ وہ کہتے جاتے تھے کہ اے پاک و پاکیزہ لوگوں کی دختر تم نے ہمارے دلوں کو پارہ پارہ کردیا ہے۔ اور ہمارے جگر میں رنج و اندوہ کی آگ لگا دی۔ سید ابن طاؤس علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ حضرت ام کلثوم نے بھی ایک نہایت مؤثر تقریر فرمائی تھی۔ وہ خطبہ یہ ہے۔

يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ سَوْءَةً لَكُمْ
مَا لَكُمْ خَذَلْتُمْ حُسَيْنًا وَ
قَتَلْتُمُوهُ وَانْتَهَبْتُمْ أَمْوَالَهُ

اے اہل کوفہ! خدا تمہارا برا کرے تمہیں
کیا ہو گیا ہے کہ تم نے حسین کو چھوڑ دیا۔ ان کو
قتل کردیا۔ ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔

وَوَرِثْتُمُوهُ وَسَبَيْتُمْ نِسَاءَهُ
وَنَكَبْتُمُوهُ فَتَبًّا لَكُمْ وَسُحْقًا
وَيْلَكُمْ أَتَدْرُونَ أَيَّ دَوَاهٍ
دَهَتْكُمْ وَأَيَّ وِزْرٍ عَلَى
ظُهُورِكُمْ حَمَلْتُمْ وَأَيَّ دِمَاءٍ
سَفَكْتُمُوهَا وَأَيَّ كَرِيمَةٍ
أَصَبْتُمُوهَا وَأَيَّ صَبِيَّةٍ
سَلَبْتُمُوهَا وَأَيَّ أَمْوَالٍ
انْتَهَبْتُمُوهَا قَتَلْتُمْ خَيْرَ
رِجَالَاتٍ بَعْدَ النَّبِيِّ وَنُزِعَتِ
الرَّحْمَةُ مِنْ قُلُوبِكُمْ أَلَا إِنَّ
حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْفَائِزُونَ
وَحِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ
الْخَاسِرُونَ ثُمَّ قَالَتْ۔
(۱) قَتَلْتُمْ أَخِي صَبْرًا فَوَيْلٌ لِأُمِّكُمْ
سَتُجْزَوْنَ نَارًا حَرُّهَا يَتَوَقَّدُ
(۲) سَفَكْتُمْ دِمَاءً حَرَّمَ اللّٰهُ سَفْكَهَا
وَحَرَّمَهَا الْقُرْآنُ ثُمَّ مُحَمَّدُ
(۳) أَلَا فَابْشِرُوا بِالنَّارِ إِنَّكُمْ غَدًا
لَفِي سَقَرٍ حَقًّا يَقِينًا تُخَلَّدُوا
(۴) وَإِنِّي لَأَبْكِي فِي حَيَاتِي عَلَى أَخِي
عَلَى خَيْرِ مَنْ بَعْدَ النَّبِيِّ يُوَلَّدُ
(۵) بِدَمْعٍ غَزِيرٍ مُسْتَهَلٍّ مُكَفْكَفٍ
عَلَى الْخَدِّ مِنِّي دَائِبًا لَيْسَ يُجْمَدُ

اب ان پر تم افسوس کرتے ہو۔ حالانکہ تم نے اب
بھی ان کی عورتوں کو اسیر کر رکھا ہے۔ اور پھر
ان پر تم روتے بھی ہو۔ تم پر ہلاکت نازل ہے۔ تم
ناامید ہو جاؤ۔ تم پر وائے ہو۔ تم جانتے ہو کہ تم پر
کیسی آفت آنے والی ہے اور کن مخدرات کی
چادریں تم نے چھینی ہیں اور کیسے محترم مال و
اسباب کو لوٹا ہے۔ رسول کے بعد جو سب سے
بہتر مرد تھے۔ ان کو تم نے قتل کر ڈالا۔ تمہارے
دلوں سے رحم دور ہو گیا ہے۔ یاد رہے کہ خدا ہی کا
گروہ کامیاب رہتا ہے۔ اور شیطان کا لشکر
ناکامیاب ہے۔ پھر فرمایا ؎

(۱) تم نے میرے بھائی کو مجبور کر کے قتل کر ڈالا۔
تمہاری ماں ہلاک ہو عنقریب اس کے بدلے میں
تم کو وہ آگ ملے گی جس کی گرمی بھڑکتی رہے گی۔
(۲) تم نے ایسے خون بہائے ہیں جن کو خدا نے
محترم قرار دیا تھا، جسے قرآن نے محترم بتایا ہے
اور محمد مصطفےٰ نے اس سے امت کو آگاہ کردیا۔
(۳) خبردار تم کو جہنم کی خوشخبری ہو بیشک تم
قیامت کے دن سقر میں ڈالے جاؤ گے جس میں
یقیناً تم ہمیشہ رہو گے۔
(۴) میں زندگی بھر اپنے بھائی کو روتی رہوں گی
جو بعد پیغمبر ہر مولود سے بہتر تھا۔
(۵) میں آنسو بہاؤں گی جو مسلسل ہو گا۔ برابر
جاری رہے گا جس سے ہمیشہ رخسارے تر رہیں گے
جو کبھی بند نہ ہو گا۔

خطبۂ زینب در مجلس یزید:۔ یہ وہ خطبہ ہے جس نے دنیا کے سامنے ثابت کردیا کہ حق ہمیشہ حکومت کی سطوت اور طاقت پر غالب رہتا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اہل حق کو نہیں دبا سکتی۔ کل کی بات تھی کہ حکومت نے اپنا سارا زور لگا کر کربلا کے میدان میں اپنی پوری طاقت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اور اس ہی خاندان کے تمام افراد قتل ہوگئے۔ مال و اسباب جو کچھ تھا لٹ گیا۔ بظاہر دنیا کی کوئی چیز ان کے پاس نہ تھی۔ جس حاکم کے حکم سے یہ ساری مصیبتیں آئی تھیں وہ ہی اپنے پوری شان و شوکت کے ساتھ مسند زریں پر بیٹھا ہوا ہے۔ اور اس کے ارد گرد ننگی تلواریں لیے ہوئے اس کے سپاہی کھڑے ہیں۔ اس حاکم کے سامنے چند کمزور اور نحیف بیکس قیدیوں کی لائن زنجیروں میں جکڑی ہوئی کھڑی ہے۔ ان کے سب مرد رشتہ دار کربلا میں کام آئے۔ اور اب بظاہر دنیا میں یہ کسی کو اپنا مونس و ناصر نہیں پاتے۔ اس حاکم وقت نے چند ناجائز حرکات کیں۔ زبان سے غرور آمیز کلمے نکالے جو ایک بیکس و غریب و نزار عورت نے سنے۔ جس کے سب عزیز بھائی اور جس کے اپنے بچے بھتیجے سب میدان کربلا میں قتل ہوچکے تھے۔ دنیاوی جرأت و ہمت کا آخری قطرہ ایسی عورت کے بدن سے نکل جاتا ہے۔ لیکن اس عورت نے جس نے فاطمہ کا دودھ پیا تھا۔ علی کی گود میں پرورش پائی تھی اور جناب رسول خدا کی زبان چوسی تھی۔ یہ کلمات ناحق سنے اور تاب نہ لاسکی حق کی طاقت کے زور پر اور ہر حالت میں غالب رہنے والی جرأت کے ساتھ یہ تقریر فرمائی:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ
وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَاٰلِهٖ
اَجْمَعِيْنَ صَدَقَ اللّٰهُ كَذَالِكَ
(ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاؤُا
السُّوْٓءٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيَاتِ اللّٰهِ
وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ) تَقُوْلُ
اَظَنَنْتَ يَا يَزِيْدُ حَيْثُ اَخَذْتَ
عَلَيْنَا اَقْطَارَ الْاَرْضِ

حمد ہے واسطے رب العالمین کے صلوٰۃ و درود ہے اس کے رسول پر اور ان کی آل پر خداوند تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے "پھر برا ہوا انجام ان لوگوں کا جو برائی کرتے تھے۔ خدا کی نشانیوں کو جھٹلاتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے" اے یزید تو نے ہم پر ناکہ ناکہ بند کردیا۔ آسمان کی فضا تنگ کردی۔ یہاں تک کہ اہلبیت کی مخدرات عصمت کو قید کرکے دیار بدیار پھرایا۔ اس وجہ سے

وَاٰفَاقَ السَّمَآءِ فَاَصْبَحْنَا نُسَاقُ
كَمَا تُسَاقُ الْاُسَارٰى اَنَّ بِنَا
عَلَى اللّٰهِ هَوَانًا وَبِكَ عَلَيْهِ
كَرَامَةً وَاَنَّ ذٰلِكَ لِعِظَمِ
خَطَرِكَ عِنْدَهٗ فَشَمَخْتَ بِاَنْفِكَ
وَنَظَرْتَ فِيْ عِطْفِكَ جَذْلَانَ
مَسْرُوْرًا حِيْنَ رَاَيْتَ الدُّنْيَا
لَكَ مُسْتَوْسِقَةً وَالْاُمُوْرُ
مُتَّسِقَةً حِيْنَ صَفَا لَكَ مُلْكُنَا
وَسُلْطَانُنَا مَهْلًا مَهْلًا اَنَسِيْتَ
قَوْلَ اللّٰهِ (وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ
لِاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ
لِيَزْدَادُوْا اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ
مُهِيْنٌ) اَمِنَ الْعَدْلِ يَا ابْنَ
الطُّلَقَآءِ تَخْدِيْرُكَ حَرَائِرَكَ
وَاِمَائَكَ وَسَوْقُكَ بَنَاتِ
رَسُوْلِ اللّٰهِ سَبَايَا قَدْ هَتَكْتَ
سُتُوْرَهُنَّ وَاَبْدَيْتَ وُجُوْهَهُنَّ
تَحْدُوْ بِهِنَّ الْاَعْدَاءُ مِنْ
بَلَدٍ اِلٰى بَلَدٍ وَيَسْتَشْرِفُهُنَّ
اَهْلُ الْمَنَاهِلِ وَالْمَنَاقِلِ
وَيَتَصَفَّحُ وُجُوْهَهُنَّ الْقَرِيْبُ
وَالْبَعِيْدُ وَالدَّنِيُّ وَالشَّرِيْفُ
لَيْسَ لَهُنَّ مِنْ رِجَالِهِنَّ

کیا تجھے یہ گمان ہوگیا ہے کہ ہم خدا کے نزدیک ذلیل و خوار ہیں اور تو اس کی نظر میں مکرم ہے۔ اور تیرا یہ ظلم جو ہم پر گزرا ہے تو کیا یہ خیال کرتا ہے کہ تجھے اس کی بارگاہ میں شان و منزلت حاصل ہوگئی ہے اور تو اس گمان بد کے سبب متکبروں کی طرح پر شکن ڈالتا ہے اور دائیں بائیں متکبرانہ انداز سے دیکھ رہا ہے۔ خوشی سے اپنے شانوں کو حرکت دے رہا ہے اور اترا اترا کر کولے مٹکا رہا ہے اور اس پر خوش ہے کہ تو نے دنیا کو اپنے لیے ہموار پایا ہے اور اپنے کام درست کرلیے ہیں اور ہماری مملکت و سلطنت تجھ کو بے خار و خلش مل گئی ہے۔ جلدی نہ کر ذرا دم لے۔ کیا تو نے یہ بات فراموش کردی ہے کہ خدا قرآن میں فرماتا ہے "زنہار یہ گمان نہ کر کہ میں نے کفار کو مہلت دیدی ہے۔ اور جو کچھ ان کو یہ ڈھیل ہے یہ خیر ہے۔ بلکہ ہم اس جماعت کو زمانۂ دراز تک چھوڑ رکھتے ہیں تاکہ ان کا گناہ اور بڑھے۔ اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب موجود ہے" (۳۔ ۱۷۸) اے طلقاء کے بیٹے (فتح مکہ کے دن رسول خدا نے ابوسفیان وغیرہ کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا تھا کہ اذهبوا فانتم الطلقاء جاؤ تم آزاد غلام ہو۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے) کیا یہ تیرا عدل و انصاف ہے کہ تو نے اپنی عورتوں اور کنیزوں کو پردے میں رکھا ہے اور دختران پیغمبر کو اسیر کرکے تشہیر کرایا ہے ان کی حرمت ضائع کردی ہے، ان کو

وَلِيٌّ وَلَا مِنْ حُمَاتِهِنَّ حَمِيٌّ
وَكَيْفَ يُرْتَجَىٰ مُرَاقَبَةُ ابْنِ
مَنْ لَفَظَ فُوهُ أَكْبَادَ الْأَزْكِيَاءِ
وَنَبَتَ لَحْمُهُ بِدِمَاءِ الشُّهَدَاءِ
وَكَيْفَ يَسْتَبْطَأُ فِي بُغْضِنَا
أَهْلَ الْبَيْتِ مَنْ نَظَرَ إِلَيْنَا
بِالشَّنَفِ وَالشَّنَآنِ وَالْإِحَنِ
وَالْأَضْغَانِ ثُمَّ تَقُولُ غَيْرَ
مُتَأَثِّمٍ وَلَا مُسْتَعْظِمٍ لَأَهَلُّوا
وَاسْتَهَلُّوا فَرَحًا ثُمَّ قَالُوا
يَا يَزِيدُ لَا تُشَلَّ مُنْتَحِيًا
عَلَىٰ ثَنَايَا أَبِي عَبْدِ اللهِ
سَيِّدِ شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ
تَنْكُتُهَا بِمِخْصَرَتِكَ وَكَيْفَ
لَا تَقُولُ ذٰلِكَ وَلَقَدْ
نَكَأْتَ الْقُرْحَةَ وَاسْتَأْصَلْتَ
الشَّأْفَةَ بِإِرَاقَتِكَ دِمَاءَ
ذُرِّيَّةِ مُحَمَّدٍ وَنُجُومِ الْأَرْضِ
مِنْ آلِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَ
تَهْتِفُ بِأَشْيَاخِكَ
زَعَمْتَ أَنَّكَ تُنَادِيهِمْ
فَلَتَرِدَنَّ وَشِيكًا مَوْرِدَهُمْ
وَلَتَوَدَّنَّ أَنَّكَ شُلِلْتَ وَ
بُكِمْتَ وَلَمْ تَكُنْ قُلْتَ مَا قُلْتَ
وَفَعَلْتَ مَا فَعَلْتَ اَللّٰهُمَّ

سر برہنہ کر دیا ہے۔ دشمنوں نے ایک شہر سے دوسرے شہر میں انھیں پھرایا ہے۔ لوگ ان کے چہروں پر نظر کرتے ہیں اور دُور و نزدیک کے لوگ، شریف اور کمینے سب ان کے رخساروں کو گھور گھور کے دیکھتے ہیں۔ اس پر مصیبت یہ ہے کہ ان بیچاروں کے ساتھ کوئی ان کی حمایت کرنے والا با اختیار مرد نہیں ہے ہاں اس شخص سے کیونکر مراعات کی امید کی جائے جس کے بزرگوں (یزید کی دادی) کے مُنہ نے پاکیزہ لوگوں کا جگر چبا کے تھوکا ہو اور جس کا گوشت پوست شہیدوں کے خون سے پرورش یافتہ ہو۔ کیوں یہ حالت نہ ہو۔ جو ہمیں بغض و دشمنی اور کینہ کی نظر سے دیکھتا ہے۔ وہ دشمنی کرنے میں کیا کمی کرے گا۔ اے یزید پھر تو بغیر گناہ اور امر عظیم کا خیال کیے ہوئے اپنے بزرگوں کو یاد کر کے کہتا ہے لا هلوا واستهلوا فرحا + ثم قالوا لا یزید لا تشل (میرے نزدیک یہ منظر دیکھ کر خوشی سے اُچھل پڑتے اور کہہ اُٹھتے کہ اے یزید تیرا ہاتھ شل نہ ہو) حالانکہ سردار جوانانِ جنت ابو عبداللہ الحسین کے دانتوں سے تو بے ادبی کر رہا ہے۔ اے یزید تو کیوں نہ خوش ہو۔ اور ایسے کلام زبان پر کیوں نہ لائے۔ اس لیے کہ تو نے زخم کو گہرا کر دیا ہے۔ اور شجرۂ طیبہ کو اس کی جڑ سے کاٹ کر پھینک دیا ہے۔ یعنی ذریت محمد کا خون بہایا ہے۔ اور آل محمد اور اولاد عبدالمطلب کی ان افراد کو جو مثل ستارہ ہائے زمین تھے

خُذْ بِحَقِّنَا وَانْتَقِمْ مِنْ ظَالِمِنَا
وَاحْلُلْ غَضَبَكَ بِمَنْ سَفَكَ
دِمَائَنَا وَقَتَلَ حُمَاتَنَا
فَوَاللهِ مَا فَرَيْتَ إِلَّا جِلْدَكَ
وَلَا حَزَزْتَ إِلَّا لَحْمَكَ
وَلَتَرِدَنَّ عَلَىٰ رَسُولِ اللهِ
بِمَا تَحَمَّلْتَ مِنْ سَفْكِ
دِمَاءِ ذُرِّيَّتِهِ وَانْتَهَكْتَ
مِنْ حُرْمَتِهِ فِي عِتْرَتِهِ
وَلُحْمَتِهِ حَيْثُ يَجْمَعُ اللهُ
شَمْلَهُمْ وَيَلُمُّ شَعَثَهُمْ
وَيَأْخُذُ بِحَقِّهِمْ (وَلَا تَحْسَبَنَّ
الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ
أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ
رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ) حَسْبُكَ
بِاللهِ حَاكِمًا وَبِمُحَمَّدٍ خَصِيمًا
وَبِجَبْرَئِيلَ ظَهِيرًا وَسَيَعْلَمُ
مَنْ سَوَّىٰ لَكَ وَمَكَّنَكَ
مِنْ رِقَابِ الْمُسْلِمِينَ بِئْسَ
لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا وَأَيُّكُمْ شَرٌّ
مَكَانًا وَأَضْعَفُ جُنْدًا وَلَئِنْ
جَرَّتْ عَلَيَّ الدَّوَاهِي مُخَاطَبَتَكَ
إِنِّي لَأَسْتَصْغِرُ قَدْرَكَ
وَأَسْتَعْظِمُ تَقْرِيعَكَ وَأَسْتَكْثِرُ
تَوْبِيخَكَ لٰكِنَّ الْعُيُونَ عَبْرَىٰ

قتل کر ڈالا ہے اور اپنے اسلاف کو اپنی اس کامیابی پر صدا دے رہا ہے پس تو عنقریب ان سے ملحق ہوگا۔ اور اس وقت آرزو کرے گا کہ کاش دنیا میں نہ تیرے ہاتھ ہوتے اور نہ تیری زبان ہوتی تاکہ تو نے جو کچھ کیا وہ نہ کرتا۔ اور جو کچھ تو نے کہا وہ نہ کہتا۔ اس کے بعد اس مخدرہ نے آسمان کی جانب رخ کر کے عرض کی کہ میرے معبود میرے حق کا بدلہ ظالموں سے لے اور ستمگاروں سے تو خود انتقام لے اور اس پر اپنا غضب نازل کر جس نے ہمارا خون بہایا اور ہمارے جوانوں کو تہ تیغ کیا۔ اے یزید قسم بخدا جو کچھ ظلم تو نے کیا ہے وہ اپنے ساتھ کیا ہے۔ تو نے اپنی ہی کھال چاک کی ہے اور اپنا ہی گوشت کاٹا ہے۔ تو رسول خدا کے حضور میں بصورت مجرم لایا جائے گا کہ تو نے ان کی ذریت کا خون بہایا ہے اور ان کی عترت، اور پارہ ہائے جگر کے ناموس کی ہتک حرمت کی ہے اس وقت خداوند عالم ان کی پریشانی کو دور کرے گا ان کی پراگندگی کو مبدل بہ سکون کرے گا اور ستمگاروں سے ان کا حق لے گا۔ تو ہرگز گمان نہ کر کہ کشتگانِ راہِ خدا مُردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے یہاں طرح طرح کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہیں۔ اور خدا کا انصاف کرنا پیغمبر خدا کا تجھ سے دعویدار ہونا اور جبرئیل کا ان کی ذریت کی مدد کے لیے مستعد ہونا تیری سزا کے لیے کافی ہے۔ عنقریب وہ شخص جس نے تیرے لیے

وَالصَّدُّ وَرُحْبِي أَلَا فَالْعَجَبُ كُلُّ الْعَجَبِ لِقَتْلِ حِزْبِ اللهِ النُّجَبَاءِ وَبِحِزْبِ الشَّيْطَانِ الطُّلَقَاءِ فَهٰذِهِ الْأَيْدِي تَنْطِفُ مِنْ دِمَائِنَا وَالْأَفْوَاهُ تَتَحَلَّبُ مِنْ لُحُومِنَا وَتِلْكَ الْجُثَثُ الطَّوَاهِرُ الزَّوَاكِي تَنْتَابُهَا الْعَوَاسِلُ وَتَعْفِرُهَا أُمَّهَاتُ الْفَرَاعِلِ وَلَئِنْ اتَّخَذْتَنَا مَغْنَمًا لَتَجِدُنَا وَشِيكًا مَغْرَمًا حِينَ لَا تَجِدُ إِلَّا مَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ فَإِلَى اللهِ الْمُشْتَكَى وَعَلَيْهِ الْمُعَوَّلُ فَكِدْ كَيْدَكَ وَاسْعَ سَعْيَكَ وَنَاصِبْ جُهْدَكَ فَوَاللهِ لَا تَمْحُوا ذِكْرَنَا وَلَا تُمِيتُ وَحْيَنَا وَلَا تُدْرِكُ أَمَدَنَا وَلَا يُدْحَضُ عَنْكَ عَارُهَا وَهَلْ رَأْيُكَ إِلَّا فَنَدٌ وَأَيَّامُكَ إِلَّا عَدَدٌ وَجَمْعُكَ إِلَّا بَدَدٌ يَوْمَ يُنَادِي الْمُنَادِي أَلَا لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الظَّالِمِينَ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي خَتَمَ لِأَوَّلِنَا

بساطِ سلطنت بچھائی تھی اور تجھے مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کیا تھا بہت جلد معلوم کرلے گا کہ ظالموں کا بدلہ بُرا ہوتا ہے اور جائے قیام کے اعتبار سے تم میں سے کون بدتر ہے اور کس کے اعوان و مددگار ضعیف تر ہیں۔ اگرچہ گردشِ زمانہ اور حوادثِ روزگار نے مجھے تجھ سے ہمکلام کردیا ہے۔ یا اگر تجھ سے اس دلیری سے ہمکلام ہونا مجھ پر ستم پر ستم ڈھائے۔ پھر بھی میں تجھ کو حقیر ہی سمجھتی ہوں اور سمجھتی رہوں گی۔ اور میں اپنی سرزنش اور شماتت کو جو تو ہمارے ساتھ عمل میں لارہا ہے بہت عظیم جانتی ہوں اور جانتی رہوں گی۔ افسوس ہے کہ آنکھیں گریاں ہیں اور سینے آتشِ غم سے جل رہے ہیں۔ نہایت تعجب ہے کہ رحمان کا لشکر شیطانوں کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔ ہمارا خون ہمارے دشمنوں کے ہاتھوں سے ابھی تک ٹپک رہا ہے اور ان کے دہنوں سے ہمارے گوشت کی رطوبت جاری ہے۔ اور صحرا کے بھیڑیے ان پاکیزہ اجساد کا طواف کررہے ہیں۔ اے یزید اگر تو نے آج ہم کو تباہ کرکے غنیمت پائی ہے تو کل قیامت کے دن خسارے میں پڑے گا۔ جبکہ تو سوائے اپنے اعمالِ بد کے اور کوئی چیز وہاں نہ پائے گا۔ حق تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ خدا ہی سے شکایت ہے اور اسی پر اعتماد ہے۔ اے یزید جتنا کید و مکر چاہے کیے جا اور اپنی کوشش سے باز نہ آ اور ستم کو اپنا نصب العین

بِالسَّعَادَةِ وَلِآخِرِنَا بِالشَّهَادَةِ وَالرَّحْمَةِ وَنَسْأَلُ اللهَ أَنْ يُكْمِلَ لَهُمُ الثَّوَابَ وَيُوجِبَ لَهُمُ الْمَزِيدَ وَيُحْسِنَ عَلَيْنَا الْخِلَافَةَ إِنَّهُ رَحِيمٌ وَدُودٌ وَحَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ۔

بنالے لیکن قسم بخدا تو ہمارا ذکر صفحۂ جہان سے محو نہیں کرسکتا اور اس واقعہ کا ننگ و عار تجھ سے دُھل نہیں سکتا۔ تیری رائے سُست ہے اور تیری زندگی صرف گنے ہوئے دن ہیں اور تیرا ذخیرہ اس دن صرف پریشانی ہوگی۔ جس دن منادی ندا کرے گا۔ ظالموں پر خدا کی لعنت۔ خدا کا شکر ہے کہ جس نے ہمارے اول (محمد مصطفٰے) کو سعادت سے بہرہ اندوز کیا۔ اور ہمارے آخر (حسین علیہ السلام کو) شہادت کا فخر عطا فرمایا۔ میں خدا سے دعا کرتی ہوں کہ ہمارے شہیدوں کا ثواب مکمل کرے۔ ان کے اجر کو زیادہ فرمائے۔ اور ہمارے بقیہ افراد کے حالات کی درستی اور اصلاح میں احسان سے کام لے۔ وہ بخشنے والا اور مہربان ہے اور ہر پہلو سے وہی بہترین وکیل ہے۔

مرثیہ حضرت ام کلثوم بوقت رسیدن بمدینہ

جب شام کے زندان سے رہائی پاکر اہلبیت رسول مدینہ میں داخل ہونے لگے ہیں اور شہر مدینہ کی دیواریں نظر آئیں تو جناب ام کلثوم نے ایک نہایت بلیغ اور درد آمیز مرثیہ جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر پڑھا، وہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ دیکھو ناسخ التواریخ جلد ششم ص ۳۷۲

(۱) مَدِينَةَ جَدِّنَا لَا تَقْبَلِينَا ۔۔۔ فَبِالْحَسَرَاتِ وَالْأَحْزَانِ جِئْنَا

(۲) أَلَا أَخْبِرْ رَسُولَ اللهِ فِينَا ۔۔۔ بِأَنَّا قَدْ فُجِعْنَا فِي أَبِينَا

(۳) وَأَنَّ رِجَالَنَا بِالطَّفِّ صَرْعَى ۔۔۔ بِلَا رُؤُسٍ وَقَدْ ذَبَحُوا الْبَنِينَا

(۴) وَأَخْبِرْ جَدَّنَا أَنَّا أُسِرْنَا ۔۔۔ وَبَعْدَ الْأَسْرِ يَا جَدَّا سُبِينَا

(۵) وَرَهْطُكَ يَا رَسُولَ اللهِ أَضْحَوْا ۔۔۔ عَرَايَا بِالطُّفُوفِ مُسَلَّبِينَا

(۶) وَقَدْ ذَبَحُوا الحُسَیْنَ وَلَمْ یُرَاعُوْ — جَنَابَکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فِیْنَا
(۷) فَلَوْ نَظَرَتْ عُیُوْنُکَ لِلْاُسَارٰی — عَلٰی اَقْتَابِ الْجِمَالِ مُحَمَّلِیْنَا
(۸) رَسُوْلَ اللّٰہِ بَعْدَ الصَّوْنِ صَارَتْ — عُیُوْنُ النَّاسِ نَاظِرَۃً اِلَیْنَا
(۹) وَکُنْتَ تَحُوْطُنَا حَتّٰی تَوَلَّتْ — عُیُوْنُکَ ثَارَتِ الْاَعْدَا عَلَیْنَا
(۱۰) اَفَاطِمُ لَوْ نَظَرْتِ اِلَی السَّبَایَا — بَنَاتِکِ فِی الْبِلَادِ مُشَتَّتِیْنَا
(۱۱) اَفَاطِمُ لَوْ نَظَرْتِ اِلَی الْحَیَارٰی — وَلَوْ اَبْصَرْتِ زَیْنَ الْعَابِدِیْنَا
(۱۲) اَفَاطِمُ لَوْ رَاَیْتِ بِنَا سُهَارٰی — وَمِنْ سَهَرِ اللَّیَالِیْ قَدْ عَمِیْنَا
(۱۳) اَفَاطِمُ مَا لَقِیْتِ مِنْ عِدَاکِ — وَلَا قِیْرَاطَ مِمَّا قَدْ لَقِیْنَا
(۱۴) فَلَوْ دَامَتْ حَیَاتُکِ لَمْ تَزَالِیْ — اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ تَنْدُبِیْنَا
(۱۵) وَعَرِّجْ بِالْبَقِیْعِ وَقِفْ وَنَادِ — ءَابْنَ حَبِیْبِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَا
(۱۶) وَقُلْ یَا عَمُّ یَا الْحَسَنُ الْمُزَکّٰی — عِیَالُ اَخِیْکَ اَضْحَوْا ضَائِعِیْنَا
(۱۷) اَیَا عَمَّاہُ اِنَّ اَخَاکَ اَضْحٰی — بَعِیْدًا عَنْکَ بِالرَّمْضَا رَهِیْنَا
(۱۸) بِلَا رَاْسٍ تَنُوْحُ عَلَیْهِ جَهْرًا — طُیُوْرٌ وَالْوُحُوْشُ الْمُوْحِشِیْنَا
(۱۹) وَلَوْ عَایَنْتَ یَا مَوْلَایَ سَاقُوْا — حَرِیْمًا لَا یَجِدْنَ لَهُمْ مُعِیْنَا
(۲۰) عَلٰی مَتْنِ النِّیَاقِ بِلَا وِطَاءٍ — وَشَاهَدْتَ الْعِیَالَ مُکَشَّفِیْنَا
(۲۱) مَدِیْنَۃَ جَدِّنَا لَا تَقْبَلِیْنَا — فَبِالْحَسَرَاتِ وَالْاَحْزَانِ جِئْنَا
(۲۲) خَرَجْنَا مِنْکِ بِالْاَهْلِیْنَ جَمْعًا — رَجَعْنَا لَا رِجَالَ وَلَا بَنِیْنَا
(۲۳) وَکُنَّا فِی الْخُرُوْجِ بِجَمْعِ شَمْلِیْ — رَجَعْنَا خَاسِرِیْنَ مُسَلَّبِیْنَا
(۲۴) وَکُنَّا فِیْ اَمَانِ اللّٰہِ جَهْرًا — رَجَعْنَا بِالْقَطِیْعَۃِ خَائِفِیْنَا
(۲۵) وَمَوْلَانَا الْحُسَیْنُ لَنَا اَنِیْسٌ — رَجَعْنَا وَالْحُسَیْنُ بِهٖ رَهِیْنَا
(۲۶) فَنَحْنُ الضَّائِعَاتُ بِلَا کَفِیْلٍ — وَنَحْنُ النَّائِحَاتُ عَلٰی اَخِیْنَا
(۲۷) وَنَحْنُ السَّائِرَاتُ عَلَی الْمَطَایَا — نُشَالُ عَلٰی جِمَالِ الْمُبْغِضِیْنَا
(۲۸) وَنَحْنُ بَنَاتُ یٰسِیْنَ وَطٰهَا — وَنَحْنُ الْبَاکِیَاتُ عَلٰی اَبِیْنَا
(۲۹) وَنَحْنُ الطَّاهِرَاتُ بِلَا خَفَاءٍ — وَنَحْنُ الْمُخْلِصُوْنَ الْمُصْطَفُوْنَا
(۳۰) وَنَحْنُ الصَّابِرَاتُ عَلَی الْبَلَایَا — وَنَحْنُ الصَّادِقُوْنَ النَّاصِحُوْنَا

(۳۱) اَلَا یَا جَدَّنَا قَتَلُوْا حُسَیْنًا — وَلَمْ یَرْعَوْا جَنَابَ اللّٰہِ فِیْنَا
(۳۲) اَلَا یَا جَدَّنَا بَلَغَتْ عِدَانَا — مُنَاهَا وَاشْتَفَی الْاَعْدَاءُ فِیْنَا
(۳۳) لَقَدْ هَتَکُوا النِّسَاءَ وَحَمَّلُوْهَا — عَلَی الْاَقْتَابِ قَهْرًا اَجْمَعِیْنَا
(۳۴) وَزَیْنَبُ اَخْرَجُوْهَا مِنْ خِبَاهَا — وَفَاطِمُ وَالِہٌ تُبْدِی الْاَنِیْنَا
(۳۵) سُکَیْنَۃُ تَشْتَکِیْ مِنْ حَرِّ وَجْدٍ — تُنَادِی الْغَوْثَ رَبَّ الْعَالَمِیْنَا
(۳۶) وَزَیْنُ الْعَابِدِیْنَ بِقَیْدِ ذُلٍّ — وَرَامُوْا قَتْلَهٗ اَهْلُ الْخَؤُوْنَا
(۳۷) فَبَعْدَهُمْ عَلَی الدُّنْیَا تُرَابٌ — فَکَاسُ الْمَوْتِ فِیْهَا قَدْ سُقِیْنَا
(۳۸) وَهٰذِیْ قِصَّتِیْ مَعَ شَرْحِ حَالِیْ — اَلَا یَا سَامِعُوْنَ ابْکُوْا عَلَیْنَا

ترجمہ

(۱) ہمارے نانا کے مدینہ تو ہمیں قبول نہ کر کیونکہ ہم حسرتیں اور رنج و غم لیکر آئے ہیں۔
(۲) ہاں رسول خدا کو ہمارے متعلق خبر کر دے کہ ہم کو ہمارے باپ کی جدائی کا صدمہ پہنچایا گیا۔
(۳) یہ بھی خبر کر دے کہ ہمارے خاندان کے مرد زمین طف میں مقتول پڑے ہوئے ہیں۔ جن کے جسموں پر سر نہیں ہیں۔ اور دشمنوں نے ہمارے بچوں کو ذبح کر ڈالا۔
(۴) ہمارے نانا کو یہ خبر بھی دیدے کہ ہم گرفتار کیے گئے۔ اور گرفتار کر کے قیدی بنا کر لے جائے گئے۔
(۵) اے رسولِ خدا آپ کی جماعت زمینِ طف میں برہنہ پڑی ہے۔ اور اُن کے جسم کا لباس لوٹ لیا گیا ہے۔
(۶) دشمنوں نے حسین کو ذبح کر دیا ہے اور ہمارے بارے میں اے رسولِ خدا آپ کی کوئی رعایت یا مروت نہ کی۔
(۷) کاش آپ کی آنکھیں ہم قیدیوں کو دیکھتیں کہ پالانِ شتر پر سوار کیے گئے۔
(۸) اے رسولِ خدا پردہ داری کے بعد ہمیں نامحرموں کی نگاہوں نے بے تامل دیکھا۔
(۹) آپ تو ہماری بڑی حفاظت کرتے تھے۔ لیکن ادھر آپ کی آنکھیں بند ہوئیں اور ادھر دشمن ہم پر حملہ کر بیٹھے۔
(۱۰) اے فاطمہ کاش آپ اپنی قیدی بیٹیوں کو دیکھتیں کہ شہر بہ شہر تشہیر کی گئیں۔

(۱۱) اے فاطمہ کاش آپ اپنی اولاد کو حیران و سرگرداں دیکھتیں۔ کاش زین العابدین پر نظر کرتیں۔
(۱۲) اے فاطمہ کاش ہمیں دیکھتیں کہ کس طرح راتیں بیداری میں گزاری ہیں۔ یہاں تک کہ نابینائی کو پہنچ گئیں۔
(۱۳) اے فاطمہ آپ نے اپنے دشمنوں کے ہاتھوں وہ مصیبتیں بلکہ ان کا ایک ذرہ بھی نہ دیکھا جو ہم پر نازل ہوئیں۔
(۱۴) اگر آپ اس وقت زندہ ہوتیں اور ہمیشہ زندہ رہتیں تو قیامت تک ہم پر روتی رہتیں۔
(۱۵) اے خبر پہنچانے والے بقیع کی طرف متوجہ ہو۔ اور وہاں ٹھہر اور پکار کہ اے حبیب رب العالمین کے فرزند
(۱۶) اور ان سے کہہ کہ اے چچا اے حسن پاکیزہ سرشت آپ کے بھائی کے اہلبیت ضائع ہو گئے۔
(۱۷) اے چچا آپ کے بھائی حسین آپ سے دور جلتی ریت میں سپرد لحد کر دیے گئے۔
(۱۸) مگر اس طرح کہ جسم پر سر نہ تھا۔ اور ان پر وحوش و طیور چیخ چیخ کر نوحہ کر رہے تھے۔
(۱۹) کاش آپ دیکھتے کہ دشمن آپ کے گھرانے کی ان مخدرات عصمت کو قیدی بنا کر لے گئے جن کا کوئی مددگار نہ تھا۔
(۲۰) آپ کی اولاد اونٹوں کی برہنہ پیٹھ بٹھائی گئی۔ اور وہ عورتیں کھلے منہ پھرائی گئیں۔ کاش آپ ان کی یہ حالت دیکھتے۔
(۲۱) اے نانا کے مدینہ تو ہم کو قبول نہ کر کیونکہ ہم حسرتوں اور رنج و آلام کے ساتھ آئے ہیں۔
(۲۲) جب تجھ سے ہم نکلے تھے تو گھر بھرا تھا۔ اور اب واپس آئے ہیں تو نہ مرد ساتھ ہیں اور نہ بچے۔
(۲۳) جب نکلے تھے تو پوری جماعت کے ساتھ۔ اور جب واپس ہوئے تو برہنہ سر اور لٹے ہوئے۔
(۲۴) اس وقت ہم علانیہ خدا کی امان میں تھے اور آج خوفزدہ اور بے پناہ آ رہے ہیں۔
(۲۵) اس وقت ہمارے آقا امام حسین مونس و یاور تھے۔ اور آج میں انھیں اسی جنگل کے سپرد کر آئی ہوں۔
(۲۶) اب تو ہم وہ تباہ شدہ ہیں جن کا کوئی کفیل نہیں اور ہم اپنے بھائی پر نوحہ کر رہے ہیں۔

(۲۷) ہم ہی وہ ہیں جو اونٹوں پر دیار بدیار پھرائے گئے۔ اور وہ بھی ان دشمنوں کے اونٹ جو ہمارے بغض اور کینہ سے بھرے ہوئے تھے۔
(۲۸) ہم یٰسین و طٰہٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اور ہم اپنے باپ کی جدائی پر گریاں ہیں۔
(۲۹) ہم بے شک و شبہ طاہرہ اور پاکیزہ عورتیں ہیں۔ اور ہم خدا کے مخلص برگزیدہ بندے ہیں۔
(۳۰) ہم مصیبتوں پر صبر کرنے والے ہیں۔ ہم سچے اور لوگوں کو نصیحت کرنے والے ہیں۔
(۳۱) اے نانا دشمنوں نے حسین کو قتل کر دیا۔ اور ہمارے بارے میں ذات خدا کی رعایت نہ کی۔
(۳۲) اے نانا ہمارے دشمن اپنی آرزو کو پہنچ گئے اور ہمیں ستا کر شقی بن گئے۔
(۳۳) عورتوں کی پردہ دری کی۔ ان سب کو پالان شتر پر سوار کر کے پھرایا۔
(۳۴) زینب علیا مقام کو ان کے پردہ سے نکالا۔ اور فاطمہ دختر امیر المومنین سرگرداں و نالہ کناں تھیں۔
(۳۵) سکینہ آتش جدائی سے فریاد کرتی تھیں اور بار بار پکارتی تھیں۔ اے رب العالمین فریاد ہے فریاد ہے۔
(۳۶) زین العابدین ذلت کی قید میں گرفتار تھے۔ اس پر بھی دشمنوں نے کئی بار ان کے قتل کر دینے کا قصد کیا۔
(۳۷) شہدائے کربلا کے بعد اس دنیا پر خاک ہے۔ ہمیں اسی دنیا کے لیے جام مرگ پلایا گیا۔
(۳۸) یہ میرا واقعہ ہے اور یہ میرا مفصل حال ہے۔ اے سننے والو ہم پر گریہ کرو۔

اس وقت جناب امام زین العابدین اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ اور اہلبیتؑ نے دوسرے خیمہ میں قیام کیا۔ بشیر ابن جذلم کو حکم دیا کہ ہمارے آنے کی خبر اہل مدینہ کو جا کر سنا دے۔ وہ آیا۔ بغیر کسی سے کچھ بولے ہوئے سیدھا مسجد رسولؐ میں چلا گیا۔ اور وہاں نہایت بلند آواز سے یہ شعر پڑھے ؎

يَا اَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ بِهَا   قُتِلَ الْحُسَيْنُ فَاَدْمُعِيْ مِدْرَارٌ
اَلْجِسْمُ مِنْهُ بِكَرْبَلَاءَ مُضَرَّجٌ   وَالرَّاسُ مِنْهُ عَلَى الْقَنَاةِ يُدَارُ

(ترجمہ:۔ اے اہل یثرب اب مدینہ میں تمھارے لیے کوئی جگہ نہیں (یعنی اب تمھارا

یہاں رہنا بے سود ہے) کیونکہ حسینؑ قتل ہوے اور میرے آنسو لگاتار بہہ رہے ہیں۔

(۲) ان کا جسم کربلا میں خون سے سرخ کیا ہوا (خون آلود) پڑا تھا۔ اور ان کا سر نیزے پر پھرایا گیا۔)

اہلِ مدینہ یہ منادی سن کر سر و پا برہنہ مرد و عورت گھروں سے نکل کر اہلبیت علیہم السلام کی خدمت میں حاضر ہوے اور ایک کہرام مچ گیا۔ امام زین العابدینؑ نے اپنے والد بزرگوار کے حالات بیان کیے۔ خود بھی روتے جاتے تھے۔ اور حاضرین کو بھی رلاتے تھے۔ یہ دنیا میں دوسری مجلس عزا تھی جو امام حسین کے سوگ میں قائم ہوئی۔ خدا کی قدرت دیکھو سب سے پہلی مجلسِ عزا خود قاتل کے محل میں قائم ہوئی تھی۔ اور ہندہ زوجہ یزید نے قصر دمشق میں منعقد کی تھی۔ وہاں اہلبیت علیہم السلام کو گریہ و بکا کے لیے مدعو کیا گیا۔ سب مخدرات عصمت تشریف لے گئیں۔ حضرت زینب نے نہایت حزن و ملال کے ساتھ امام حسینؑ کا مرثیہ پڑھا۔ وہ پہلا مرثیہ تھا جو امامِ حسینؑ کے غم میں مجلسِ عزا میں پڑھا گیا بحار الانوار میں جناب زینب علیہا السلام کا مرثیہ درج ہے۔ ہم یہاں نقل کرتے ہیں:-

(۱) تَمَسَّكْ بِالْكِتَابِ وَمَنْ تَلَاهُ — فَاَهْلُ الْبَيْتِ هُمْ اَهْلُ الْكِتَابِ

(۲) بِهِمْ نَزَلَ الْكِتَابُ وَهُمْ تَلَوْهُ — وَهُمْ كَانُوا الْهُدَاةَ اِلَى الصَّوَابِ

(۳) اِمَامِيْ وَحَّدَ الرَّحْمٰنَ طِفْلًا — وَاٰمَنَ قَبْلَ تَشْدِيْدِ الْخِطَابِ

(۴) عَلِيٌّ كَانَ صِدِّيْقَ الْبَرَايَا — عَلِيٌّ كَانَ فَارُوْقَ الْعَذَابِ

(۵) شَفِيْعِيْ فِي الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّيْ — نَبِيٌّ وَالْوَصِيُّ اَبُوْ تُرَابِ

(۶) وَفَاطِمَةُ الْبَتُوْلُ وَسَيِّدَا مَنْ — يُخَلَّدُ فِي الْجِنَانِ مَعَ الشَّبَابِ

(۷) عَلَى الطَّفِّ السَّلَامُ وَسَاكِنِيْهِ — وَرُوْحُ اللّٰهِ فِيْ تِلْكَ الْقِبَابِ

(۸) نُفُوْسٌ قُدِّسَتْ فِي الْاَرْضِ قِدْمًا — وَقَدْ خَلَصَتْ مِنَ النُّطَفِ الْعِذَابِ

(۹) مَضَاجِعُ فِتْيَةٍ عَبَدُوْا وَنَامُوْا — هُجُوْدًا فِي الْفَدَافِدِ وَالشِّعَابِ

(۱۰) عَلَتْهُمْ فِيْ مَضَاجِعِهِمْ كِعَابٌ — بِاَوْرَاقٍ مُنَعَّمَةٍ رِطَابِ

(۱۱) وَصَيَّرَتِ الْقُبُوْرُ لَهُمْ قُصُوْرًا — مُنَاخًا ذَاتَ اَفْنِيَةٍ رِحَابِ

(۱۲) لَئِنْ وَارَتْهُمُ اَطْبَاقُ اَرْضٍ — كَمَا اُغْمِدْتَ سَيْفًا فِيْ قِرَابِ

(۱۳) كَاَنَّمَا رِاِذَا جَاسُوْا رَوَاضٍ — وَاَسَارِ اِذَا رَكِبُوْا غِضَابِ

(۱۴) لَقَدْ كَانُوا الْبِحَارَ لِمَنْ اَتَاهُمْ — مِنَ الْعَافِيْنَ وَالْهَلْكَى السِّغَابِ

(۱۵) فَقَدْ نُقِلُوْا اِلٰى جَنَّاتِ عَدْنٍ — وَقَدْ عِيْضُوا النَّعِيْمَ مِنَ الْعِقَابِ

(۱۶) بَنَاتُ مُحَمَّدٍ اَضْحَتْ سَبَايَا — يُسَقْنَ مَعَ الْاُسَارٰى وَالنِّهَابِ

(۱۷) مُغَبَّرَةَ الذُّيُوْلِ مُكَشَّفَاتٌ — كَسَبْيِ الرُّوْمِ دَامِيَةَ الْكِعَابِ

(۱۸) لَئِنْ اُبْرِزْنَ كُرْهًا مِنْ حِجَابٍ — فَهُنَّ مِنَ التَّعَفُّفِ فِي الْحِجَابِ

(۱۹) اَيُبْخَلُ فِي الْفُرَاتِ عَلَى الْحُسَيْنِ — وَقَدْ اَضْحٰى مُبَاحًا لِلْكِلَابِ

(۲۰) فَلِيْ قَلْبٌ عَلَيْهِ ذُوالْتِهَابِ — وَلِيْ جَفْنٌ عَلَيْهِ ذُوانْسِكَابِ

ترجمہ

(۱) (اے مومن) کتاب کے ساتھ تمسک کر اور اس کے ساتھ جس نے اس کی صحیح تلاوت کی ہے پس اہلبیت نبی ہی اہل کتاب ہیں۔

(۲) انھیں پر کتاب نازل ہوئی ہے اور انھوں ہی نے اس کی تلاوت بھی کی ہے اور وہی لوگ حق کے جانب رہبر ہیں۔

(۳) میرے امام (علیؑ) نے اس سن میں خدا کی وحدت کا اعلان کیا تھا جس سن میں انسان درستی سے بولنے کے قابل بھی نہیں ہوتا۔

(۴) وہ علی ہیں جو ساری دنیا میں صدیق ہیں اور علی ہی ہیں جو فاروق عذاب ہیں یعنی ثواب و عذاب کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔

(۵) میرے شفیع روز قیامت خدا کے حضور میں نبی اور ان کے وصی ابو تراب ہیں۔

(۶) میری شفیع فاطمہ بتول اور جنت میں جوان ہو کر جانے والوں کے سردار حسنؑ و حسینؑ ہیں

(۷) طف اور اس کے رہنے والوں پر سلام ہو اور ان قبوں پر خدا کی مہربانی نازل ہوتی رہے

(۸) طف کے ساکن وہ نفوس ہیں جو سارے اہلِ ارض سے مقدس ہیں اور جو پاکیزہ نطفوں سے پیدا ہوے ہیں۔

(۹) زمین طف ان جوانوں کی خواب گاہ ہے جنھوں نے تا زندگی خدا کی عبادت کی اور پھر ان صحراؤں اور گھاٹیوں میں ہمیشہ کے لیے سو گئے۔

(۱۰) ان کی خواب گاہوں پر نیستان اپنی ہری اور نرم پتیوں کے ساتھ سایہ کیے ہیں۔

(۱۱) نیستان نے ان کی قبروں کو قصر بنا دیا ہے۔ جس کے ادھر ادھر وسیع اور کشادہ صحن ہیں

(۱۲) اگرچہ اس وقت زمین نے انھیں، اس طرح چھپا دیا ہے جیسے نیام میں شمشیر۔
(۱۳) لیکن (زندگی) میں جب یہ راہ چلتے تھے تو مانوس چیتوں کی طرح اور جب گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے تو غضبناک شیروں کی طرح معلوم ہوتے تھے۔
(۱۴) یہ لوگ حاجت مند، گرسنہ اور قریب بہ ہلاکت اشخاص کے لیے مثل دریا کے ہوتے تھے۔
(۱۵) یہ لوگ اب جنات عدن کو منتقل ہو گئے ہیں۔ اور انھیں دنیا کے مصائب کے عوض نعمات بہشت مل گئے ہیں۔
(۱۶) محمد مصطفیٰ کی بیٹیاں قید ہو گئیں اور قیدیوں اور مال غنیمت کے ساتھ تشہیر کی گئیں۔
(۱۷) کفار قیدیان روم کی طرح ان کے دامن گرد آلود تھے۔ اور چہرے برہنہ تھے۔ اور نیزوں کی نوکوں سے ان کی پشتیں خون آلود تھیں۔
(۱۸) اگرچہ وہ پردوں سے بجبر باہر نکلی ہوئی تھیں لیکن ان کے چہروں پر عفت کے نقاب پڑے ہوئے تھے۔
(۱۹) حسین کے لیے فرات کے پانی سے بخل کیا گیا اگرچہ کتّوں کے لیے وہ پانی مباح تھا۔
(۲۰) پس میرا دل حسینؑ کے غم میں جل رہا ہے۔ اور میری آنکھیں ان پر برابر آنسو بہا رہی ہیں۔

ایک اور مرثیہ حضرت زینب نے شام کی مجلس میں پڑھا تھا بحار الانوار سے درج کیا جاتا ہے۔

(۱) اَمَا شَجَاكَ يَا سَكَنَ   قَتْلُ الْحُسَيْنِ وَالْحَسَنِ
اے صاحب سکینہ۔ اے رسول خدا۔ کیا آپ کو حسنؑ و حسینؑ کا قتل رنجیدہ نہیں کرتا
ظَمْآنَ مِنْ طُوْلِ الْحُزْنِ   وَكُلُّ وَغْدٍ نَاهِلُ
وہ حسین جو پیاسا قتل کیا گیا۔ اور طویل حزن و غم میں گرفتار رہا۔ اور سب کمینے سیر و سیراب تھے۔

(۲) يَا قَوْمُ يَا قَوْمُ اَبِیْ   عَلِیُّ الْبَرُّ الْوَصِیُّ
اسے قوم اسے قوم میرے باپ علی مرتضیٰ خدا کے بڑے نیک بندے اور وصی رسول ہیں
وَ فَاطِمُ اُمِّیْ الَّتِیْ   لَهَا التُّقٰی وَالنَّائِلُ
میری ماں فاطمہ زہرا ہیں جن کے حصے میں تقویٰ وجود وسخا آیا ہے۔

(۳) مُنُّوْا عَلَی ابْنِ الْمُصْطَفٰی   بِشَرْبَةٍ يُحْيٰی بِهَا
ابن مصطفیٰ پر ایک گھونٹ پانی دے کر احسان کرو جس سے
اَطْفَالُنَا مِنَ الظَّمَا   حَيْثُ الْفُرَاتُ سَائِلُ
ہمارے بچے پیاس کی موت سے بچ جائیں۔ نہر فرات بہہ رہی ہے۔

(۴) قَالُوْا لَهٗ لَا مَاءَ لَا   اِلَّا السُّيُوْفُ وَالْقَنَا
اس سوال کے جواب میں انھوں نے جواب دیا کہ پانی تو ہرگز نہ دیں گے ہاں تلواریں اور نیزے ہیں
فَانْزِلْ بِحُكْمِ الْاَدْعِيَا   فَقَالَ بَلْ اُقَاضِلُ
اگر ان سے بچنا چاہتے ہو تو ابن زیاد و یزید کا حکم مانو۔
امام نے فرمایا بلکہ میں اس ننگ و عار کو اپنے سے دُور کر دوں گا۔

(۵) حَتّٰی اَتَاهُ مِشْقَصٌ   رَمَاهُ وَغْدٌ اَبْرَصٌ
آخر کار ایک تیر آپ کو لگا جسے ایک سفید داغ والے کمینے نے مارا تھا۔
مِنْ سَقَرٍ لَا يَخْلُصُ   رِجْسٌ دَعِیٌّ وَاغِلُ
جو ہمیشہ سقر میں رہے گا۔ جو ناپاک حرامزادہ اور کمینہ تھا۔

(۶) فَهَلَّلُوْا بِخَتْلِهٖ   وَاعْصَوْصَبُوْا لِقَتْلِهٖ
لوگوں نے امام کے ساتھ دغا کر کے تکبیر کہی۔ ان کے قتل پر مضبوط ہو کر آئے۔
وَمَوْتُهٗ فِیْ نَصْلِهٖ   قَدْ اُقْحِمَ الْمُنَاضِلُ
آخر آں جناب کی موت اس تیر سے ہوئی۔

(۷) وَغَفَّرُوْا جَبِيْنَهٗ   وَخَضَّبُوْا عُثْنُوْنَهٗ
آں جناب کی پیشانی دشمنوں نے خاک آلود کر دی۔ ریش مبارک کو خون سے رنگین کر دیا۔
بِالدَّمِ يَا مُعِيْنَهٗ   مَا اَنْتَ عَنْهُ غَافِلُ
اے مددگار حسین تو ان سے غافل نہ ہونا۔

(۸) وَهَتَكُوْا حَرِيْمَهٗ   وَذَبَحُوْا فَطِيْمَهٗ
ان لوگوں نے امام کی ہتک حرمت کی اور ان کے بچّوں کو ذبح کر ڈالا۔

(۹) وَاَسَرُوْا كُلْثُوْمَهٗ   وَسِيْقَتِ الْحَلَائِلُ
ان کی بہن ام کلثوم کو قید کیا اور ان کی بیویوں کو دیار بہ دیار پھرایا۔

(۹) یَسِقْنَ بِالتَّنَائِفِ — بِضَجَّةِ الْهَوَاتِفِ

وہ مخدرات صحراؤں میں تشہیر کی گئیں ان پر ہاتف گریہ کر رہے تھے۔

وَأَدْمُعٌ ذَوَارِفُ — عُقُولُهَا ذَوَائِلُ

ان کی بیبیوں کے آنسو نہ تھمتے تھے اور عقلیں بجا نہ تھیں۔

(۱۰) یَقُلْنَ یَا مُحَمَّدُ — یَا جَدَّنَا یَا أَحْمَدُ

وہ بیبیاں پکار رہی تھیں، اے محمد اے ہمارے نانا اے احمد۔

قَدْ أَسَرَتْنَا الْأَعْبُدُ — وَکُلُّنَا ثَوَاکِلُ

ہمیں غلاموں نے قید کر لیا۔ حالانکہ ہم سب کے عزیز مردہ تھے۔

(۱۱) تُهْدٰی سَبَایَا کَرْبَلَا — إِلَی الشَّامِ وَالْبَلَاءِ

کربلا کے قیدی شام کے دیار بلا میں جبراً لے جائے جاتے ہیں۔

قَدْ انْتَعَلْنَ بِالدِّمَاءِ — لَیْسَ لَهُنَّ نَاعِلُ

اور بجائے پاپوش ان کے پیروں میں خون کے موزے ہیں۔

(۱۲) إِلٰی یَزِیدِ الطَّاغِیَه — مَعْدَنِ کُلِّ وَاهِیَه

یزید سرکش مخزن مکر و فریب کے دربار میں۔

مِنْ نَحْوِ بَابِ الْجَابِیَه — فَجَاحِدٌ وَخَاذِلُ

اب جابیہ سے داخل کی گئیں جہاں منکرین حق و دین میں خلل ڈالنے والے موجود تھے۔

(۱۳) حَتّٰی دَنَا بَدْرُ الدُّجٰی — رَأْسُ الْإِمَامِ الْمُرْتَجٰی

مخدرات کے پاس اندھیرے کا چاند یعنی بیکس امام کا سر لایا گیا۔

بَیْنَ یَدَیْ شَرِّ الْوَرٰی — ذَاكَ اللَّعِینُ الْقَاتِلُ

اور بدترین خلق، ملعون اور حقیقی قاتل کے پاس رکھا گیا۔

(۱۴) یُظِلُّ فِی بَنَانِهِ — قَضِیبُ خَیْزُرَانِهِ

اس ملعون کے ہاتھ میں خیزران کی چھڑی تھی۔

یَنْکُتُ فِی أَسْنَانِهِ — قُطِّعَتِ الْأَنَامِلُ

جس سے لب و دندان حسینؑ کو چھیڑنے لگا۔ خدا اس کے ہاتھ قطع کرے۔

(۱۵) أَنَامِلُ بِجَاحِدٍ — وَحَاقِدٍ مُرَاصِدٍ

اس منکر حق کے ہاتھ قطع ہوں جو کینہ پرور گھات میں رہنے والا۔

مُکَائِدٍ مُعَانِدٍ — فِی صَدْرِهٖ غَوَائِلُ

مکار اور دشمن خبیث ہے جس کا سینہ کینہ سے مملو تھا۔

(۱۶) طَوَائِلُ بَدْرِیَّةٌ — غَوَائِلُ کُفْرِیَّةٌ

جو بدر کے عضوں کفر کے کینوں

شَوْهَاءُ جَاهِلِیَّةٌ — ذَلَّتْ لَهَا الْأَفَاضِلُ

اور جاہلیت کی برائیوں کا مالک ہے جس کے سامنے صاحبان فضل ذلیل ہو رہے تھے

(۱۷) فَیَا عُیُونِی اسْکُبِی — عَلٰی بَنِی بِنْتِ النَّبِیِّ

اے میری آنکھوں، بنت نبی کے فرزند پر آنسو بہاؤ۔

بِفَیْضِ دَمْعٍ نَاضِبٍ — کَذَاكَ یَبْکِی الْعَاقِلُ

عاقل اسی طرح روتا ہے۔

جناب زینب اور حضرت ام کلثوم۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور جناب فاطمہ کے خطبوں اور مرثیوں پر غور کرو کس نے کہے کس کے سامنے کہے اور کیا کہا۔ یہ انھوں نے کہے جن کے تمام اعزا و اقربا ایک دن کی جنگ مغلوبہ میں قتل ہو گئے۔ جن کا کوئی محافظ و نگہبان نہیں رہا۔ جو اپنے بھائیوں اور بچوں کو صحرا میں مقتول چھوڑ کر ان کی قاتلوں کی قید میں جا رہی تھیں۔ ہاتھ رسیوں سے بندھے ہوئے۔ بدن ظالموں کے کوڑوں سے زخمی۔ آگے آگے بھائیوں اور بیٹوں کے سر نوک نیزہ پر۔ بے عماری و کجاوہ اونٹوں پر بیٹھی ہوئی۔ منہ چھپانے کو چادر نہیں۔ ظالم اس بات پر تلے ہوئے کہ جتنی زیادہ تکلیف ہو سکے وہ ان کو دیں بے عماری و کجاوہ اونٹوں کو اس تیزی سے چلاتے تھے کہ دو منزلیں ایک دن میں طے کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سی ماؤں کے چھوٹے چھوٹے بچے اونٹوں سے نیچے گر گئے۔ ماں چلائی کہ ہائے میرا بچہ گرا۔ ظالموں نے پرواہ نہ کی۔ آگے بڑھتے چلے گئے اور بچہ وہیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس طرح چالیس بچے گر گر کر مرے تھے۔ اور یہ چالیس قبریں کربلا اور دمشق کے راستہ پر بنی ہوئی ہیں۔ یہ تھا وہ اجر جو امت نے اپنے رسول کو ان کی رسالت کا دیا تھا۔

یہ تھا وہ اسلام جس کے وہ پیرو تھے اور یہ تھا اس درخت کا ثمر جو کارکنانِ سقیفہ بنی ساعدہ نے شام میں بنو امیہ کو حکومت دے کر لگایا تھا۔ ایسے مصائب کے حلقے میں پھنسی ہوئی ان قیدیوں میں سے چند مصیبت زدہ قیدیوں کا یہ بیان ہے۔

کس سے کہا۔ ان سے کہا جن کے یہ قیدی تھے۔ ان سے کہا کہ جو اس حالت میں ان پر ہر قسم کا ظلم کر سکتے تھے۔ ان سے کہا جو تختِ سلطنت پر بیٹھے ہوئے شرابِ غرور میں مخمور تھے۔ جو اس مسند پر بیٹھے ہوئے تھے جس مسند پر بیٹھ کر فرعون و نمرود نے کہا تھا کہ ہم خدا ہیں۔ ہم کو سجدہ کرو اور جن کے بندے باوجود ان سب ظلموں کے کہتے ہیں کہ یزید قتلِ حسینؑ میں حق بجانب تھا۔

کیا کہا۔ وہ کہا جو تفسیر ہے آیہ مبارکہ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ کی۔ بھرے دربار میں یزید کے منہ پر کہا کہ تو ظالم ہے۔ ناری ہے۔ میرے نانا کی آزاد کردہ کی اولاد ہے۔ جگر خوارہ کا پوتا ہے۔ نا اہل ہے۔ ہم ہادی ہیں تو غوی ہے۔ ہم نبی کی اولاد ہیں تو زانیوں کا نطفہ ہے۔ ہم اسلام مجسم ہیں تو کفر مجسم ہے۔ ہم خدا کے بندے ہیں تو شیطان کا بندہ ہے۔ عنقریب ہم اور تو ایک ایسے حاکم کے روبرو کھڑے ہوں گے جہاں میرے نانا مدعی ہوں گے۔ میری والدہ مستغیثہ ہوں گی۔ تجھ پر سوال کیا جائے گا۔ اور تو جواب نہ دے سکے گا۔ کیا تیرا یہ عدل ہے کہ نبی زادیاں دربارِ عام میں سر ننگی کھڑی ہوں۔ اور تیری لونڈیاں اور تیری عورتیں محل میں پردے میں ہوں۔ یزید کے محل میں جا کر پھر یہی کلام دہرایا گیا۔ اور بے خوف و خطر دہرایا گیا۔ یزید نے کہا کہ آپ جس قدر مال و زر اپنے بھائیوں اور عزیزوں کے خوں بہا میں لینا چاہیں میں دینے کو تیار ہوں۔ جواب ملا کہ قیامت کے دن رسولِ خدا کو یہ خوں بہا دینا۔ مجھے تیرے مال و زر کی حاجت نہیں۔

جناب زینب، ام کلثوم، فاطمہ بنت حسینؑ کے خطبے اور مرثیے ظاہر کرتے ہیں کہ ایمانِ کامل اور یقین واثق کیسا ہوتا ہے دیکھ رہی تھیں کہ ناحق کس طرح سر پر چڑھا ہوا ہے کتنی طاقت و زور اس میں ہے۔ حق کس طرح بظاہر مغلوب معلوم ہوتا ہے لیکن پھر بھی خدا کے عدل پر بھروسہ ہے۔ حشر و قیامت کا عین الیقین ہے۔ یہ تھی اہلبیتؑ کی شان۔

غرضکہ اس تبلیغ کا جو کربلا سے کوفہ و کوفہ سے دمشق تک راستوں پر، دمشق کے بازاروں میں یزید کے درباروں میں کی گئی یہ اثر ہوا کہ یک لخت شامیوں کا رویہ بدل گیا۔

یزید کے محل کے سامنے مظاہرے ہونے لگے کہ بتا آلِ رسولؐ کو کیوں قید کر رکھا ہے۔ ان کے عزیزوں کو کیوں قتل کیا ہے۔ یہ ظلم جو بندیانِ روم و دیلم پر بھی روا نہیں رکھا جاتا تو نے کیوں آلِ رسولؐ پر جائز سمجھا۔ بنو امیہ کی طاقت اس بڑھتی ہوئی بد دلی کو روک نہ سکی یزید کو خطرہ لاحق ہوگیا کہ آلِ رسولؐ کے دمشق میں رہنے سے حالت خطرناک ہوتی جائے گی لہذا بہت جلد اس نے اہلِ بیتِ رسالت کو عزت کے ساتھ مدینہ بھیجنے کا انتظام کر دیا جناب امام حسینؑ کی ایک صاحبزادی کا انتقال زندان میں ہوگیا۔ یزید کو ڈر ہوا کہ اگر جنازہ اٹھا تو سب اس مرحومہ کی مصیبت کو یاد کریں گے اور اہلبیتِ رسالت سے ان کی ہمدردی بڑھے گی لہذا جناب زین العابدینؑ سے کہلا بھیجا کہ جو کچھ چاہو کفن و دفن کا سامان مجھ سے لے لو۔ لیکن دیکھو جنازہ نہ اٹھانا۔ اس کو زندان ہی میں دفن کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ محبانِ یزید جو کہتے ہیں کہ یزید کو قتلِ حسینؑ سے رنج ہوا۔ چنانچہ اس نے اہلبیتِ رسالت کو کس عزت کے ساتھ بہت جلد روانہ کر دیا۔ ان کو چاہیے کہ غور کریں۔ یہ سب کچھ محبتِ حسینؑ کی وجہ سے نہ تھا بلکہ خوفِ سلطنت کی وجہ سے تھا۔ بہت جلد یزید کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کے مرض کی حالت و کیفیت نہیں بیان کی جاتی معلوم نہیں کس نے مارا کیونکر مارا۔ کیا ہوا نیست و نابود ہوگیا۔ بہت ممکن ہے کہ شامیوں نے اس ظلم کی پاداش میں مار ڈالا ہو۔ اور سیاستِ ملکی و عداوتِ قدیمی نے بنو امیہ کو اس کے افشا سے باز رکھا۔ بہرصورت جو اس کا نام لیتا ہے ملعون کہتا ہے۔ جہاں اب اس کی قبر بیان کی جاتی ہے وہاں اب لوگ پاخانہ پھرتے ہیں اور گدھے بندھتے ہیں۔ اور جو شخص ادھر سے گزرتا ہے ملامت کی کنکری ادھر مارتا جاتا ہے۔

جب حضرت زینب صلوات اللہ علیہا مدینہ میں تشریف لے آئیں اور وہاں قیام پذیر ہوئیں تو اکثر مجالسِ عزاء امام حسینؑ قائم فرماتی تھیں۔ خود بھی روتی تھیں اور دوسروں کو بین کر کے رلاتی تھیں۔ اور واقعاتِ کربلا یاد دلاتی تھیں۔ حکام کو کیونکر گوارا ہو سکتا تھا کہ نامِ حسینؑ اس طرح علانیہ لیا جائے۔ عمرو بن سعید الاشدق نے جو اس زمانے میں حاکمِ مدینہ تھا یزید کو لکھا کہ مدینہ میں جناب زینبؑ کی موجودگی لوگوں میں ہیجان پیدا کر رہی ہے۔ وہ بہت فصیحہ عاقلہ ہیں۔ اور انھوں نے اور ان کے ساتھیوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ حسین علیہ السلام کے قتل کا بدلہ لیں۔ جب یہ رقعہ یزید کو ملا تو اس نے حکم دیا کہ جناب زینب اور ان کے ساتھیوں کو

متفرق کردو اور مختلف ممالک میں بھیج دو۔ یہ خبر سُن کر جناب زینب نے مصر کو پسند کیا۔ دیگر اہلبیت علیہم السلام نے شام کے شہروں کو پسند کیا۔ ابن الاشدق نے ان کا انتظام کیا اور حضرت زینبؑ کے ہمراہ ان کی بھتیجیاں دختران حسینؑ سکینہ وفاطمہ بھی تھیں۔ یہ سب مصر کی طرف جلاوطن کر دیے گئے۔ حاکم مصر سلمہ بن مخلد انصاری اس قافلہ سے ایک گاؤں میں آکر ملا جو دمشق ومصر کے راستہ پر تھا بلبیس کے مشرق کی طرف غالباً یہ قریہ عباسیہ تھا جس کا نام عباسہ بنت احمد بن طولون والی مصر کے نام پر رکھا گیا۔ اول شعبان سنہ ۶۱ھ مطابق ۲۶ اپریل سنہ ۶۸۱ء کو یہ قافلہ مصر پہنچا تھا۔ والی مصر نے ان کو اپنے محل حمراء القصویٰ میں رکھا۔ مصر میں آپ کا قیام گیارہ مہینہ اور پندرہ دن رہا۔ شعبان سنہ ۶۱ھ سے رجب سنہ ۶۲ھ تک جناب سکینہ وجناب فاطمہ آپ کے ہمراہ تھیں۔ آپ کا انتقال روز یکشنبہ اتوار کی رات ۱۴ ماہ رجب کی تاریخ سنہ ۶۲ھ مطابق ۳۰ مارچ سنہ ۶۸۲ء کو ہوا۔ مورخین کہتے ہیں کہ اس جلاوطنی کا حکم ایسا سخت تھا کہ اہلبیت علیہم السلام میں سے سوائے امام زین العابدینؑ کے کوئی مدینہ میں باقی نہ رہا تھا۔

جناب سکینہ بنت الحسینؑ اور معروضہ مجالس رقص وسرود

چونکہ جناب فاطمہ علیہا السلام کے عزو وقار کو ان کی حقیقی پوتی کو بدنام کرکے گھٹانا دشمنانِ اہلبیتؑ کا مقصد تھا لہذا ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اختصار کے ساتھ اس کو بیان کریں اور اصل واقعہ کو ظاہر کریں۔

تواتر ودوام سے ہر ایک عمل عادت میں منتقل ہو جاتا ہے اور پھر وہ عادت طبیعت ثانیہ یا فطرت بن جاتی ہے۔ امت محمدؐ کی ایک جماعت میں آلِ محمدؐ سے عداوت تواتر ودوام کی وجہ سے عادت میں منتقل ہوئی اور پھر عادت سے فطرت میں داخل ہوگئی۔ معلوم نہیں کہ یہ عداوت کس منحوس ساعت سے شروع ہوئی تھی کہ موت بھی اس کو ختم نہ کر سکی۔ آلِ محمدؐ کی قبروں کو اُکھیڑنا، اُن پر ہل چلوانا، ان کے فضائل کا اخفا، ان کے نام تک سے عداوت، اُن کے دوست رکھنے والوں کو قتل کرنا، اُن کے گھروں کو منہدم کرنا۔ یہ رہے ہیں اُمتِ محمدؐ کی اکثریت کے مشاغل۔ اگر آج ہٹلر یا نپولین کے دشمن کوئی فوجی دستہ بھیجیں کہ اُن کی قبروں کو اُکھاڑ کر پھینک دیں اور اُن کی اولاد اور رشتہ داروں کو قتل کر دیں تو ساری دُنیا غُل مچائے گی کہ یہ کیا جنون ہے۔ لیکن آلِ محمدؐ کے ساتھ یہ سب کچھ ہوا اور اس سے بدتر ہوا

تب بھی اس مہذب دنیا کے مہذب مورخین اتنا بھی نہ سوچ سکے کہ جس قوم نے آلِ محمدؐ کے ساتھ یہ سب کچھ کیا وہ ان کی صحیح تاریخ کیا لکھے گی۔ اس نتیجہ پر پہنچنا تو درکنار اسی مہذب دنیا کے مہذب مورخین بہت خوشی سے جان بوجھ کر اس ظلم میں حصہ لیتے ہیں۔ اور ان غلط روایتوں کو اپنی طرف سے حاشیہ آرائی کرکے دنیا میں پھیلاتے ہیں۔ بظاہر تو یہ حماقت ہے کہ صحیح وغلط میں تمیز نہیں کر سکتے لیکن اس حماقت میں بھی ایک مقصد مخفی ہے۔ جس مذہب نے دنیا میں پھیل کر اس مہذب دنیا کی مسیحیت کو عریاں کیا اُس کے بانی اور بانی کے مددگار ورشتہ داروں کو بدنام کرنا یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اور جب محمدؐ کی امت خود ہی ان کا ہاتھ بٹا رہی ہے تو یہ کیوں نہ آگ کو اور ہوا دیں۔

جناب رسول خداؐ کے بعد جو مسلمانوں کی بظاہر انتخابی لیکن در اصل وراثتی حکومتیں (سیاست میں بھی وراثت ہوتی ہے) قائم ہوتی رہیں ان سب کا واحد نصب العین آل محمدؐ سے عداوت وانحراف تھا کیونکہ ان کا گمان تھا کہ اس عداوت ہی میں ان کی حیات ہے اور جب رعایا نے اپنی حکومت کا رخ دیکھا اور صریح احکام ملاحظہ کیے کہ آل محمدؐ کی عداوت اور اُن کو بُرا کہنے سے انعام واکرام ملتا ہے۔ اور تقرب شاہی حاصل ہوتا ہے تو انھوں نے بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے شروع کر دیے۔ حکام کو خوش کرنے کا یہ نہایت آسان طریقہ ہاتھ لگا۔ جہلاء تو شاہی درباروں میں جاکر بھانڈ بن گئے اور آلِ محمدؐ کی تنقیص میں نقلیں کرکے حکام کو خوش کرنے لگے۔ اور علماء نے آل محمدؐ کی تنقیص میں غلط احادیث وضع کرکے اپنا کام نکالا۔ ان کے علاوہ مورخین نے تو نہایت ٹھوس اور مستقل کام کیا۔ فضائل علیؑ اور آل علیؑ کا اخفاء تو ایک معمولی بات تھی۔ وہ وہ واقعات اپنے دماغ سے آلِ محمدؐ کی تنقیص کے لیے ایجاد کیے کہ شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔ ان میں سے ایک قصہ حضرت سکینہ بنت الحسینؑ کا ہے۔

جس لفاظی کے ساتھ اس قصہ کو لکھا گیا ہے اُس کا بیان دُہرانا مناسب نہیں۔ جو شخص ان خرافات ولغویات کو معلوم کرنا چاہتا ہے وہ مسٹر P. K. Hitti کی ہسٹری آف دی عرب کے صفحات دیکھ لے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں مجالس رقص وسرود قائم کرتی تھیں۔ اور سب کے سامنے آن کر خود اُن میں حصہ لیتی تھیں اور بہت ہی عامیانہ مذاق کرتی تھیں۔ بہت سے خاوند کیے تھے جن میں سے اُن کے خاندان کا دشمن

مصعب ابن زبیر بھی تھا۔ غرضکہ ایک ایسی عورت کی تصویر کھینچی ہے جس نے اس دنیا میں صرف عیش و عشرت ہی کو دیکھا تھا اور رنج و غم سے کبھی واسطہ ہی نہیں پڑا تھا۔ یہ سب کچھ مسٹر ہٹی نے کتاب الاغانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہیں کہیں ابن سعد اور ابن خلکان کے بھی حوالے دیے ہیں لیکن وہاں نہایت مختصر الفاظ ہیں اور انھوں نے بھی اسی کتاب الاغانی سے لیا ہے ابوالفرج مولف کتاب الاغانی سے پہلے یہ واقعہ کسی نے نہیں لکھا اور ابوالفرج نے اپنے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا۔ یہ ہے اس کاخِ بلند کی بنیاد۔

اب ہم کو دیکھنا ہے کہ یہ قصہ صحیح ہے یا محض کتاب الاغانی کی اور کہانیوں کی طرح یہ ایک کہانی ہے۔ اس جانچ کے دو طریقے ہیں۔ معقول اور منقول۔ یعنی کیا یہ روایت خلافِ عقل تو نہیں ہے اور کیا یہ روایت ایسے معتبر ذرائع سے آئی ہے کہ اس کی صحت میں انکار نہیں ہو سکتا۔

معقول کی طرف جائیں تو امورِ ذیل کو مدِ نظر رکھنا ہوگا:۔

۱۔ حضرت سکینہ کی طفلی اور جوانی کی تربیت کیسی تھی۔
۲۔ پہلی زندگی کس ماحول میں گزری تھی۔
۳۔ والدین کیسے تھے اور ورثہ میں کیسے خصائل ملے تھے۔
۴۔ خاندانی روایات کیسی تھیں۔
۵۔ جس وقت کے یہ واقعات بیان کیے جاتے ہیں اُس وقت آپ کے کون کون سے قریبی رشتہ دار موجود تھے۔
۶۔ یہ واقعات خلافِ شریعتِ اسلام ہیں یا نہیں۔
۷۔ اگر خلافِ شریعت ہیں تو کیا سردارِ خاندان پر شریعتِ اسلامی یہ فرض عائد نہیں کرتی کہ اپنے خاندان کے افراد کو جو اس کے ماتحت ہیں خلافِ شریعت راستہ پر جانے سے روکے۔
۸۔ جنابِ سکینہ کا سردارِ خاندان کون تھا اور کیسا تھا۔
۹۔ اس نے جنابِ سکینہ کو اس طرزِ زندگی سے روکا یا نہیں۔
۱۰۔ اگر روکا تو جنابِ سکینہ کیوں نہ باز آئیں۔
۱۱۔ اگر انھوں نے اس خلافِ شریعت زندگی پر اصرار کیا تو سردارِ خاندان نے

ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔
۱۲۔ جنابِ سکینہ کے سابقہ تجرباتِ زندگی کیا تھے۔ دنیا نے اپنا کون سا رُخ جنابِ سکینہ کے سامنے پیش کیا تھا۔ کیا وہ تجربات ایسے تھے کہ ان کے بعد بھی کسی انسان کے دل میں اس دنیا کی زندگی کی کچھ وقعت رہ جاتی ہے۔ کیا وہ دنیا کو اور اس کی زندگی کو ہیچ نہیں سمجھنے لگتا۔

جب ہم منقول کی طرف جائیں گے تو ہم کو مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب دینا ہوگا:۔

۱۔ سب سے پہلے یہ روایت کب "مارکٹ" میں آئی یعنی بیان کی گئی۔
۲۔ اتنے عرصہ تک کیوں نہ کسی نے بیان کیا۔
۳۔ سب سے پہلے کس مورخ نے یہ قصہ نقل کیا ہے۔
۴۔ اس قصہ کا پہلا نقل کرنے والا مورخ تھا یا مغنی یا داستان گو۔
۵۔ وہ شخص کس فریق کا تھا۔ کیا اس روایت کے تحریر کرنے میں اس کی کوئی ذاتی غرض تھی۔
۶۔ اگر مورخ تھا تو کیا وہ معتبر تھا، اس کا ماخذ کیا تھا۔
۷۔ کیا آلِ علیؑ کے کسی ہمعصر دشمن نے (اور ان دشمنوں کی کمی نہ تھی) علویین کو حضرت سکینہ کے طرزِ عمل کا طعنہ دیا۔ اس زمانہ میں ایسا سب و شتم عام تھا۔

اب ہم ان امور پر ذرا تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں۔ پہلے معقول کو لیتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ قصہ لہو و لعب بالکل خلافِ عقل ہے۔

تربیت و تجرباتِ سابقہ، خاندان و خاندانی روایات

علم نفسیات کے جاننے والے اور وہ لوگ جن کو غور و فکر کرنے کی عادت ہے جانتے ہیں کہ کسی شخص کے خصائل و فطرت کے بنانے میں بہت سے عناصر کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اُس کے بنانے میں اُس کے والدین کی عمر صرف ہو چکی ہوتی ہے۔ سابقہ تجربات اور اس کا ماحول بھی اُس کے بنانے میں پورا اثر رکھتے ہیں اور سب سے زیادہ انسان کے کردار و فطرت کے بنانے میں توارثِ خصائلِ آبائی کا حصہ ہوتا ہے۔ یہ کبھی کبھی دیکھا گیا ہے کہ نیک والدین کا بچہ بدمعاش نکل آتا ہے اور اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو ماحول و تربیت کا اثر۔ دوسرے

ممکن ہے کہ وہ بدمعاشی دور کے آباواجداد سے ورثہ میں پائی ہو۔ دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ سے اور ان ہی وجوہات سے کبھی بدمعاشوں کے یہاں نیک بچے پیدا ہوجاتے ہیں۔ جناب سکینہ کے والد امام حسینؑ، دادا حضرت علی، پردادا ابوطالب ابن عبدالمطلب اور اُن کی دادی فاطمہ بنت رسول اللہ تھیں۔ عبدالمطلب جناب رسول خدا کے دادا تھے۔ جناب سکینہ والدہ حضرت رباب وفا مجسم تھیں جنھوں نے امام حسین کے بعد دوسری شادی نہ کی، کبھی سایہ میں نہ بیٹھیں، کیونکہ انھوں نے امام حسین علیہ السلام کو بے گور و کفن آسمان کے نیچے دیکھا تھا اور اُن کی قبر کی جاروب کشی ہی میں ساری عمر گزار دی۔ کیا ایسی ماں اور ایسے باپ دادا کی بیٹی وہ سکینہ ہوسکتی ہے جس کا نقشہ ابوالفرج اموی نے اپنی راگنیوں کی کتاب میں کھینچا ہے۔

انسان کی ساری زندگی کا طرز اور نقشہ اُس کی فطرت کے اوپر مبنی ہوتا ہے۔ انسان پر کیا منحصر ہے ہر حیوان کی زندگی اور قیمت اُس کی فطرت پر مبنی ہوتی ہے۔ بیجان اشیاء کی بھی یہی حالت ہے۔ اگر گھوڑا سواری نہ دے، گائے دودھ نہ دے، اور زر و جواہرات میں وہ خاصیتیں نہ ہوں جو اُن میں ہیں تو اُن کی قدر و قیمت کچھ بھی نہیں۔ انسان کی قدر و منزلت بھی اُس کی فطرت پر مبنی ہوتی ہے۔ اور یہ امر واقعہ ہے کہ انسان کی شروع کی فطرت تا زندگی اُس کا ساتھ نہیں چھوڑتی بلکہ مرنے کے بعد بھی اعمال کی صورت میں اُس کے ساتھ رہتی ہے۔ اس بات پر حکماء قدیم و حال زور دیتے آئے ہیں۔ اور قصوں کی صورت میں ذہن نشین کراتے رہے ہیں۔ مثلاً جادو کے زور سے بلی سے بنی ہوئی عورت نے عادت نہ چھوڑی اور فقیرنی ملکہ بننے کے بعد بھی گداگری کی شائق رہی۔ روزانہ زندگی میں دیکھو کوئی شخص حیادار، کوئی بے حیا، کوئی مغلوب الغضب، کسی کو غصہ ہی نہیں آتا کوئی بہادر اور دلیر ہوتا ہے۔ کوئی اپنے سایہ ہی سے ڈر جاتا ہے وغیرہ وغیرہ اور یہ خصائل عمر بھر تک ان لوگوں کا ساتھ نہیں چھوڑتے کسی خاص موقع پر نہایت تکلف اور مجبوری کے عالم میں اس عادت کے خلاف مشکل سے ارادہ کرکے کام کر بھی لیا تو پھر وہی پرانی فطرت غالب آجاتی ہے۔ یہ فطرت کس طرح بنتی ہے اس پر حکماء مبصرین اور ماہرین نفسیات نے بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ تخلیق و تکوین فطرت کے صرف دو باعث ہیں ایک توارث خصائل اور دوسرے بچپن کا ماحول۔ یہ ابتدائی زمانہ

پیدائش سے شروع ہوکر ابتدائے بلوغ تک رہتا ہے۔

توارث خصائل کے نظائر روزانہ ہماری نظر سے گزرتے رہے ہیں۔ دیکھو اچھی نسل کے گھوڑوں، مرغوں، کبوتروں اور کتوں کی قدر و قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ پیشہ ور لوگوں کے بچوں کی عادتیں اور خصائل ہی کچھ اور ہوتی ہیں۔ اسی قانونِ قدرت کو مد نظر رکھ کر افلاطون نے جب آبادی کو مختلف صورتوں میں تقسیم کیا تو ایک جماعت حکمرانوں کی رکھی۔ ان کے رشتے آپس میں ہوتے تھے تعلیم و تربیت ان کے لیے بالکل علیحدہ تھی۔ اُس نے قاعدہ مقرر کیا کہ ملک کے لیے بادشاہ محض اس جماعت میں سے لینا چاہیے۔ امت پر یہ امر واضح کرنے کے لیے جناب رسول خدا نے فرمایا کہ میرا اور علی کا نور ایک ہی تھا اور وہ ارحام طاہرہ اور اصلاب پاکیزہ میں سے ہوتا ہوا آیا ہے۔ عربوں کے رجز بھی اپنے قبیلہ اور اسلاف کے کارناموں پر مشتمل ہوا کرتے تھے۔

جناب سکینہ کی تربیت میں واقعات کربلا کا بہت حصہ تھا یہ وہی سکینہ بیان کی جاتی ہیں جنھوں نے اپنے سارے گھر کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا۔ پیارے باپ کا لاشہ میدان میں پڑا ہوا دیکھا اور دیکھ کر حلقوم بریدہ سے چمٹ گئیں اور اُس وقت تک جدا نہ ہوئیں جب تک شمر نے طمانچہ مار کر جُدا نہ کیا۔ بھائیوں کے لاشے دیکھے اپنے تئیں مجبور و یتیم اور لاوارث دشمنوں کی فوج میں گھرا ہوا پایا۔ دمشق کے تنگ و تاریک قید خانہ میں رہیں۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ وہیں رحلت فرمائی۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ واپس آئیں تو اپنے بھائی، اپنی والدہ اور اپنی پھوپھی کو حسینؑ کے غم میں ہمیشہ روتے ہوئے دیکھا۔ یہ سکینہ اس لہو و لعب میں مصروف ہوجائیں جس کا ذکر ابوالفرج اموی نے کیا ہے۔ ایسے تلخ تجربات کے بعد اور وہ بھی بچپن کی عمر کے تجربات کے بعد جب ہر ایک واقعہ اپنا گہرا اثر چھوڑتا ہے معمولی آدمی کو دنیا سے نفرت ہوجاتی ہے، اور جناب سکینہ تو اس خاندان کی فرد تھیں جہاں ہمیشہ یہ سبق دیا جاتا تھا الدنیا جیفۃٌ وطالبہا کلاب۔ کیا یہ تجربات اور واقعات دنیا کی اصلی حقیقت کو عریاں کرکے نہ دکھاتے یہ تو مسلمانوں کو یقین آجاتا ہے کہ صرف عام واقعات موت و مرض ضعیفی دیکھ کر گوتم بدھ نے اپنی سلطنت چھوڑ دی۔ لیکن وہی مسلمان یہ یقین نہیں کرسکتے کہ خود ان تجربات و مصائب میں سے گزر کر جناب سکینہ نے دنیا چھوڑ دی۔

ان افعال کا خلافِ شریعت ہونا تو ظاہر ہے ۔ یوں ہی لہو ولعب ممنوع ہے رقص وسرود، عورت کا مردوں میں بے حجاب ہو کر آنا اور ان سے ہنسی مذاق کرنا، خاوند کا نافرمان ہونا ۔ طلاق لینا ۔ بار بار خاوند کرنا ۔ اپنے خاندان کے دشمن سے نکاح کرنا، اپنے تئیں سجا کر غیر مردوں کو دکھانا یہ سب امور خلافِ شریعت اور موجب توہین خاندان ہیں ۔

خاندان کے سردار جناب علی ابن الحسین زین العابدینؑ تھے جو پینتیس[35] سال تک متواتر امام حسینؑ کو روتے رہے ۔ پانی سامنے آتا تھا تو بے اختیار رونے لگتے تھے ۔ کلہ گوسفند کھانا چھوڑ دیا تھا ۔ خدا کی عبادت اتنا کرتے تھے کہ زین العابدین کہلائے ۔ ہر وقت گھر میں مجالس عزا قائم رہتی تھیں ۔ جناب سکینہ بہت چھوٹی بہن تھیں ۔ کیا ممکن ہے کہ امام زین العابدین نے اپنے باپ دادا کے نام کو اس طرح بدنام اور ان کے کام کو اس طرح برباد ہوتے ہوئے دیکھا اور خاموش رہے جس کے باپ نے اس رقص وسرود خلافِ شریعت امور ہی کی وجہ سے تو یزید کی بیعت نہ کی ۔ اس کی لڑکی ان ہی افعالِ ناشائستہ کی مرتکب ہو اور اس کا بڑا بھائی جو امام وقت بھی ہے منع نہ کرے ہر ایک شخص شریعت کے اس حکم سے واقف ہے کہ سردارِ خاندان کا فرض ہے کہ اپنے خاندان کے افراد کی مطابق شریعت تربیت کرے اور اگر وہ ادھر اُدھر بھٹکیں تو انھیں سیدھا کر دے ورنہ ان کے گناہوں کا بوجھ اس سردارِ خاندان کے اوپر بھی ہوگا ۔ یہ سب جانتے ہوئے جنابِ امام زین العابدین خاموش رہتے کچھ عقل سے بھی تو کام لینا چاہیے ۔

اب ہم منقول کی طرف رخ کرتے ہیں :-

اسنادِ روایت، نوعِ روایت اور راقم روایت

ابو الفرج نے اس روایت کے راویوں کے نام لکھنے میں کچھ اہتمام نہیں کیا اور نہ اس کتاب کے لیے اس کی ضرورت تھی ۔ اس نے تو جو گپ اور افواہ سنی وہ اس راگ کی کتاب میں لکھ دی ۔ اس کتاب کا موضوع تو راگ تھا نہ کہ تاریخ ۔ اس کی تصنیف وتالیف کا طریقہ یہ تھا کہ بغداد کے بازاروں میں چلا جاتا تھا اور وہاں کتب فروشوں کی دوکان پر جا کر گھنٹوں بیٹھا رہتا تھا ۔ لوگوں سے جو افواہ اور گپ سنتا تھا وہ اپنی کتاب میں درج کر لیتا تھا ۔ حضرت سکینہ کے زمانہ میں کئی سکینہ تھیں

کوئی سکینہ ایسی بھی ہوگی جس کا ماجرا مبالغہ آمیز الفاظ میں ابو الفرج نے کسی گپ میں سن لیا ۔

اس تحقیق میں یہ امر بہت اہم ہے کہ ابو الفرج سے پہلے کسی مصنف، مؤرخ یا مولف سیرۃ نے یہ روایت نہیں لکھی ۔ ابو الفرج ۲۸۴ھ ہجری میں پیدا ہوا تھا تیس برس کی عمر تھی کہ کتاب الاغانی لکھنی شروع کی ۔ گویا چوتھی صدی ہجری کی کتاب ہے ۔ جناب سکینہ پہلی صدی ہجری میں تھیں ۔ دوسری صدی ہجری کے شروع میں تو بڑی عمر پا کر انتقال ہی ہو گیا ۔ یہ مفروضہ واقعاتِ رقص وسرود دو صد برس کے بعد اس اگنی کی کتاب میں لکھے جاتے ہیں اتنے عرصہ تک راویوں نے یہ روایت اپنے دماغ میں کس طرح محفوظ رکھی ۔ اس سے پہلے کسی راوی نے منہ سے نہ نکالا ۔ اور اب جبکہ ایک اموی اپنی قصہ وکہانیوں کی کتاب لکھنے لگا تو اس کو بتا دیا ۔ ابو الفرج سے پہلے بہت سی تاریخ وسیر کی کتابیں لکھی جا چکی تھیں ۔ مولوی شبلی نے جو مورخین وسیرۃ نگاروں کی فہرست مرتب کی ہے اس کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب الاغانی سے پہلے ۱۳ کتابیں سیرۃ پر لکھی جا چکی تھیں ۔ اُن میں امام زہری، امام بخاری، ترمذی، عبدالرزاق بن ہمام جیسے نام بھی ہیں ۔ دیکھو شبلی کی سیرۃ النبی تقطیع کلاں جلد اول حصہ اول ص۲ ۔ امام زہری جناب سکینہ کے ہمعصر تھے ۔ ان کا انتقال ۱۲۴ھ ہجری میں جناب سکینہ کے سات سال بعد ہوا بیان کیا جاتا ہے ۔ ان میں سے کسی نے جناب سکینہ کے حالات نہ لکھے ۔ ان کے مضمون سے یہ تعلق تھا کیونکہ اگر جناب سکینہ کا یہ طرزِ عمل تھا تو وہ ضرور اپنی کتابوں میں لکھتے کہ شہید کربلا کی بیٹی اور خاندانِ رسالت کے ایک فرد کا یہ رویّہ تھا ۔ ہم پوچھتے ہیں کہ ایک گویا ہی کیوں تنہا اس کا لکھنے والا ہوا ۔ مورخ طبری اس گویّے ابو الفرج کا ہمعصر تھا اس نے یہ واقعہ نہ لکھا ۔ ابن الاثیر نے اپنی الکامل میں نہیں لکھا ۔ تاریخ مسعودی اور تاریخ ابی الفدا میں بھی اس کا ذکر نہیں ۔ ابن الاثیر نے الکامل میں ۱۱۷ھ ہجری کے واقعات میں سکینہ بنت حسینؑ کی وفات لکھی ہے لیکن اس مفروضہ واقعات میں سے ایک بھی نہیں لکھا ۔

تنقید راویان اور صحت روایت کی جو شرائط مقرر ہیں اُن کے معیار پر بھی روایت پوری نہیں اُترتی ۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں :-

" اس (فن سیرۃ نگاری) کا پہلا اصول یہ ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے

اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا۔ اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام راویوں کا نام بہ ترتیب بتایا جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کیا جائے کہ جو شخص سلسلہ روایت میں آئے کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ کیا مشاغل تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی۔ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے یا دقیقہ بین۔ عالم تھے یا جاہل تھے؟" (سیرۃ النبی جلد اول حصہ اول صہ۲۸)

آگے چل کر علامہ موصوف لکھتے ہیں:۔

"حسب ذیل صورتوں میں روایت اعتبار کے قابل نہ ہوگی اور اس کے متعلق اس تحقیق کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا نہیں:۔

۱۔ جو روایت عقل کے خلاف ہو۔

۸۔ جو راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہے کہ کسی اور نے نہیں کی اور یہ راوی اس شخص سے نہیں ملا۔

۹۔ جو روایت ایسی ہو کہ تمام لوگوں کو اس سے واقف ہونے کی ضرورت ہو اور باایں ہمہ ایک راوی کے سوا کسی اور نے اس کی روایت نہ کی ہو۔

۱۰۔ جس روایت میں ایسا قابل اعتنا واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو سیکڑوں آدمی اس کو روایت کرتے باوجود اس کے صرف ایک ہی راوی نے اس کی روایت کی ہو۔" صہ۳۳

ان اصول و قواعد کے بموجب یہ روایت مطلقاً قابل قبول نہیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس قصۂ عجوبہ کے خالق اہرمانی ابو الفرج اصفہانی کیسے بزرگ تھے۔ ان کا نام علی بن الحسین تھا اور مروان ابن الحکم دشمن رسول کے براہ راست اولاد میں تھے۔ ان کے آبا و اجداد اس مروانی حکومت کے ہمراہ چکے تھے جس کا پہلا اصول سیاست عداوت علی ابن ابی طالب تھی۔ ابو الفرج کو بنو امیہ کی روایات اور عرب جاہلیت کے اشعار سے بڑا شغف تھا۔ سلاطین بنی امیہ سے بہت لگاؤ تھا۔ چنانچہ اندلس کے اموی حکمرانوں سے اس کی خط و کتابت بہت رہتی تھی۔ اور اُن کے احکام کی تعمیل کرتا تھا اُن کے لیے کتابیں لکھ کر خفیہ طور سے اُن کے پاس بھیجتا تھا۔

اور وہاں سے انعام و اکرام بھی اسی طرح چھپ کر آتا تھا۔ یہ کتاب الاغانی خاص طور سے حکمرانان اندلس کے حکم سے لکھی گئی تھی۔ اور سب سے پہلے اُن کے پاس چھپا کر بھیجی گئی تھی۔ اور وہاں سے اس کے صلہ میں زر خطیر آیا تھا۔

حکام سے تقرب حاصل کرنا اس کی زندگی کا مقصد تھا۔ اس کی زندگی کذب و زور سے معمور تھی۔ پہلے رکن الدولہ ابن بویہ شیعی سے اپنے تئیں شیعہ ظاہر کر کے تعلقات پیدا کیے اور فائدے حاصل کیے۔ لیکن جب اُس نے ابو الفضل بن عمید کو اپنا وزیر مقرر کیا تو ابو الفرج کو اُس سے حسد پیدا ہوا اور اُس کی ہجو لکھنی شروع کر دی۔ اتنے میں رکن الدولہ مر گیا اور اس کا جانشین معز الدولہ ہوا اور اُس نے اپنا وزیر ابو محمد حسن بن محمد مہلبی کو مقرر کر دیا۔ یہ شیعہ نہ تھا۔ اپنے تئیں سنی ظاہر کر کے اس وزیر سے بہت گہرے تعلقات پیدا کر لئے۔ دراصل ابو الفرج سنی ہی تھا جیسا کہ ہم ابھی ظاہر کرتے ہیں سنی علما کی محفل میں ابو الفرج نے گہرے تعلقات پیدا کر لئے۔ انکو قصے کہانیاں سنا کر خوش کر دیتا تھا۔ وزیر مہلبی کی اس مجلس سے ابو الفرج کی شہرت ہوئی اور اُس کی فراخ دلی اور سخاوت سے ابو الفرج کے اسباب عیش و عشرت میں بہت اضافہ ہوا اور اس وزیر کی خوشامد میں اُس نے نسب المہالبہ اور مناجیب الخصیان کتابیں لکھیں اور اُس کی مدح و ثنا میں بہت قصائد لکھے لیکن ساتھ ہی اُس کی ہجو بھی خوب لکھی۔ وہ ہجو نہایت غلیظ تھی۔

یہ نہایت گندی طبیعت کا آدمی تھا۔ اس نے ایک بلی پالی ہوئی تھی۔ اس کو درد قولنج ہوا۔ ایک دن ابو الفرج کے دوست ابو اسحاق الصابی، ابو العلا صاعد اور ابو علی الدینا ری اس سے ملنے آئے۔ دق الباب کیا۔ ابو الفرج بہت دیر میں آیا۔ اس کے ہاتھ غلاظت میں بھرے ہوئے تھے لیکن وہ سمجھے کہ یہ سالن ہے اور اس سے معذرت کی کہ ہم نے تمھیں ایسے وقت تکلیف دی کہ جب کھانا کھا رہے تھے۔ اُس نے کہا کہ نہیں میں کھانا نہیں کھا رہا تھا بلکہ میری بلی بیمار تھی۔ میں نے اُس کے حقنہ کیا تھا یہ اُس کی غلاظت ہے۔ یہ سُن کر اُن کو ابو الفرج سے اتنی نفرت ہوئی کہ وہ اُسی وقت واپس چلے گئے اور پھر اس سے کلام کرنا چھوڑ دیا۔

ابو الفرج اپنی جوانی کے ایام میں شراب و زنا کا بہت عادی تھا۔

یہ سب امور ہم نے اس وجہ سے لکھے ہیں کہ اُس کے اخلاق و مذاق کا اندازہ ہو جائے

ایسا شخص سچ اور جھوٹ کی پرواہ نہیں کرتا ۔

ابو الفرج کے مذہب کا ذکر ضروری ہے ۔ مورخین نے اس کو شیعہ زیدی لکھا ہے ۔ لیکن اُس زمانہ میں شیعہ اُس کو کہتے تھے جس کو آج کل اہل سنت وجماعت کہتے ہیں ۔ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ ہجری فتح الباری شرح صحیح بخاری کے مقدمہ میں لکھتے ہیں جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے :-

"تشیع صرف یہ ہے کہ علی سے محبت کریں ۔ اور ماسوائے حضرت شیخین کے دیگر صحابہ پر ان کو ترجیح دیں ۔ غالی شیعہ وہ ہے جو حضرت علی کو شیخین پر بھی فضیلت دیتا ہے ۔ اُس کو رافضی بھی کہتے ہیں ۔ اور اگر شیخین پر فضیلت نہ دے تو وہ محض شیعہ ہے ۔ اگر کوئی شیخین پر لعن بھی کرے اور اُن سے دشمنی رکھے تو وہ غالی رافضی ہے ۔ اور اگر اس کے ساتھ وہ رجعت امام کا بھی قائل ہے تو وہ غلو رفض میں بھی شدت کرتا ہے ۔"

نتیجہ نکلا کہ ابو الفرج محض علی سے محبت رکھتا تھا ۔ لیکن شیخین کو حضرت پر ترجیح دیتا تھا اور اُن کی خلافت کے جواز کا قائل تھا ۔ رجعتِ امام کو نہیں مانتا تھا ۔ یہ ہی مذہب زیدیوں کا ہے ۔

اکثر علماء اس کی تضعیف کرتے ہیں ۔ حافظ ابو نعیم اصفہانی حلیۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ یہ اپنی کتاب میں بازاری گپیں لکھتا تھا ۔

علامہ محمد بن حسن بن الحسین نوبختی کہتے ہیں کہ ابو الفرج کذاب تھا ۔ علامہ حلی نے خلاصۃ الاحوال میں اس کو ضعفاء میں شمار کیا ہے ۔ علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ نے وغیرہ میں اس کی تضعیف کی ہے ۔ ابن داؤد علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب رجال میں اس کو بہت ضعیف لکھا ہے اور اس پر لعنت کی ہے ۔

ابو الفرج اصفہانی کے واقعات مندرجہ ذیل کتب سے لیے گئے ہیں :-

۱ ۔ تاریخ بغداد خطیب بغدادی الجزء الحادی عشر ص ۳۹۸
۲ ۔ مراۃ الجنان یافعی الجزء الثانی ص ۳۵۹
۳ ۔ مقاتل الطالبیین مطبوعہ مصر کا مقدمہ محررہ سید احمد صقر ۔
۴ ۔ تاریخ الکامل لابن الاثیر الجزء الثامن ص ۲۴۲

۵ ۔ وفیات الاعیان ابن خلکان مطبوعہ مصر الجزء الاول ص ۳۳۵

کچھ مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ جناب سکینہ اپنی پھوپھی زینب کے ہمراہ مصر تشریف لے آئیں ۔ اور جناب زینب کے انتقال کے بعد ان کے ہی مزار پر مجاورین کر رہیں ۔ اور آخر کار مصر ہی میں وفات پائی ۔ دیکھو السیدہ زینب واخبار الزینبیات مولفہ عبیدلی امیر مدینہ ابن امیر مدینہ متوفی ۲۷۷ھ ص ۵۹ ۔ فاضل مولف لکھتے ہیں کہ اگرچہ یہ مشہور ہے کہ جناب سکینہ بنت الحسین نے مدینہ میں وفات پائی لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ مصر میں رہیں اور وہیں وفات پائی ۔ انھوں نے اپنی تحقیق کی سند میں بہت سی کتب تواریخ کے نام لکھے ہیں ۔ جناب زینب اسی مکان میں دفن کر دی گئیں کہ جہاں رہتی تھیں ۔ اور اُن کے بعد جناب سکینہ اور فاطمہ بھی اسی مکان میں رہتی رہیں تا آنکہ وفات پائی ۔ گویا انھوں نے اپنی پھوپھی زینب کی قبر کو نہیں چھوڑا ۔

حضرت ام کلثومؑ :- ان کے حالات حضرت زینبؑ کے حالات سے وابستہ ہیں اپنی بڑی بہن کی موجودگی کی وجہ سے آپ اکثر خاموش رہیں ، لیکن جب آپ نے تقریر کی ہے یا مرثیہ کہا ہے وہ حضرت زینبؑ کے خطبوں اور مرثیوں سے کم نہ تھے ۔ حضرت ام کلثومؑ کا مرثیہ مدینہ کے پہنچنے کے وقت کا اپنی تاثیر و فصاحت میں نظیر نہیں رکھتا ۔ ان کی تقریریں اور مرثیہ ہم حضرت زینبؑ کے حالات میں درج کر چکے ہیں ۔

یہ قطعاً غلط ہے کہ ان ام کلثوم کا عقد حضرت عمر سے ہوا تھا ۔ اس مضمون پر بہترین کتاب جو میری نظر سے گزری ہے وہ "کنز مکتوم فی حل عقد ام کلثوم" مولفہ جناب مولوی حکیم سید علی اظہر صاحب اعلی اللہ مقامہ ہے ۔ یہ بزرگوار خدا ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے جناب مولانا مولوی علی حیدر صاحب ظلہ العالی کے والد اور بانی "اصلاح" تھے ۔

یہ تھی اولاد فاطمہ جس نے اسلام کو اسلام بنا دیا ۔ امت مانے یا نہ مانے ، یہ امر واقعہ ہے کہ اگر حضرت فاطمہ ، ان کے شوہر اور ان کے بچے اس ابتلائے عظیم میں کہ جس میں سے خداوند تعالیٰ نے انھیں گزارا تھا ، کہیں بھی لغزش کر جاتے تو پھر اسلام نہ رہتا ۔ جناب رسول خداؐ کے زمانے میں کفر ادھ موا ہو گیا تھا ۔ بالکل نہیں مرا تھا ۔ اس سانپ کا سر زخمی ہو گیا تھا پورا کچلا نہیں گیا تھا ۔ کفر کی وہ ساری طاقتیں جو رسالت کے رعب اور امامت کے زور سے دب گئی تھیں اس بات کی منتظر تھیں کہ کب جناب رسول خدا کی آنکھ بند ہو اور

ہم از سرِ نو دوسرے طریقے سے جو وقت اور حالات کے متقاضی تھا اسلام پر حملہ کریں۔ دشمن کی صورت میں اب حملہ کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔ دوست بن کر حملہ کرنا باقی تھا۔ یہ زیادہ موثر تھا۔ اور بہت حد تک کامیاب ہو گیا۔ اس کی مکمل فتح ہو جاتی اور اسلام دنیا سے مٹ جاتا۔ اگر یہ بزرگوار موقع پر اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے۔ کفر نے اس طرح اسلام کا لباس پہن لیا تھا کہ ان بزرگواروں کی ساری جد و جہد محض اس کو عریاں کرنے میں صرف ہوئی۔ اور جب وہ عریاں ہو گیا تو لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ اسلام کدھر ہے۔

باب بست و یکم

جناب فاطمۃ الزہراؑ کے زمانے کی دُنیا

جناب فاطمۃ الزہراؑ کی تاریخ پیدائش ۶۱۱ء یا ۶۱۵ء ہے اور تاریخ وفات ۲۶ راگست ۶۳۲ء ہے۔ یہ کل ۲۱ سال ہوئے۔ ہم دیکھیں کہ آپ کے معاصر کون کون سے لوگ و سلطنتیں تھیں۔ ۲۱ سال کا عرصہ ہی کیا ہوتا ہے اور اس کو زمانہ ہی کیا کہہ سکتے ہیں۔ اور آپ کا زمانہ تو جناب رسول خدا ہی کا زمانہ تھا۔ انشاء اللہ آں حضرتؐ کی سوانح عمری میں ہم اس دنیا کا نقشہ کھینچیں گے۔ جو آں حضرتؐ کے زمانے میں تھی۔ اور جس کو آں حضرتؐ نے فقط ایک کلمۂ توحید کے ذریعہ سے بدل دیا۔ اس جگہ تو ہم اختصار کے ساتھ اس زمانے کا تعارف ناظرین سے کراتے ہیں۔

اس زمانے میں مہذب دنیا صرف دو سلطنتوں میں منقسم تھی۔ رومن امپائر اور پرشین امپائر یعنی سلطنت روم و سلطنت ایران۔ ان دونوں کا جوانی کا زمانہ گزر چکا تھا۔ اور جو کچھ طاقت باقی تھی اس کو بھی آپس کی زور آزمائی ختم کر رہی تھی۔ پرانا نظام اپنی زندگی پوری کر چکا تھا۔ دنیا ایک نئے نظام کی منتظر تھی۔ دنیا کو وہ نیا نظام جناب رسول خدا نے دیا اور ایسا نظام دیا کہ اس سے بہتر نظام ناممکن تھا۔ دنیا سمجھنے لگی تھی کہ وہ نیا نظام ہمیشہ قائم رہے گا دنیا کی زندگی فقط دو طاقتوں کی کشمکش کا نام ہے۔ ایک صدق دوسری کذب۔ مذہب کی زبان میں توحید و کفر کہہ دو۔ خیر و شر کہہ دو یا یزدان و اہرمن کہہ دو۔ سیاسی زبان میں ظلم و انصاف کہہ دو۔ امر واقعہ صرف اتنا ہی ہے کہ ایک طرف صدق ہوتا ہے دوسری طرف اس کے برعکس کذب۔ بہترین نظام وہ ہو گا جس میں محض صدق ہو

اور کفر کی آمیزش نہ ہو۔ اشیا اور افراد کی قیمتوں میں، ان کے اندازہ میں بالکل صحیح توازن رہے جب اور جس قدر اس میں کفر کی آمیزش ہو گی اسی وقت اور اسی قدر وہ خراب ہو جائے گا۔ دنیا کو خیال ہو چلا تھا اور وہ خیال واقعیت پر مبنی تھا کہ اسلام ایسا نظام قائم کرے گا جس میں کذب کی آمیزش نہ ہو گی۔ لہذا وہ بہترین اور مستقل ہو گا۔ جناب رسول خدا نے اپنے زمانے میں جو نظام قائم کیا تھا وہ اگر مستقل ہو جاتا تو بہترین تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ جناب رسول خداؐ کے فوراً بعد ہی جیسا کہ خود آں حضرتؐ نے تصور فرمایا تھا۔ اور اس کا اظہار بھی کیا تھا (ہر ایک حدیث کی کتاب میں کتاب الفتن دیکھ لو) اس نظام میں بہت سرعت کے ساتھ کذب کی آمیزش ہو گئی جس کو خلافت راشدہ کہتے ہیں۔ اس کی یہ حالت تھی کہ کوئی خلیفہ اپنی موت نہیں مرا۔ ہر ایک کو قتل کیا گیا۔ حضرت ابو بکر کو بھی زہر دیا گیا تھا۔ آں حضرتؐ کے انتقال پر دو جماعتیں ہو گئیں۔ ان میں سے ایک نے حکومت جبراً سنبھال لی۔ ہم جبراً اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں حاکم کے تعین کرنے میں قرآنی حکم وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ پر عمل نہیں کیا گیا۔ اس جماعت کی حکومت میں جو واقعات ہوئے اور دخترِ رسولؐ کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ آخر کار وہ حالات پیدا ہو گئے کہ دخترِ رسولؐ یہ کہتی ہوئی دنیا سے سدھاریں کہ میں تمہاری شکایت خدا اور اس کے رسولؐ سے کروں گی۔ اور آخر وقت تک ان لوگوں کو جنازے پر نہ آنے دیا۔ اس نظام کو ہم کیونکر صحیح اور صدق سے مملو نظام کہہ سکتے ہیں جس میں یہ باتیں سرزد ہو سکیں اور پھر اس کے خلاف کوئی آواز نہ اُٹھے۔ جماعت حکومت کے ان افعال نے لوگوں کے دلوں میں مخالفت پیدا کرنا شروع ہی کی تھی کہ وہ طرز عمل اختیار کیا گیا جو آج سے پہلے اور ان کے بعد بادشاہان ملک کرتے آئے ہیں۔ تمام لوگوں کو خوشنما صورت سے جلاوطن کر دیا۔ پہلے مانعین زکوٰۃ سے چھیڑ خانی نکالی۔ جب وہ جلدی ہی ختم ہو گئی تو ان لوگوں کو مدینہ آنے کی مہلت بھی نہ دی بلکہ بالا بالا ہی حکم بھیج دیا کہ اب رومیوں کی طرف چلے جاؤ۔ اور ساتھ ہی ساتھ ایران کی طرف بھیج دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو مذہب امن و عافیت کا پیغام لے کر آیا تھا۔ اب دنیا کو یہ نظر آنے لگا کہ وہ تو آگ اور تلوار کا پیغام لے کر آیا ہے۔ اور یہی بات اسلام کے دنیا میں پھیلنے سے مانع ہوئی۔ اسلام نے عدل عام کا حکم دیا ہے۔ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ

لِلتَّقْوٰی۔ کافر و مسلمان افراد و اقوام سب کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے۔ ایران نے کوئی وجہ مخاصمت نہ دی تھی۔ اور رومیوں کو ان کے کیے کی سزا مل چکی تھی۔ اب سرِ نو فوج کشی عدل پر مبنی نہ تھی۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ آپس میں کشت و خون ہو رہے ہیں۔ خلیفۂ وقت سے بغاوت کر کے ہزاروں مسلمانوں کو قتل کرا دیا۔ اپنے نبی کی اولاد کو اس طرح قتل کرنا جس طرح مسلمانوں نے کربلا میں کیا، اپنی ہی عبادت گاہ کو منجنیق سے گروانا۔ مدینہ و مکہ کے شہروں میں قتل و غارت کرنا۔ غرضکہ یہ اور اسی طرح کے آئندہ کے واقعات صاف طور سے بتا رہے ہیں کہ جو نظام آں حضرتؐ کے بعد قائم ہوا وہ اسلامی نظام نہ تھا اور اگر وہ اسلامی نظام تھا تو سارے الزامات اسلام پر عائد ہوں گے۔

یہ تو حملہ کرنے والوں کی حالت تھی۔ اب اس زمانے کی روم و ایران کی حالت بیان کرتے ہیں۔ جناب فاطمہ کی ساری زندگی روم کے ایک بادشاہ ہرقل (Heraclius) کے زمانہ سلطنت میں ہوئی۔ اس کا زمانہ حکومت ۶۱۰ء لغایت ۶۴۲ء ہے۔ جناب رسولِ خداؐ کا سارا زمانہ نبوت ۶۱۰ء لغایت ۶۳۲ء اس بادشاہ کے زمانے میں واقع ہوا تھا۔

اس عظیم الشان رومن امپائر نے جس کی اصلی بنیاد جولیس سیزر نے ۴۸ ق م میں اپنے رقیب پوم پی اس (Pompeius) پر جنگ فارسالس (Pharsalus) میں فتح پا کر قائم کی اور جس کو اس کے جانشین آگسٹس سیزر (۲۷ ق م سے ۱۴ء) نے قائم کر لیا۔ صدیوں تک اپنے خوف سے دنیا کو لرزہ براندام رکھا لیکن جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس وقت تک اس کے اندر ہی اندر گھن لگ چکا تھا اور اس کی بنیادیں متزلزل ہو رہی تھیں۔ سارا اختیار فوجوں کے پاس چلا گیا تھا۔ جس کو فوج چاہتی تھی وہ ہی بادشاہ ہوتا تھا۔ یہ صورت حالات سلطنتوں کے لیے نہایت خطرناک ہوتی ہے اور جس سلطنت میں یہ بیماری گھر کر جائے پھر اس کی زندگی کے دن گنتی ہی کے رہ جاتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہرقل کے دو سابق جانشینوں کا ذکر کر دیا جائے تاکہ رومن سلطنت کا صحیح تخیل قائم ہو سکے۔

۱۳ راگست ۵۸۲ء کو مارس (Maurice) جو رومن افواج کا کمانڈر انچیف تھا قیصر مقرر کیا گیا۔ ایران کی لڑائیاں بدستور جاری رہیں۔ رومن امپائر کے زوال کے اسباب میں سے ایران کی لڑائیاں بھی بہت بڑا سبب ہیں جس طرح ہندوستان کی

مغلیہ سلطنت کے زوال میں ایک بہت بڑا سبب دکن کی لڑائیاں تھیں۔ ایران میں نوشیرواں عادل کا زمانہ ۵۳۱ء سے ۵۷۸ء تک تھا۔ اس نے رومن افواج کو بار بار شکست دی تھی۔ اس کے مرنے پر اس کا لڑکا ہرمز تخت نشین ہوا۔ وہ ظالم اور نااہل ثابت ہوا۔ اور ۵۹۰ء میں قتل کر دیا گیا۔ اب ہرمز کا لڑکا خسرو پرویز بادشاہ ہوا۔ جو ایران کے ساسانی خاندان کا آخری بادشاہ ہے۔ بہرام چوبین جس نے ہرمز کے زمانے میں بغاوت کی تھی اب تک طاقتور تھا۔ اس نے خسرو پرویز کو بادشاہ نہیں مانا۔ اور آخر کار خسرو پرویز نے بھاگ کر اپنے رقیب رومن بادشاہ مارس کے پاس پناہ لی۔ اس نے اس کے ساتھ ایک فوج کر دی جس کی مدد سے خسرو پرویز نے اپنا تخت پھر ۵۹۱ء میں حاصل کیا۔ اس مدد کے عوض میں کچھ علاقہ اُسے دینا پڑا تھا لیکن اب مارس کو بھی یہی دن دیکھنا نصیب ہوا چونکہ مستقل لڑائیوں سے روپے کی کمی ہو گئی تھی اس نے حکم جاری کیا کہ فوج کی تنخواہ میں ایک چوتھائی کمی کر دی جائے۔ اس سے فوج میں عام بغاوت پھیل گئی۔ اور آخر کار باغی افواج کے کمانڈر فوقاس (Phocas) نے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اور مارس (Maurice) مع اپنے بیوی بچوں کے ۲۲ نومبر ۶۰۲ء کو بھاگ کر ایشیائے کوچک میں آگیا۔ اور یہاں اس نے (Chalcedon) کی ایک خانقاہ میں پناہ لی۔

لیکن جو غاصبوں کا قاعدہ ہوتا ہے فوقاس (Phocas) کی یہ کوشش رہی کہ کسی طرح مارس اور اس کے معصوم بچوں کو قتل کر دے تاکہ تخت کا دعویدار کوئی نہ رہے۔ اور یہ چین و آرام سے بے غل و غش سلطنت کرے۔ اس نے اپنے آدمی بھیجے جنھوں نے اول تو مارس کے پانچ لڑکوں کو مارس کے سامنے قتل کیا اور پھر مارس کو نہایت بے رحمی سے ذبح کر ڈالا۔ اس کے مرتے وقت کے الفاظ یہ تھے "خداوندا تو عادل ہے اور تیرا یہ فیصلہ بھی عدل پر مبنی ہے" اس نے یہ الفاظ بار بار کہے اور اس کے قتل کے وقت کا ایک اور واقعہ نہایت درد آمیز ہے۔ جب ظالم کے آدمی مارس کے بچوں کو قتل کے لیے تلاش کر رہے تھے تو ایک معصوم بچے کی دایہ نے ان لوگوں کے سامنے اپنا بچہ یہ کہہ کر پیش کر دیا کہ یہ مارس کا بچہ ہے اس کو قتل کر ڈالو۔ لیکن مارس سے یہ نہ دیکھا گیا۔ اور اس نے ان سپاہیوں سے کہا کہ نہیں یہ میرا بچہ

نہیں ہے۔ یہ تو اس دایہ کا بچہ ہے۔ سپاہیوں نے دایہ کا بچہ چھوڑ دیا۔ اور مارس کے بچے کو نکال کر قتل کر ڈالا۔ مارس اور اس کے بچوں کی لاشیں دریا میں ڈال دی گئیں اور ان کے سر غاصب فوقاس (Phocas) کے پاس روانہ کر دیے گئے جہاں ان کی تشہیر کی گئی لیکن ابھی مارس کی بیوی اور لڑکیاں باقی تھیں اس نے ان کے پیچھے قاتلوں کو دوڑایا۔ جنھوں نے ان کو ایشیائے کوچک کے ایک خانقاہ میں بمقام (Chalcedon) پایا۔ مارس کی بیوی کو جو ایک قیصر کی بیٹی ایک قیصر کی بیوی اور کئی قیصروں کی ماں تھی نہایت بے رحمی کے ساتھ ایذائیں پہنچائیں۔ پہلے اس کے سامنے اس کی لڑکیوں کو قتل کیا۔ اور پھر آخر کار اس بدنصیب ماں کے اوپر ظالموں کی تلوار نے رحم کھایا۔ اور اس کو زندگی کی تکلیف سے آزاد کیا۔ غاصب بادشاہ بغیر استثناء کے ظالم ہوا کرتے ہیں۔ اور ان کو جائز وحقدار ورثا رحکومت سے للّٰہی بغض ہوا کرتا ہے۔ ان کی یہ کوشش رہتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح ان کا خاتمہ کر دیا جائے۔ جو شخص فطرت انسانی کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے، دنیا داروں پر اس دنیا کی شان وشوکت وثروت کے اثر کا اندازہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے یہ معلوم کرنا نہایت دلچسپ ہوگا کہ اس ظالم بادشاہ فوقاس کی حمایت اور اس کی حکومت کا خیر مقدم سب سے پہلے اور سب سے زیادہ جوش کے ساتھ اس نے کیا جو اس دنیا میں حضرت عیسیٰ کے خلیفہ ہونے کا دعویدار تھا یعنی پاپائے اعظم گریگری (PoPo Gregory) سب سے پہلے اس نے اور اس کے ماتحت مذہبی افسروں نے اس کی حکومت قبول کی اور سینٹ جان کی گرجا میں یہ رسم ادا کی گئی۔ اس ظالم بادشاہ اور اس کی بیوی کی تصویریں گرجا میں حضرت عیسیٰ وحضرت مریم کی تصویروں کے پاس رکھی گئیں اور ان کی پرستش کی گئی۔ گریگری نے اور تمام مذہبی پیشواؤں نے گرجاؤں میں دعائیں مانگیں کہ خداوند تعالیٰ تو نے ایسے مہربان زاہد وعابد اور رحمدل فوقاس (Pohocas) کو ہمارے اوپر اپنے کرم سے حاکم مقرر کیا ہے۔ اب اس کے ہاتھ اس کے دشمنوں کے خلاف مضبوط کر اور طویل مدت تک حکومت کرنے کے بعد اس کو اپنی جنت میں جگہ دے۔ یہ اس فوقاس کی نسبت کہا جا رہا ہے جس نے یہی نہیں کہ مارس اور اس کے بچوں و بیوی کو اس بیرحمی کے ساتھ قتل کروایا بلکہ مارس کے تمام طرفداروں کو اور ان کو جن پر ذرا بھی طرفداری کا شبہ ہوا ہے بیرحمی کے ساتھ ذبح کرا دیا۔ علاوہ اس کے ایسی ہی اور ظالمانہ کارروائیاں کیں۔ لیکن گریگری اور ان

مذہبی پیشواؤں کا گزر ابھی اور باقی ہے جب فوقاس کے ظلموں سے عاجز آکر صوبوں نے بغاوت اختیار کی اور اس بغاوت کا لیڈر ہرقل ہوا تو اب گریگوری اور یہ مذہبی پیشوا ہرقل کے ساتھ ہو گئے بلکہ گریگوری نے اپنے لڑکے کو ہرقل کے ساتھ شامل کر دیا اور دونوں نے ملکر فوقاس کو اسی طرح قتل کیا جس طرح فوقاس نے مارس کو قتل کرایا تھا یہ ۶۱۰ء کا واقعہ ہے

آپ نے دیکھا وہ مذہب جس میں کذب کی آمیزش ہو گئی ہو کس طرح حکومت کے اشاروں پر ناچتا ہے۔ انسانی فطرت ہر جگہ اور ہر زمانے میں ایک سی ہی ہوتی ہے۔ جو شخص اپنے مذہب کے احکام کی پابندیوں کو چھوڑ کر دنیا کے پیچھے دوڑے گا اس کا طرز عمل یہی ہوگا۔ خواہ کسی ملک کا باشندہ ہو۔ بلکہ ایسے لوگ مذہب کو سب سے پہلے فروخت کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک مذہب اس وقت تک قابل پابندی ہے کہ جب تک اس کے ذریعہ سے دنیا حاصل ہو سکے۔ اور اگر مذہب سے کوئی دنیاوی فائدہ نہیں ہوتا تو پھر ان کے خیال میں سب سے زیادہ غیر ضروری اور سب سے کم قیمت جو شئے ہے وہ مذہب ہے۔

اب ۶۱۰ء میں ہرقل تخت نشین ہوا۔ خسرو شہنشاہِ ایران اگرچہ مارس کی مدد وقت پر نہ کر سکا لیکن رومیوں کے ساتھ اس نے لڑائی شروع کر دی۔ فوقاس کے سارے زمانہ میں یہ لڑائی ہوتی رہی۔ جب ہرقل تخت نشین ہوا تب بھی لڑائی جاری تھی۔ ہرقل نے اگرچہ بہت تدبیر کی لیکن ایرانیوں نے جنگِ انطاکیہ میں ۶۱۳ء میں رومیوں کی شکست فاش دی۔ اور پھر دمشق کا محاصرہ کر کے اس کو فتح کر لیا۔ پھر شمال میں سلیشیا (Cilicia) اور طرسوس (Tarsus) پر قبضہ کر لیا۔ پھر آرمینیا میں جنگ کر کے اس پر بھی ایرانیوں نے قبضہ کر لیا۔ اور ۶۱۴ء میں سب سے بڑی مصیبت جو رومیوں پر پڑی وہ یہ تھی کہ ۳ یا ۵ مئی ۶۱۴ء کو ایرانیوں نے بیت المقدس یعنی یروشلم پر قبضہ کر لیا اور شہر میں ۲۱ دن تک قتل ولوٹ وغارت جاری رہی۔ یہودی بھی ایرانی فاتحان کے ساتھ مل گئے ۹۰ ہزار رومن قتل کر دیے گئے۔ اور پینتیس ہزار قیدی بنائے گئے اور گرجاؤں میں آگ لگا دی گئی۔ اسقفِ اعظم زکریا کو اور اس کے ساتھ مقدس صلیب کو ایران لے گئے۔ تمام عیسائی دنیا میں تہلکہ مچ گیا۔ رومن جیسی عیسائی سلطنت بیت المقدس کو ایرانی کافروں کے ہاتھ سے نہ بچا سکی۔

۶۱۵ء میں ایرانیوں نے ایشیائے کوچک پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ اور ایرانی جرنیل شاہین نے رومیوں کو وہاں سے نکال دیا۔ ہرقل کے پاس اب نہ آدمی رہے

اور نہ روپیہ۔ وہ بہت عاجز ہو گیا اور شاہین سے درخواست کی بلکہ یہ درخواست لے کر خود اس کے کیمپ میں گیا اور ادھر سینٹ نے اپنی حالت خراب دیکھ کر شہنشاہ ایران کے پاس صلح کی درخواست بھیج دی۔ لیکن خسرو پرویز نے ان درخواستوں کو ٹھکرا دیا۔ نہایت مغرورانہ خط ہرقل کو لکھا اور شاہین کو اس شبہ میں کہ وہ ہرقل کے ساتھ نرمی کر رہا ہے معزول کر دیا۔

رومیوں کے لیے یہی ایک مصیبت نہ تھی۔ رومی سلطنت کو کئی صدیوں سے شمال مغرب کے وحشی قبائل سے لڑنا پڑ رہا تھا۔ وہ نہایت طاقتور تھے اور کئی دفعہ انھوں نے اٹلی تک پر قبضہ کر لیا۔ اس زمانہ میں بھی لڑائی جاری تھی۔ انھوں نے ہرقل کو ایران سے مشغول پا کر اپنے حملے تیز کر دیے۔ ان میں سے ایک وحشی قبیلہ آورز (Avars) کا بہت طاقتور تھا۔ یہ دریائے ڈینیوب کے شمال مغرب کی طرف آباد تھے۔ جون ۶۱۹ء میں ان کے سردار خاگان یا خاقان نے ایک چال چلی۔ صلح کی خواہش ظاہر کی۔ رومی بہت خوش ہوئے اور بمقام شہر ہرقلیا ہرقل و خاقان کی میٹنگ قرار پائی۔ رومیوں نے اس خوشی میں خاقان کی آمد کی عزت میں شہر کو بہت آراستہ و پیراستہ کیا۔ اور اس کی آمد کے منتظر رہے۔ لیکن بجائے خود آنے کے خاقان نے اپنی فوجوں کو جو اب تک کمین گاہ میں چھپی ہوئی تھیں اشارہ کیا اور انھوں نے رومی دارالسلطنت قسطنطنیہ پر حملہ کر دیا۔ اور اس کے اردگرد قبضہ کر کے گرجاؤں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ ہرقل اب خطرہ کے بیچ میں تھا۔ اس نے شاہی چغا تو پھینکا اور تاج کو بغل میں دبا کر سرپٹ گھوڑا دوڑا کر شہر قسطنطنیہ میں داخل ہوا اور لوگوں کو خطرہ سے آگاہ کیا۔ آورز نے دو لاکھ ستر ہزار رومیوں کو قیدی بنا لیا۔ جو ڈینیوب کی طرف انھوں نے منتقل کر دیے۔ یہ ۶۱۹ء کا واقعہ ہے۔

اب ہم پھر ایرانیوں کی جنگ کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ موسم بہار ۶۱۹ء میں انھوں نے مصر پر حملہ کر دیا۔ اور ایرانی جنرل شہر براز شہروں کو فتح کرتا ہوا الگزینڈریہ (اسکندریہ) تک آ گیا جس کا اس نے محاصرہ کر لیا۔ اس وقت رومی نہایت سخت تکلیف میں تھے۔ آرمینا جہاں سے ان کو آدمی ملتے تھے ایرانیوں کے قبضہ میں تھا۔ شہر براز نے تمام راستے بند کر دیے تھے قسطنطنیہ میں قحط اور وبا کا زور ہو گیا۔ مصر میں رومیوں کا جنرل (Nicetas) گریگری کا لڑکا تھا۔ یہ دیکھ کر کہ اسکندریہ کا بچنا محال ہے وہ تو آخر گریگری کا لڑکا تھا

جان بچا کر بھاگ گیا اور ۶۱۹ء میں ایرانی شہر میں فاتحانہ طریقہ سے داخل ہو گئے۔ اب یہ معلوم ہونے لگا کہ ایرانی شہنشاہ خسرو پرویز تمام رومانوی دنیا کا مالک ہونے والا ہے۔ اس وقت ہرقل نے سوچا کہ مصر کو جا کر بچانا ضروری ہے۔ وہ یورپ چھوڑنے ہی والا تھا کہ لوگوں کو خبر ہو گئی اور قسطنطنیہ کے لوگوں نے اسے جانے نہ دیا اور وہاں کے اسقف اعظم نے ہرقل سے قسم پر وعدہ لے لیا کہ وہ قسطنطنیہ کو نہ چھوڑے گا۔

اب ہرقل نے یہ سوچا کہ ایرانیوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ آورز کے خاقان سے صلح کر لے۔ چنانچہ اس نے ہر طرف سے روپیہ مانگا۔ گرجا کے حکام نے بھی اپنی بے شمار دولت میں سے اسے روپیہ دیا کیونکہ انھوں نے اس کو وعدہ کو لے کر قسطنطنیہ سے باہر نہ جانے دیا تھا۔ لہذا دو لاکھ رومی اشرفیاں بطور خراج کے ہرقل نے خاقان کو دیں اور اپنے بیٹے اور بھتیجے کو بطور ضمانت خاقان کے پاس بھیج دیا۔ یہ ۶۱۹ء کا واقعہ ہے۔ اس عرصہ میں ایرانی آزادی کے ساتھ رومی ممالک پر حملہ کرتے رہے۔

اب ہرقل نے ایرانیوں کے مقابلہ کی تیاری شروع کی۔ اس نے یہ ترکیب سوچی کہ ایرانیوں کو مصر میں نہ چھیڑا جائے بلکہ خود ایران پر دھاوا بول دینا چاہیے۔ ۴ اپریل ۶۲۲ء کو اس نے پبلک نماز قائم کی۔ اور دوسرے دن یعنی ۵ اپریل ۶۲۲ء کو قسطنطنیہ کے پبلک حکام سینٹ اور اسقف اعظم کو بڑے میدان میں جمع کیا اور اسقف اعظم سرجئی اس (Sergius) کی طرف مخاطب ہو کر بولا "خدا اور اس کی والدہ کے ہاتھ میں اور پھر تیرے ہاتھ میں شہر کو اور اپنے لڑکے کو چھوڑتا ہوں" یہ کہہ کر گرجا میں نماز پڑھنے کے بعد ہرقل حضرت عیسیٰ کے بت کو اپنے سینے سے لگا کر گرجا سے لے گیا اور ۶ اپریل ۶۲۲ء کو فوج کے ساتھ ایشیائے کوچک میں آ گیا۔ وہاں اس کی کوشش یہ رہی کہ ایرانی فوج کو ایشیائے کوچک چھوڑنے پر مجبور کرے۔ چنانچہ چند لڑائیوں کے بعد ایک آخری جنگ میں ہرقل کو فتح ہوئی۔ اور شہر براز کی فوج کا خاتمہ ہو گیا۔ اس طرح ایشیائے کوچک تو آزاد ہو گیا لیکن مغربی وحشی اقوام نے پھر سر اٹھایا اور ہرقل واپس قسطنطنیہ چلا گیا۔

۲۵ مارچ ۶۲۳ء کو پھر ایران کی جنگ کے لیے قسطنطنیہ کو ہرقل نے چھوڑا اور نکومیڈیا (Nicomedia) میں آیا۔ یہاں آ کر اس کو معلوم ہوا کہ خسرو پرویز نے نہایت حقارت کے ساتھ اس کی درخواست صلح مسترد کر دی اور ایران پر حملہ کی دھمکی جو ہرقل نے

دی تھی اس سے وہ مطلق نہ ڈرا خسرو پرویز کے مغرورانہ خط کو ہرقل نے بڑے گرجا میں پیش کیا اور سب نے رو رو کر خشوع و خضوع سے گریہ و زاری کر کے خدا سے دعا مانگی۔ ۲۰ راپریل ۶۲۳ء کو ہرقل ایران کے حملہ پر روانہ ہوا۔ اور سیزریا (قیصریہ) کے راستہ سے آرمینیا میں داخل ہو گیا۔ خسرو پرویز نے شہر براز کو حکم دیا کہ اپنی افواج کو شاہین کی افواج سے ملا لے۔ اور پھر حملہ کا مقابلہ کرے۔ ہرقل سیزریا سے ہوتا ہوا آگے بڑھا اور Nachcavan نکاون پر قبضہ کر کے تخت سلیمان کی طرف بڑھا۔ جہاں اس کا خیال تھا کہ خسرو پرویز خود وہاں موجود ہے۔ اپنی فوج کے ایک دستہ کی شکست کے بعد خسرو پرویز وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور ہرقل اس کے پیچھے شہروں کو فتح کرتا ہوا چلا لیکن ابھی شہر براز و شاہین کی فوجیں اس کے پیچھے تھیں۔ لہذا ہرقل نے کسریٰ و ایران کا زیادہ تعاقب نہ کیا۔ راستہ میں شاہین کو تو اس نے شکست دی لیکن شہر براز کی فوج کا مقابلہ نہ کر سکا اور ۶۲۳ء کا جاڑا آرمینیا میں گزارا۔

۶۲۴ء کے بہار کے موسم میں ہرقل ایران پر حملہ نہ کر سکا۔ بلکہ آرمینیا ہی میں دشمن کی لڑائیوں میں مشغول رہا۔ وہاں ایران کے تین جرنل تھے۔ سربلنگ، شہر براز اور شاہین۔ سربلنگ تو ایک لڑائی میں مارا گیا اور ایک اور جنرل قید ہوتے ہوتے بچا۔ لیکن اس لڑائی سے کچھ فیصلہ نہ ہو سکا۔ اور ۶۲۵ء میں ہرقل نے مغرب کی طرف آنے کا ارادہ کیا۔ ۶۲۵ء کا سال اس نے پانٹ Pontus کے اضلاع میں گزارا۔

۶۲۶ء ہرقل کی زندگی کا نہایت مصیبت کا سال تھا۔ تمام وحشی اقوام یعنی آورز Avars بلغاری Bulgars سلاوے Slavs اور غیرہ سب آپس میں رومیوں کے خلاف مل گئے قسطنطنیہ پر حملے کی تیاریاں کرنے لگے۔ ادھر ایرانیوں سے بھی ساز باز کر لی۔ خسرو پرویز نے اپنی افواج کو حکم دیا کہ جب خاقان یورپ کی طرف سے قسطنطنیہ پر حملہ کرے تو تم ایشیائے کوچک کی طرف سے کر دو۔ چنانچہ ایرانی افواج شاہین اور شہر براز کی ماتحتی میں ادھر جمع ہو گئیں اور شہر براز Chalcedon میں مقیم ہو گیا۔ جو ایشیائے کوچک پر بالکل قسطنطنیہ کے مقابلے میں واقع ہے۔ ہرقل نے اپنی افواج کو تین حصوں میں منقسم کیا۔ کچھ تو قسطنطنیہ کی حفاظت کے لیے روانہ کر دی گئیں، کچھ کو اپنے بھائی تھیوڈورس Theodorus کی زیر کمان شاہین کے مقابلہ میں ایشیائے کوچک بھیج دیا اور باقی افواج ہرقل نے اپنی ماتحتی میں رکھیں۔ تھیوڈور کی لڑائی کا ذکر کرتے ہوئے

یوروپین عیسائی نہایت فخر و اعتقاد مذہبی کے ساتھ لکھتا ہے۔ برف و باران کے طوفان کی وجہ سے جو خدا نے عین وقت پر بھیج دیا اور حضرت مریم کی مدد سے تھیوڈورس نے شاہین کو ایسی شکست فاش دی کہ وہ غم کے مارے مر گیا۔[۱۲۲]

اب وحشی اقوام کا حال سنیے۔ ۲۹ر جولائی ۶۲۶ء کو خاقان اور اس کی افواج نے قسطنطنیہ کے سامنے ڈیرا ڈال دیا۔ اس وقت اگر رومیوں کو بچایا تو ان کی بحری طاقت نے بچایا۔ انھوں نے وحشی اقوام کی کشتیاں تو سمندر میں غرق کر دیں اب شہر براز جو سامنے ہی Chalcedon میں اپنی افواج لیے پڑا تھا بغیر کشتیوں کے مجبور ہو گیا۔ اس کے پاس کوئی بحری بیڑا نہ تھا اور وحشی اقوام کی کشتیاں باقی نہ رہی تھیں۔ لہذا وہ تو فقط وہاں سے دیکھتا ہی رہا اور ۱۱ دن کے ناکام محاصرہ کے بعد خاقان کو واپس ہونا پڑا۔ اگرچہ خاقان کی ناکامیابی کی صریح وجوہات موجود ہیں لیکن عیسائی یوروپین مورخ لکھتا ہے "اگرچہ بہت سی گرجائیں وحشیوں نے جلا دی تھیں لیکن ان کے درمیان میں خداوند تعالیٰ کی والدہ کا گرجا اسی طرح قائم رہی۔ یہ ایک اور ثبوت تھا اس امر کا کہ والدۂ خدا میں کتنی طاقت تھی اور خدا اور اپنے بیٹے کے نزدیک اس کا کتنا بڑا رسوخ ہے اور تمام دنیا کے انتظام میں ان کا کتنا بڑا دخل ہے۔ شہر کا باقی رہنا حضرت کنواری ماں کی فتح ہے۔ ان کے پجاریوں نے جو اُن سے دعائیں کی تھیں یہ اس کا جواب تھا اور کلیسا نے اس بات کی یاد سالانہ عید کے ذریعہ سے قائم رکھی"[۱۲۳]

یہ سبق ہے ہمارے نوجوانوں کے لیے جو تاریخ اور سیاست میں خدا اور خدا کی قدرت پیغمبر اور پیغمبروں کے معجزوں کا ذکر کرتے ہوئے شرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فیشن کے خلاف ہے۔ اس طرح قیصر اپنی فوج کے ساتھ خاموش نہیں بیٹھا رہا۔ اس نے کوہ قاف کے قبائل سے ایران کے خلاف ساز باز شروع کر دی۔ اور ان سے اپنی دوستی قائم کر لی۔ اس طرح گویا ایرانیوں کو ان کے ہی سکہ میں ادائیگی کی گئی۔ ۶۲۶ء میں ان قبائل نے ایبیریا (Iberia) میں لوٹ مار کی۔ ۶۲۷ء میں البانیہ پر قبضہ کر لیا۔ اور جون ۶۲۷ء میں دربند کا محاصرہ کر لیا۔ ایرانی جنرل ان کا مقابلہ نہ کر سکا اور اس نے

[۱۲۲] Cambridge Medieval History vol II page 295

[۱۲۳] Cambridge Medieval History P. 296

راہ فرار اختیار کی۔ اس کے بعد ان قبائل نے ہرقل کے ساتھ مل کر طفلس کا محاصرہ کیا۔ ہرقل نے محاصرہ کا کام ان قبائل پر چھوڑا اور خود دستگیرد کی طرف بڑھا۔ یہ جگہ ایران کے دارالخلافہ مدائن سے صرف ۷۰ میل کے فاصلہ پر تھی۔ جب ہرقل دریائے زاب پر آیا تو ایرانی فوج کی وجہ سے اس کو عبور نہ کر سکا۔ اور مقام نینوا پر ایک جنگ عظیم واقع ہوئی۔ (۱۲ دسمبر ۶۲۷ء) ایرانی جنرل راہ زادہ تو مارا گیا لیکن اس کی فوج میں ابتری نہیں پڑی۔ اور وہ پیچھے ہٹ گئی۔ اور پھر ان کے پاس امداد بھی آگئی۔ ہرقل آگے بڑھا۔ اور خسرو پرویز دستگیرد کے پاس آن کر مقیم ہوا لیکن اس کے دل پر ہرقل کا کچھ ایسا رعب چھایا کہ وہ اپنی فوج کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور پہلی جنوری ۶۲۸ء کو ہرقل نے بغیر مزاحمت کے دستگیرد پر قبضہ کر لیا۔ مگر ایرانی فوج اس طرح نہیں بھاگی بلکہ پیچھے ہٹ کر ہرقل کا راستہ مدائن جانے کا روک لیا۔ خسرو کے اس بزدلانہ فعل سے اس کی رعایا میں بہت بددلی پھیل گئی اور اس کا رعب جاتا۔ جنوری ۶۲۸ء کو ہرقل دستگیرد مدائن کی طرف بڑھا۔ نہروان سے صرف ۱۲ میل کے فاصلے پر تھا کہ جو ہراول آگے بھیجا تھا وہ خبر لایا کہ ایرانی افواج کی موجودگی میں نہروان کو عبور کرنا مشکل ہوگا۔ ہرقل بھی کچھ محفوظ حالت میں نہ تھا۔ دشمن کے ملک میں اپنے وطن سے بہت دور ایرانی افواج چاروں طرف پڑی ہوئی اور شہر براز مغرب میں اپنی فوج لیے ہوئے پڑا تھا۔ ہرقل کو پیچھے کی طرف سے بھی حملہ کا اندیشہ تھا۔ اب ہرقل پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوا۔ ہٹ کر گنزا کا مین گیا (۱۱ مارچ ۶۲۸ء)

خسرو کی شکست و بزدلی کی وجہ سے ایک بغاوت پھیل گئی اور باغیوں نے اس کو قید خانہ میں ڈال دیا۔ اس کے بہت سے لڑکوں کو اس کے سامنے قتل کر کے اس کا بھی کام تمام کر دیا۔ اس طرح آخر کار ایران کے اس شہنشاہ اعظم کا انجام ہوا جس کا نام فارسی علم ادب میں شوکت و دولت کے لیے ضرب المثل چلا آتا ہے۔ خسرو کا گھوڑا شبدیز اور خسرو کی خوبصورت بیوی شیریں، فارسی کے شعرا کی نازک خیالیوں کے لیے ہمیشہ سے تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں۔ یہ وہی شیریں ہے جس کے عشق میں فرہاد نے خسرو کے وعدہ پر پہاڑ کو کاٹ کر دودھ کی نہر جاری کی تھی لیکن خسرو اپنے وعدہ سے پھر گیا۔ اور شیریں کو فرہاد کے حوالے نہ کیا۔ فرہاد نے ایک آہ کی اور جس تیشے سے پہاڑ کو کاٹتا تھا اس کو اپنے اوپر

مار کر عشق کے راستہ میں جان دیدی۔ بندگانِ عشق تو کہیں گے کہ فرہاد کی آہ رنگ لائی اور خسرو کو یہ دن دیکھنا پڑا۔ بندگانِ عیسیٰ تو کہتے ہی ہیں کہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کی مدد سے ہرقل کو فتح حاصل ہوئی لیکن مورخین کی رائے ہے کہ ہرقل کی کامیابی کا راز اس کے مضبوط عزم اور اس کی سپاہیانہ جانبازی و فوجی ہنر میں ہے۔ کچھ بھی ہو خسرو پرویز کا وہ عروج کہ سلطنت روما کے ارکان کو متزلزل کر دیا۔ اور پھر یہ زوال کہ کتے کی موت مرا۔ دنیا کے انقلاب اور خدا کی شان کا نادر نمونہ ہیں۔ ہرقل عنزاقا ہی میں تھا کہ ۳ اپریل ۶۲۸ء کو ایران کے ایک سفیر نے آن کر اس انقلاب کی اطلاع دی۔ اور خسرو کے جانشین۔ قباد ثانی کی طرف سے صلح کی شرائط پیش کیں جو ہرقل نے منظور کیں۔ منجملہ دیگر شرائط کے صلیب مقدس کی واپسی اور ایرانی افواج کا ہرقل کے ملک کو چھوڑ دینا ضروری شرائط تھیں صلیب مقدس تو واپس ہوگئی لیکن شہر براز ایرانی جنرل نے جو ہرقل کے ملک میں تھا اس شرط کو ماننے سے انکار کر دیا۔ یہ صلح ستمبر ۶۲۸ء میں مکمل ہوئی۔ ۲۲ مارچ ۶۲۹ء کو ہرقل یروشلم میں داخل ہوا۔ اور صلیب مقدس کو اس کی جگہ پر پھر واپس لگا دیا۔

اس آخری جنگ میں ہرقل کامیاب تو ہو گیا لیکن بہت نقصان کے ساتھ خزانہ خالی ہو گیا۔ بہت سے آدمی مر کٹ گئے۔ بدامنی ملک میں پھیل گئی۔ اور وحشی اقوام نے اسے دم نہ لینے دیا۔ اسپین نے بغاوت کر کے رومیوں کو نکال دیا۔ اس طرح اسپین رومن امپائر سے نکل گیا۔ وحشی قوم لومبارڈ (lombards) نے اٹلی پر قبضہ کر لیا۔ اور ڈینوب کے صوبوں کو سلاوز (slavs) نے چھین لیا۔

ایران و روما کی صدیوں کی جنگ اس طرح ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ اب ایک تیسری طاقت بساطِ تاریخ پر نمودار ہوئی۔ جس نے ان دونوں کی ہستی اور ان کی پرانی عداوتوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔ یہ طاقت عرب کے مسلمانوں کی تھی۔

ہرقل کے بعد امپائر میں بدامنی پھیل گئی۔ کئی دعویدارانِ سلطنت پیدا ہو گئے۔ ہرقل کی بیوی، اس کے بڑے لڑکے اور دیگر لڑکوں میں آپس میں کشمکش شروع ہو گئی۔ کچھ رعایا ایک طرف ہو گئی کچھ دوسری طرف۔ ہرقل ۶۴۱-۴۲ء میں مر گیا۔ پھر یہ خانہ جنگی جو اس کی زندگی سے شروع ہو گئی تھی زور پکڑ گئی اور یہ بدامنی اور کمزوری ہی عربوں کی فتح کا موجب ہوئی۔

اب ہم کچھ حال ایران کا سناتے ہیں۔ روم کی لڑائیوں کا حال تو معلوم ہی ہو گیا اور

یہ ظاہر ہے کہ اس صدیوں کی جنگ نے دونوں سلطنتوں کو برباد و کمزور کر دیا جس سے عربوں کو موقع مل گیا اور انھوں نے بہت آسانی سے ایرانیوں اور رومیوں پر فتح پائی۔ خسرو پرویز جس کا حال ہم اوپر پڑھ چکے ہیں۔ نوشیرواں عادل کا پوتا تھا۔ نوشیرواں نے ۵۳۱ء سے ۵۷۹ء تک سلطنت کی تھی اس کے بعد اس کا لڑکا ہرمزد چہارم تخت نشین ہوا جس کا زمانہ سلطنت ۵۷۹ء سے ۵۹۰ء تک ہے۔ اس کے بعد خسرو پرویز تخت نشین ہوا۔ جس کا زمانہ سلطنت ۵۹۰ء سے ۶۲۸ء تک ہوا۔ اس کے کچھ حالات تو ہم اوپر معلوم کر چکے ہیں۔ ایک واقعہ یہاں ذکر کرتے ہیں جو بذات خود تو بہت اہم نہ تھا لیکن اُس کے نتائج بہت اہم تھے۔

ایک شخص نے جو دل سے خسرو پرویز کا دشمن تھا لیکن عداوت کو ظاہر نہیں ہونے دیتا تھا خسرو پرویز کے سامنے حیرا کے بادشاہ نعمان کی بیٹی کے حسن کی بہت تعریف کی۔ اور اس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ نعمان سے اُس کی بیٹی کی خواستگاری کرے۔ وہ جانتا تھا کہ نعمان انکار کرے گا۔ کیونکہ عرب اپنی لڑکی غیر کفو میں نہیں دیا کرتے تھے جس کو وہ شرافت و نجابت میں اپنے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ اور اس طرح لڑائی ہو جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا نعمان نے انکار کر دیا۔ اور خسرو پرویز نے ایک فوج ایاس بن قبیصہ کے ماتحت نعمان کے خلاف روانہ کی۔ نعمان کو یہ خبر لگی تو وہ قبیلہ شیبانی میں چلا گیا۔ اور اس کے سردار ہانی کے پاس اپنا سارا مال و متاع امانت میں رکھ دیا۔ نعمان خود خسرو پرویز کے پاس معذرت کے لیے آیا لیکن خسرو پرویز نے اس کو قتل کرا دیا۔ بنو شیبان کو حکم دیا کہ نعمان کا خزانہ اسے دیدیں۔ عرب امانت کی ایمانداری کے لیے مشہور تھے۔ انھوں نے انکار کیا۔ اس پر چالیس ہزار کی فوج جس میں عرب و ایرانی شامل تھے ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کی گئی۔ ذی قار پر آخری جنگ ہوئی۔ ایرانی فوج کے سارے عرب دوسری طرف چلے گئے۔ اور ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔ ان کی ساری فوج کے ٹکڑے کر ڈالے گئے۔ یہ جنگ ذی قار اس وقت واقع ہوئی کہ جب آں حضرتؐ کی بعثت کا شروع ہی زمانہ تھا۔ اس لڑائی کے متعلق ایک مسلمان مؤرخ کی یہ رائے ہے کہ اگر ذی قار کی لڑائی نہ ہوتی تو بہت ممکن تھا کہ ایران کی فتح میں مسلمانوں کو دقت کا سامنا ہوتا [124]

[124] ایران پاستان مولفہ خلیل الرحمٰن ص ۱۱۹

ایک انگریز مورخ کی رائے یہ ہے کہ اگر ذی قار کی لڑائی میں ایرانیوں کی فتح ہو جاتی تو عربوں کو ایران کی لڑائی میں بے انتہا دشواریاں پیدا ہو جاتیں اور بہت ممکن ہے کہ اسلامی سلطنت کی توسیع نہ ہوتی۔ اور وہ ختم ہو جاتی [125]

جس طرح ہرقل کے مرنے کے بعد قسطنطنیہ میں طوائف الملوکی شروع ہوئی۔ اسی طرح مدائن میں خسرو پرویز کے مرنے کے بعد فتنے شروع ہوئے اور کئی بادشاہ تھوڑے عرصہ کے لیے تخت پر بیٹھے۔ خسرو پرویز کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا شیرویہ یا قباد تخت نشین ہوا۔ اس نے رومیوں سے صلح کی اور مر گیا۔ پھر اس کا شیر خوار بچہ اردشیر سوم کے نام سے تخت پر بیٹھا دیا گیا۔ اس کے تخت پر بیٹھتے ہی خزروں نے ترکستان اور آرمینیا پر حملہ کر دیا۔ سپہ سالار شہر براز کو شکست ہوئی لیکن اس نے ہرقل کی مدد سے بچہ بادشاہ ایران کو تخت سے اُتار دیا۔ اور خود بادشاہ بن گیا۔ صرف چند مہینے ہی سلطنت کی تھی کہ باغیوں نے اسے قتل کر دیا۔ ہرمزد چہارم کے ایک پوتے خسرو سوم نے خراسان میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اور مدائن میں اس کی بہن پوران دخت تخت نشین ہوئی۔ اور وہ تخت سے اُتار دی گئی۔ اس کے بعد اس کی بہن ارزمی دخت ملکہ بنی۔ دوسری طرف خسرو پرویز کے ایک پوتے ہرمزد پنجم نے اپنی بادشاہت کا اعلان نصیبین (Nasibin) میں کر دیا۔ لیکن ۶۳۲ء میں سپاہیوں نے اسے تخت سے اُتار کر شہریار کے بیٹے یزدگرد سوم کو تخت نشین کر دیا۔ یہ وہی بادشاہ ایران ہے جس سے عربوں کی لڑائی ہوئی۔ اس کو عربوں سے شکست کے بعد شکست ہوئی۔ بھاگ گیا آخرکار ۶۵۲ء میں پکڑا گیا اور مارا گیا۔ غالباً اس دہقان نے مارا جس کے یہاں اُس نے جا کر پناہ لی تھی۔ اس طرح ساسانیوں کی اس عظیم الشان سلطنت کا خاتمہ ہوا جو تقریباً تمام پرانی دنیا پر کسی زمانے میں حاوی ہو چکی تھی۔ اور جس سے رومانوی شہنشاہ بھی لرزہ بر اندام تھے۔

ایران و قسطنطنیہ کے صحیح حالات معلوم ہونے سے ناظرین کو جنگہائے عرب کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور یہ معلوم ہو سکے گا کہ عربوں کے سامنے ایسی جلدی یہ دونوں سلطنتیں کیوں گر گئیں اُس زمانے کے یورپ و افریقہ کے حالات ہم کو معلوم ہو گئے۔ جب ہم کو رومانوی سلطنت کے حالات سے آگاہی ہو گئی اور ایشیا کے حالات معلوم ہو گئے۔ جب ہم کو ایرانی حکومت کے حالات سے آگاہی ہوئی۔ کیونکہ اس زمانے میں بھی دو سلطنتیں مہذب دنیا پر حکومت کر رہی تھیں

[125] History of Persia by Sykes Vol I p 522

چونکہ ہم کو انگلستان و ہندوستان سے تعلق رہا ہے۔ لہذا دل چاہتا ہے کہ اسلامی تاریخ کے بیان میں ہم ان کے حالات کا بھی ذکر کریں لیکن ان کا ذکر ہم آں حضرتؐ کے سوانح حیات میں کریں گے۔ جناب فاطمۃ الزہرا صلوات اللہ علیہا کے سوانح حیات میں ان کا ذکر غیر متعلق ہوگا۔ یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ عرب نے ایران و روم پر جناب فاطمۂ کے حیات ہی میں حملہ کر دیا تھا لیکن وہ حملہ مذہب کی تائید کے لیے نہ تھا بلکہ اپنی سیاسی وجوہ و ضروریات کی بنا پر تھا اور مذہب کے اصول کے خلاف تھا جس میں کافر پر بھی ظلم کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم پر بغیر اس کے قصور کے حملہ کر دینا ظلم ہے۔ خواہ وہ قوم کافر ہی کیوں نہ ہو۔ بغیر قصور کے حملہ کر دینا یہ تو امپیریلزم کی شان ہے نہ کہ اسلام کی۔

باب بست و دوم

نمونۂ عمل

ہر ایک مذہب اور تمام حکمائے اخلاقیات نے عمل ہی کو انسانی زندگی کا ماحصل سمجھا ہے۔ یہ دنیا دار عمل ہے۔ ساری تعلیم و تربیت کا مقصد درستی عمل ہے۔ کئی مذاہب نے تو خدا کا ذکر اپنی تعلیم سے نکال کر محض عمل کو معطی نجات یا نروان سمجھا ہے۔ آج کل کے فلسفیانہ تخیل میں اس کا نام کیریکٹر یعنی کردار رکھا گیا ہے اور تعلیم و تربیت کا مقصد واحد اور منتہائے آخر کیریکٹر کو قرار دیا ہے۔

صحیح عمل کیا ہے، یا یوں کہو کہ اس دنیا میں انسان کے لیے زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ بہت سے حکما اور ماہر اخلاقیات نے اس عنوان پر بہت ضخیم کتابیں لکھی ہیں۔ شعرا نے بھی اپنے طرز میں اس سوال کو حل کیا ہے۔ چنانچہ حافظ فرماتے ہیں ؎

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است   با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

ظاہر ہے کہ شاعری حدود کے باہر اس خیال کی تائید نہ ہوگی۔ خواہ دوستوں ہی کے ساتھ کیوں نہ ہو۔ تلطف و مدارائے بے محل ہمیشہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ مذہب کی زبان میں عمل صحیح کا نام صراطِ مستقیم ہے۔ اور فلسفہ کی لغت میں اس کو نیکی کہتے ہیں۔ ہم چند الفاظ میں بتا دیتے ہیں کہ صراطِ مستقیم کیا ہے وہ راستہ یا طریقۂ زندگی یا عمل جس سے کسی دوسرے پر ظلم نہ ہو اس کا نام صراطِ مستقیم ہے ظلم کے وہ سب معنی لیے جائیں جو قرآن شریف میں ہیں۔ قرآن شریف میں

ظلم کی بہت مذمت کی گئی ہے۔ اور ظالم کو ملعونِ خدا کا لقب دیا ہے۔ ظالموں کے حق میں پیغمبروں کی سفارشات بھی نہ سنی جائیں گی۔ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ۝ ۱۱ : ۳۷ "ظالموں کا تو ذکر بھی نہ کرو۔ یہ تو یقینی ہے کہ وہ غرق ہوں گے۔" ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جن کی سفارش کرنے سے پیغمبر بھی روک دیے گئے ہیں مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ۴۰ : ۱۸ "قیامت کے دن ظالموں کا نہ تو کوئی دوست ہوگا اور نہ ایسا شفاعت کرنے والا جس کی شفاعت سنی جائے۔" وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا ۱۸ : ۵۹ "اگر ساری قوم ظلم کرنے لگی تو ان کی بستیاں ہلاک ہو جائیں گی" اور ایسا ہو چکا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۴ : ۴۸ "شرک اتنا بڑا گناہ ہے کہ سارے گناہوں کے بخشے جانے کا امکان ہے لیکن شرک کسی صورت میں نہیں بخشا جائے گا۔" کیوں شرک کیا ہے۔ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۳۱ : ۱۳۔ ظلم کیا ہے۔ مال و دولت۔ حکومت۔ عزت۔ عظمت۔ طاقت میں جو حق جس کا ہے وہ اس کو نہ دیا جائے۔ یہی ظلم ہے۔ شرک کیوں ظلم ہے اس لیے کہ مشرکین خدا کو اس کے درجے سے گراتے ہیں۔ جس عزت و عظمت و حکومت کے وہ لائق ہے وہ اس کو نہیں دیتے۔ خدا ساری مخلوق کا تنہا مالک ہے۔ اور سب کا انتظام وہ اکیلا ہی کرتا ہے مشرکین اس کی حکومت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ تنہا انتظام نہیں کر سکتا۔ اس کے ساتھ اوروں کو ملا دیتے ہیں۔ چونکہ وہ ظلم ہے اور خدا کی ذات کے ساتھ ظلم ہے۔ لہذا وہ نہیں بخشا جائے گا۔ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ ۱۱ : ۸۵ وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۵۵ : ۷، ۸، ۹۔ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۵۷ : ۲۵

ان آیات کو غور سے پڑھنا چاہیے۔ ناپ تول سے مطلب فقط کپڑے اور دال چاول کی ناپ تول نہیں ہے۔ ان کا یہ مطلب ہے کہ لوگوں کے حقوق ان کو دو۔ جو فضائل و خصائل کسی میں ہیں ان کا اعتراف کرو۔ اور ان کے مطابق ان کو تعظیم و عزت دو۔

اور ان کو ان کے مقام پر رکھو۔ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ۔ یہ نہیں کہ کسی پر غصہ آیا۔ یا کسی اور اغراض کے لیے اس کے فضائل کو چھپاؤ۔ اور دوسروں کو جو ان سے کم علم و فضیلت رکھتے ہیں ان پر ترجیح دو۔ عقبیٰ و دنیا کا مابہ الامتیاز یہی ہے کہ حشر میں، آخرت میں مطلقاً ظلم نہ ہوگا۔ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ط لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۴۰: ۱۷ آج ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا۔ آج کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ دشمن کے ساتھ بھی عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۵: ۸۔ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۵: ۲۔ یہ امر کہ کسی قبیلہ یا جماعت نے تم کو خانۂ کعبہ میں جانے سے روکا تھا۔ تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم بھی ان کے ساتھ زیادتی کرو۔ غور تو کرو۔ قصاص میں قتل تک کر دینے کی اجازت ہے لیکن ظلم کا بدلہ ظلم دینا، اس کی اجازت نہیں دی گئی۔

یہ تو معلوم ہو گیا کہ صراطِ مستقیم کیا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صراطِ مستقیم کس طرح ملتی ہے۔ دو طرح سے ملتی ہے۔ ایک تو بتانے سے کہ صراطِ مستقیم کیا ہے۔ وہ تو قرآن شریف نے بتا دیا اس کے مطابق تم کو اعتقاد رکھنا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ اور لوگوں کو عمل کرتا ہوا دیکھیں تاکہ ان کی پیروی کرکے ہم بھی ویسا ہی کریں۔ یہ قرآن شریف کا کام نہیں ہے۔ اب ہادیانِ عمل کی ضرورت ہوئی۔ اور خدائے تعالیٰ نے اصول قائم کر دیا کہ جنت میں صرف وہ ہی جائیں گے جن کے اعتقاد بھی صحیح ہوں گے اور عمل بھی نیک ہوں گے وہ لوگ جن کے اعتقادات صحیح ہیں لیکن عمل خراب ہیں یا وہ لوگ جن کے عمل نیک ہیں لیکن اعتقادات درست نہیں ہیں۔ وہ جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ جہاں جہاں جنت کے حصول کا ذکر ہے وہاں یہ فقرہ قرآن شریف میں آتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ لہٰذا جس طرح اعتقادات صحیح بتانے کے لیے قرآن شریف کے نازل کرنے کی ضرورت تھی اسی طرح ہادیانِ عمل مقرر کرنے کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ بھی ہے۔ وَقَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۶۰: ۴ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۶۰: ۶ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ

وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا۔ ۳۳: ۲۱

ان آیات سے یہ اصول معلوم ہو گیا کہ عمل نیک کے لیے پیرویِ ہادیانِ دین ضروری ہے کتاب اللہ محض اعتقادات کے لیے ہے۔ عمل کے لیے قرآنِ ناطق کی ضرورت ہے اور حصول جنت کے لیے ایمان و عمل دونوں کی شرط ہے۔ اب یہ معلوم کرنا باقی رہ گیا کہ وہ کون لوگ ہیں جن کے عمل کی پیروی ضروری ہے اور کون لوگ پیروی کر سکتے ہیں جو پیروی کرنا ہی نہ چاہے یا ہادیِ دین کی پیروی کو ضروری نہ سمجھے وہ کیا پیروی کرے گا لہٰذا معلوم ہوا کہ رسول کا اسوۂ حسنہ ان لوگوں کے لیے نفع بخش ہے۔ (۱) جو خدا کے اوپر اعتقادِ کامل رکھتے ہیں اور اس کے وعدوں کی اُمید پر زندگی بسر کرتے ہیں (۲) قیامت پر ایمان ہے اور (۳) خدا کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتے ہیں۔ اکثر سننے میں آیا ہے کہ اگر تم یہ خیال کرو گے کہ جنابِ رسولِ خداؐ کے تمام صحابہ اسوۂ رسول میں رنگے ہوئے اور لائق پیروی نہ تھے تو رسول خداؐ پر یہ الزام آئے گا کہ ان کی تعلیم و صحبت میں اثر نہ تھا۔ غالباً یہ بزرگوار ملائکہ و قربِ خدا پر یہی اعتراض کرتے ہیں کیونکہ یہ تو مسلم ہے کہ ابلیس باوجود اس دیرینہ صحبت و قرب کے ابلیس ہی رہا۔ بہرصورت یہ آیات اس حسنِ اعتقاد کی پوری تردید کرتی ہیں۔ کامل ایمان والوں ہی کو اسوۂ رسول نفع دے سکتا ہے جن کا ایمان کامل نہ تھا۔ ان کو صحبتِ رسولؐ نے کچھ فائدہ نہ بخشا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جن کے عمل کی پیروی ضروری ہے۔ ایک صاحب نے دو قرآن کا تخیل قرآن صامت و قرآن ناطق کے جملے سے لے کر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "دو قرآن"۔ اس سے اتنا تو ثابت ہوا کہ دو قرآن ہو سکتے ہیں لیکن ان بزرگ نے دوسرا قرآن اونٹ، مچھر، چیونٹی کو سمجھا ہے۔ اور ان چیزوں سے معرفتِ الٰہی حاصل کرنے کی ہدایت لوگوں کو دیتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ غور و فکر کرنے والوں کے لیے صحیفۂ فطرت میں بہت سے سبق ملتے ہیں لیکن صحیفۂ فطرت بھی کتاب صامت ہے۔ فرض کرو زید کو اس کے دوستوں نے دھوکہ دیا یا حکومت کی طرف سے اس پر جور ہوا۔ رشتہ داروں نے زبردستی کی یا موت نے اس سے اس کا پیارا لڑکا چھین لیا۔ لوگوں نے اس کی جائداد غصب کر لی۔ زید سوچتا ہے کہ میں کیا طرزِ عمل اختیار کروں۔ جب مصائب چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں تو وہ سمجھتا ہے کہ ان میں بسر کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ بعض دفعہ یہ بھی خیال آ جاتا ہے کہ شاید خدا ہی نہیں ورنہ

اگر وہ قادر مطلق حکیم مطلق ارحم الرحمین ہوتا تو محمد کیلئے پر اتنے مصائب نہ ٹوٹتے۔ اب فرمائیے کہ ان حالات کے اندر وہ صحیح طریقۂ عمل اونٹ سے جا کر پوچھے یا چیونٹی سے مصائب کے اندر صبر کی مثال زنبور سیاہ میں دیکھے یا عنکبوت میں۔ حیرت ہے کہ دوسرا قرآن اونٹ و مکڑی و چیونٹی تک کو ماننے کے لیے تیار ہیں لیکن جس کو رسولِ خدا نے قرآن کا ساتھی دوسرا قرآن کہا تھا یعنی عترت رسولؐ اس کو نہیں مانیں گے۔ آلِ رسولؐ سے اعراض کرنے کا جو سبق شروع میں پڑھا تھا ابھی تک ذہن سے نہیں اترا۔ ہم ایک واقعہ سُناتے ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ جناب امام جعفر صادقؑ سے ملنے گئے۔ جنابِ امام جعفر صادقؑ کے ہاتھ میں عصا تھا جو ان کے قد کی مناسبت سے لمبا تھا ابو حنیفہ نے کہا کہ آپ نے یہ ناموزوں عصا رکھا ہوا ہے۔ امامؑ نے فرمایا کہ یہ جناب رسول خداؐ کا عصا ہے۔ یہ سنتے ہی امام ابو حنیفہ اس عصا کو چومنے لگے۔ امام جعفرؑ نے فرمایا کہ میرا گوشت و پوست و بال جنابِ رسول خداؐ کے ہیں ان کو بوسہ نہیں دیتے اور اس لکڑی کی یہ تعظیم کر رہے ہو۔

اس سوال پر غور کرنے کے لیے کہ ہادیٔ عمل کون ہے پہلے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ ہادیٔ عمل کیسا ہونا چاہیے اوّل تو یہ ضروری ہے کہ ہادی خود ہر ایک نقص و گناہ سے مبرا ہونا چاہیے ورنہ انگریزی کی مثل صادق آئے گی (Blind leadmy the blind) اندھا کیا اندھے کا ہاتھ پکڑے۔ ظلم کا شائبہ نہ ہونا چاہیے ورنہ وہ کسی صورت میں ہادی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کے لیے امامت کی درخواست کی تو جواب ملا۔ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ عہدۂ امامت ظالموں تک نہیں پہنچے گا۔ یہاں ایک بات قابلِ غور ہے۔ دنیا اس طرح کی قائم ہوئی ہے کہ یہاں انسان دو حالتوں میں سے ایک حالت اختیار کرنے پر مجبور ہے۔ یا تو خود ظالم بنے یا مظلوم بنے۔ چنانچہ عالمگیر کو اپنے بھائیوں پر یورش کرنے اور ان کو قتل کرنے کے الزام سے بری کرتے ہوئے مولوی شبلی لکھتے ہیں کہ "حالت یہ تھی کہ یا تو عالمگیر خود اپنا قتل ہونا پسند کرتا یا اپنے بھائیوں کو قتل کرتا۔ اس نے دوسرے طریقے کو پسند کیا۔ خود قتل ہونے کے لیے بڑا جگرا چاہیے۔ ہٹلر کی کامیابی کا راز ہی یہ تھا کہ قبل اس کے کہ فریق ثانی کو معلوم ہو کہ ہٹلر میرا دشمن ہے ہٹلر کی تلوار اس کے سر پر پڑ جاتی تھی۔ فوجی نقطۂ نگاہ سے یہ بہت مفید ترکیب تھی۔ ہٹلر دشمن کے ملک میں

بہت دور چلا جاتا تھا قبل اس کے کہ وہ دشمن اس کے روکنے کی ترکیب سوچے undec lar edwar کا طریقہ جو رائج ہے وہ اس ہی اصول پر مبنی ہے۔ اخلاقیات کا جہاں تک تعلق ہے یہ لوگ اس طرح بحث کرتے ہیں کہ ہمیں قرائن اور واقعات سے معلوم ہو گیا کہ یہ ہماری مخالفت کرے گا۔ لہٰذا ہم نے اس کو یہ موقع ہی نہیں دیا قَتْلُ الْمُؤْذِي قَبْلَ الْاِيْذَا ان لوگوں میں مسلمہ اصول ہے۔ لیکن ہادیان دین کا درجہ اس سے بلند ہے ان کے نزدیک قَتْلُ الْمُؤْذِي قَبْلَ الْاِيْذَا کا اصول صرف زہریلے اور خطرناک جانوروں تک ہی محدود ہے۔ انسانوں پر حاوی نہیں وہ کہتے ہیں کہ اپنے قیاس سے کسی کو ملزم نہیں بنا سکتے انصافاً جرم سے پہلے جرم کی سزا نہیں دے سکتے۔ کیونکہ جانور محض اپنی عادت یا Instinct سے عمل کرتا ہے۔ وہ ضرور ڈنک مارے گا۔ انسان کو عقل دی گئی ہے۔ یہ یقینی نہیں ہو سکتا کہ وہ ضرور ہی ہمیں نقصان پہنچائے گا۔ یہ امکان بہرصورت باقی رہتا ہے کہ شاید آخری وقت میں اس کا ارادہ بدل جاتا۔ اور وہ جرم نہ کرتا بشری فطرت کی رو سے حضرت یعقوب کا گمان غالب یہ ہو سکتا تھا کہ حضرت یوسف کو ان کے بھائیوں نے قتل کر دیا ہے۔ لیکن ان کے قتل کی سزا نہیں دی اور اپنے گمان پر عمل نہیں کیا۔ چنانچہ وہ گمان غلط ثابت ہوا۔ حضرت علی کو معلوم تھا کہ ابن ملجم ان کو قتل کرے گا۔ روایاتِ صحیحہ سے پایا جاتا ہے کہ حضرت علی نے جب کئی دفعہ ابن ملجم سے کہا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ تو اپنے ہاتھ میرے خون سے رنگین کرے گا۔ تو ابن ملجم نے کہا کہ اگر یہ ہے تو آپ مجھکو پہلے ہی سے قتل کیوں نہیں کر دیتے فرمایا کہ جرم سے پہلے سزا نہیں دیجاتی۔ لڑائیوں میں فوجیں سامنے کھڑی ہیں۔ یقین ہے کہ لڑائی ہو گی۔ لیکن ان بزرگوں نے کبھی پہلے حملہ نہیں کیا جب تک کہ پہلا تیر دشمن کی طرف سے نہ آ گیا۔ مسلم بن عقیل ہانی کے گھر میں ہیں۔ وہاں شریک ابن اعور جو شیعہ تھے آ کر ٹھہرے۔ اور بیمار پڑ گئے۔ یہ بہت با رسوخ آدمی تھے۔ اور ابن زیاد ان کی بہت عزت کرتا تھا۔ اس نے کہلا بھیجا کہ میں شام کو تمہاری عیادت کو آؤں گا۔ شریک ابن اعور نے مسلم کو پردے کے پیچھے چھپا دیا۔ اور کہا کہ جب عبید اللہ ابن زیاد آ جائے گا۔ میرے پاس بیٹھے گا تو میں پانی مانگوں گا۔ تم فوراً

آن کر قتل کر دینا۔ چنانچہ ابن زیاد آیا۔ شریک ابن اعور نے کئی دفعہ پانی مانگا پھر شعر بھی پڑھے جن میں اپنی محبوبہ کو آنے کی تاکید کی تھی۔ اشارہ یہ تھا کہ مسلم آن کر قتل کر دیں۔ وہ نہ نکلے ابن زیاد چلا گیا۔ شریک ابن اعور نے مسلم سے پوچھا کہ تم نے کیوں نہ اسے قتل کیا۔ انھوں کہا کہ حضرت علی فرمایا کرتے تھے کہ دھوکہ سے قتل کرنا ہمارے مذہب کے خلاف ہے اور جائز نہیں۔ لہذا میں نے اسے قتل نہیں کیا۔ دیکھئے خود مظلوم بننا گوارہ کیا۔ ظالم نہ بنے۔ اگر اس وقت عبیداللہ ابن زیاد کو قتل کر ڈالتے تو کربلا کا نقشہ ہی بدل جاتا۔

لہذا ہادی عمل کی ایک شناخت یہ بھی ہوئی کہ اگر واقعات ایسے ہو جائیں کہ یا ظالم بنو یا مظلوم تو وہ مظلوم ہونا پسند کرے۔ ظالم نہ بنے۔

حکماء بنی نوع انسان کا یہ متفقہ فیصلہ ہے اور ہمارا روز کا مشاہدہ ہے کہ دنیا میں رنج و آلام و مصائب بہت زیادہ ہیں۔ کامل خوشی تو معدوم ہے۔ اور اگرچہ راحت ہے تو بہت قلیل آدمیوں میں نہایت قلیل عرصہ کے لیے ہے اور انجام کار ہر ایک کا رنج پر ختم ہوتا ہے جس نے موت کا نظارہ دیکھا ہے، اس کا غور سے مشاہدہ کیا ہے وہ ہماری اس رائے سے متفق ہوگا۔ غالب نے کیا خوب کہا ہے ؎

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

دنیا کی اس حالت کے مطابق دنیا کے حکماء نے اپنا اپنا نصاب فلسفہ قائم کیا۔ ایک فرقہ نے تو یہ کہا کہ جب دنیا کی یہ حالت ہے اور موت سر پر کھڑی ہے تو جتنا بھی وقفہ ملے وہ عیش و عشرت میں گزارنا چاہیئے۔ اس فلسفہ کو Epicureanism کہتے ہیں۔ اس کو یونان کے فلاسفر Epicurus نے جاری کیا تھا، اس کے مخالف دوسری جماعت ہے جو کہتی ہے کہ جو وقفہ ملتا ہے وہ بھی رنج سے خالی نہیں ہوتا۔ لہذا اس دنیا میں خوش رہنا اور اس زندگی کی تمنا کرنا بے سود ہے انسان کو چاہیئے کہ اپنے جذبات کو بالکل مٹائے۔ اس فلسفہ کا نام Stoicism ہے۔ اس کو یونان کے فلسفی Zeno نے ۳۰۸ ق م میں پھیلایا تھا۔ ان کا

خیال تھا کہ دنیا میں مادہ کے سوا کچھ نہیں جسم کے ساتھ روح بھی مرجاتی ہے۔

یہ دونوں فلسفے حشر و نشر و حیات بعد ممات کے قائل نہ تھے۔ لہذا یہ مجبور تھے کہ انسان کی حیات کو دنیا ہی کی زندگی تک منحصر رکھیں اور انسان کو ایسے طرز عمل کی تعلیم دیں جو محض دنیا ہی کی زندگی تک محدود ہے۔ دنیا کی بے ثباتی اور اس کے رنج و غم نے ان کے دماغ کو دو متضاد راستوں پر ڈال دیا اور اگر ان کے نقطۂ نگاہ سے بحث کی جائے تو دونوں درست تھے جب حساب کتاب نہیں حشر و نشر نہیں۔ یہی دنیا ہے تو کیوں نہ اس کے ہر لطف سے بہرہ اندوز ہوں۔ ایک تو یہ بحث ہوئی دوسری بحث یہ ہے کہ دنیا کا جو لطف و مزا ہوگا وہ ہیچ ہوگا، کیوں کہ اس کو قیام نہیں اور اس کے ساتھ بھی رنج کی آمیزش ہے۔ لہذا ایسی شئے سے سروکار رکھنا بے سود ہے چونکہ یہ دو متضاد بحثیں ہیں اور عقل انسانی کی رو سے دونوں صحیح معلوم ہوتی ہیں۔ اور حق محض ایک ہوتا ہے تو نتیجہ نکلا کہ جس اصول پر یہ دونوں بحثیں قائم ہیں وہ غلط ہے یہ دونوں بحثیں اس اصول پر قائم ہیں کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی نہیں۔ لہذا وہ اصول غلط ثابت ہوا۔ باطل ہے حق نہیں ہے۔ اب عیسائیت آئی عیسائیت حیات بعد ممات کی قائل ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰ کو اتنا موقع نہ ملا کہ وہ اپنے مذہب کے اصول کو اپنے جانشینوں کے دل میں راسخ کرتے۔ ان کے بعد جو مذہب عیسائیت کے استاد آئے وہ سب یونانی فلسفہ سے متاثر ہوئے۔ اور انھوں نے ان دونوں فلسفوں کو اپنے مذہب میں لے لیا۔ جذبات کو انھوں نے یہاں تک مارنے کی کوشش کی کہ عورت کو ایک بلا سمجھا۔ اس کا سایہ گناہ پیدا کرتا ہے۔ اس سے بچنا ہی نجات کا باعث ہے لہذا انھوں نے تعلیم دی کہ مذہبی رہنماؤں کو شادی نہ کرنا چاہیے۔ اور کنوارا ہی رہنا چاہیے ان کی خانقاہیں تعمیر ہوئیں۔ کنوارے مرد اور کنواری عورتیں علیحدہ علیحدہ خانقاہوں میں رہنے لگے۔ یہاں تک Stoicism کا اثر تھا لیکن چونکہ یہ خلاف فطرت تھا۔ اتنے خفیہ تعلقات مرد اور عورتوں کے ہونے لگے کہ ان کی خانقاہیں بدنام ہونے لگیں۔ انھوں سال میں ایک دفعہ موسم بہار میں مرد و عورتوں کا ایک مشترکہ جشن قائم کیا۔ جس میں یہ خوب شراب پیتے تھے۔ ناچتے تھے، گاتے تھے اور جب رات کے بارہ بجتے تھے تو فوراً سب چراغ گل کر دیے جاتے تھے۔ اور

جو عورت جس مرد کے ہاتھ آتی تھی خواہ وہ اس کی بہن ہو یا ماں ہو اس سے مباشرت کرتا تھا۔ یہ جشن انھوں نے یونان سے لیا تھا جس کو Bacchanalia کہتے تھے افلاطون کہتا ہے کہ میں نے ان جشنوں کے موقعوں پر اتھنز کے ہر ایک متنفس کو شراب سے مخمور پایا۔ انسانی مصائب و آلام کو کس نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیئے اور اس میں انسان کا کیا طرز عمل ہونا چاہیئے۔ دنیا اس مسئلے کو ابھی تک صحیح طریقہ سے حل نہ کر سکی۔ اب اسلام آتا ہے۔ اس نے حشر و نشر کی نہایت سختی سے تعلیم دی اور دنیا کو مزرعہ آخرت قرار دیا۔ دنیا کی کوئی حیثیت ہی نہیں، بالکل ہیچ ہے اگر آخرت پر ایمان نہ ہو اور دنیا کو مزرعہ آخرت نہ سمجھا جائے۔ اور دنیا سب کچھ ہے۔ اگر آخرت پر ایمان ہے اور دنیا کو مزرعِ آخرت سمجھتا ہے۔ دیکھئے وہ معمہ جس کو یونانی حکماء حل نہ کر سکے۔ عرب کے ایک امی نبی نے کیسی خوبصورتی سے حل کر دیا۔ عمل کی بھی تعلیم دی کہ مصائب میں صبر کرو۔ ہر حالت میں خدا کو قادر مطلق و عادل سمجھو۔ آخر کار تم پر مثقال ذرہ کے برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ حشر میں ایسا میزانِ عدل رکھا جائے گا کہ ظالم سے ذرہ ذرہ ظلم کا بدلہ دلا دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ ان مصائب کو ایمان کا محک امتحان قرار دیا گیا۔ یہ نہ سمجھو کہ تم نے کہہ دیا کہ ہم مسلمان ہیں اور تم مومن سمجھے گئے۔ ہم نے پہلی امتوں کا بھی امتحان لیا ہے۔ تمھارا بھی امتحان لیں گے۔ کس چیز سے۔ بھوک سے، مال و جان کے نقصان سے، ثمرات کے نقصان سے، اور جو صبر کرے گا، اُس کو اے رسول بشارت دیدیجیے۔ کیسا صبر۔ مصیبت کے وقت اس کا ایمان متزلزل نہ ہو اور وہ فوراً دل سے کہہ دے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن "ہم اور ہماری زندگی خدا کے لیے ہیں اور آخر کار ہم اس کی ہی طرف عود کریں گے۔"

یہ تو تعلیم تھی، عقائد تک محدود تھی۔ طریقہ بتا دیا گیا۔ یہ بتا دیا کہ صبر کس دماغی حالت کے ساتھ ہونا چاہیے مصیبت پڑتی ہے۔ جب کوئی چارہ نہیں تو برداشت کرنی ہی پڑتی ہے۔ وہ صبر نہیں ہے۔ صبر یہ ہے کہ ہر حال میں خدا کو خدا سمجھے۔ خوشی سے برداشت کرے۔ خدا کو عادل سمجھ کر برداشت کرے۔ اور کوئی ایسا فعل نہ کرے جو ایمان کامل کے خلاف ہو۔ عمل کر کے دکھانا ضروری تھا۔ وہ کون کرے، وہ ہادیان دین ائمۂ اسلام کریں، وہ کیسے ہونے چاہئیں۔

یہ ضروری ہے کہ وہ ایسے ہوں کہ جن پر ہر قسم کی مصیبت جو انسان پر پڑ سکتی ہے پڑے۔ مصیبت کا کوئی شعبہ غم کی کوئی قسم باقی نہ رہ جائے تاکہ ہر شخص اپنی مصیبت میں ان کی ویسی ہی مصیبت سے سبق حاصل کرے اور ان کے صبر کو دیکھ کر اس کا دل صبر کی طرف مائل ہو۔ اسلام کی قیامت تک آنے والی نسلوں کا ہادی اور رہنما بننا آسان کام نہیں۔ اور اس بوتہ میں سے گزرنا ہر ایک کی بس کی بات نہیں۔ بقول شاعر ؎

جوہر جام جم از طینتِ کانِ دگر ست
تو توقع زگلِ کوزہ گراں می داری

لہذا ہادیانِ دین میں یہ نمایاں خصوصیت ہونی چاہیے جس سے ان کی شناخت ہو سکے کہ ان پر دنیا کی ہر قسم کی مصائب پڑیں تاکہ

(۱) ان کے صبر سے لوگ صبر کرنا سیکھیں اور ان کی مثال زیر نظر رکھ کر کسی مصیبت میں مضطرب و مجنون نہ ہو جائیں۔ جب اپنے اوپر مصیبت پڑے تو یہ خیال کر کے دل کو تسلی دے لیں کہ ہمارے ہادیان اور اماموں پر اس سے زیادہ مصیبت پڑی ہے۔

(۲) ان کے صبر اور استقلال مزاج سے لوگوں پر ان کا درجہ عیاں ہو جائے۔

(۳) چونکہ مصیبت کو خداوند تعالیٰ نے ایمان کے لیے محک امتحان قرار دیا ہے لہذا اُن کی مصیبت کی وجہ سے ان کے ایمان کا درجہ معلوم ہو جائے۔

(۴) لوگوں کو سبق حاصل ہو جائے کہ مصیبت کے اندر کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔ ظالم سے کس حد تک اس کے ظلم کا بدلا لیا جائے۔ کب خاموش ہو جانا چاہیے۔ خدا کے عدل اور حشر و نشر کا اعتقاد کسی صورت میں متزلزل نہ ہونا چاہیے۔

اور بھی ہادیانِ دین کی شناخت کے طریقے ہیں۔ ان کا علم، درجہ ایمان و یقین، زہد و عبادت، ریاضت اپنے زمانے کے ہر ایک شخص سے زیادہ ہونا چاہیے۔ ورنہ وہ اپنے سے زیادہ علم و ایمان و عمل والے کے امام نہیں بن سکتے۔ ان امور و شرائط کو مد نظر رکھ کر صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ اسلام میں

آں حضرتؐ کے بعد ہادیانِ علم وعمل کون تھے۔ قرآن وحدیث سے تو بارہا ثابت ہوچکا ہے اور ہم اپنی تصنیفات میں اچھی طرح ثابت کرچکے ہیں کہ ہادیانِ اسلام کون تھے۔ یہاں از سرِ نو ان باتوں کو دُہرانے سے طوالت ہوگی۔ ان کو جانے دو اور جو کچھ ان کے سوانحِ حیات سے ثابت ہوتا ہے اس پر تو غور کرو وہ تو اٹل ناقابلِ انکار حقائق ہیں۔ ان سے دیکھو کیا ظاہر ہوتا ہے۔ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب اس طرح کسی بحث کی گنجائش باقی نہیں رہتی ان کے سوانحِ حیات کے تذکرہ کے لیے بھی ایک دفتر چاہیئے لیکن ہم یہاں اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اس پہ نظرِ غائر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ایک سلسلہ ہادیانِ دین کا آں حضرتؐ سے لے کر آپ کی عترت میں آپ کے ہمنام فرزند تک قائم کردیا۔

جناب رسولِ خداؐ نے اپنی آغوش میں حضرت علیؑ کو پالا۔ اور خود تعلیم دی۔ سب سے پہلے علی ایمان لائے۔ دعوت ذی العشیرہ کے موقع پر دعوت رسول کی سوائے علیؑ کے کسی اور نے لبیک نہ کہی۔ اور علی نے جو وعدہ اس دن کیا تھا اسے آخر عمر تک نبھایا۔ شبِ ہجرت حضرت علی نے صرف ایک سوال کیا کہ کیا میرے یہاں سونے سے آپ کی جان بچ جائے گی؟ جناب رسولِ خدا نے کہا کہ ہاں۔ علی نے سجدۂ شکر کیا اور پھر اطمینان سے سوگئے۔ پھر دوسرا سوال نہیں کیا۔ اور اپنی جان کا خیال تک نہ کیا۔ یہ نہیں کہا کہ میری جان کو تو کوئی خطرہ نہیں پہنچے گا۔ شروع سے آخر تک کسی جنگ میں راہِ فرار اختیار نہ کی۔ جب سب بھاگ گئے تو تن تنہا رسولؐ کی حفاظت کی۔ ان سب امور سے حبِّ رسول اور قوتِ ایمان ویقین کا ثبوت ملتا ہے۔ خدا کے عدل پر یقین تھا حشر ونشر پر یقین تھا۔ آخرت کی زندگی پر ایسا ہی یقین تھا جیسا کہ اس دنیا کی زندگی پر۔ پھر جان بچا کر میدانِ جنگ سے کیوں بھاگتے۔ وفاداری کی حد ہوگئی۔ جنازۂ رسولؐ کو چھوڑنا پسند نہ کیا حکومت پر لات ماردی۔ شاعر نے خوب کہا ہے ؎

رامیکہ روزِ وفاتِ پیمبرؐ
خلافت گذار و بہ ماتم نشیند

اسلام کے تحفظ کا ہمیشہ خیال رہا۔ اسلام کے مٹ جانے کے خیال سے

اپنے حقوق چھوڑ دیے۔ تلوار نہ اٹھائی۔ بہت سے واقعات ہیں۔ ہم کن کن کا ذکر کریں۔ امام حسنؑ نے جب دیکھا کہ اب معاملہ ذاتیات پر آپڑا مزید لڑائی سے اسلام ومسلمانوں کا خطرہ ہے فوراً دامن کو حکومت سے جھاڑ کر علیحدہ کھڑے ہوگئے۔ دیکھ لیا کہ اب یہ حکومت رکھنے کے قابل نہیں۔ امام حسینؑ نے جو کیا اس کے سب قائل ہیں۔ ساری تکالیف اٹھائیں۔ گھر لٹا دیا۔ یزید سے بیعت نہ کی۔ جب ہی تو لوگ معترف ہوئے کہ ؎

سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
واللہ کہ بنائے لا الٰہ ہست حسینؑ

حسینؑ کفر سے آخری جہاد کرگئے تھے۔ لہٰذا ان کے بعد جو ائمہ آئے ان کے لیے جہاد کا موقع نہیں رہا تھا۔ لیکن انھوں نے کسی امامِ جور کی بیعت نہیں کی اور نہ کسی بادشاہ نے ان سے بیعت طلب کی اور سب سے بڑی بات جو ہے وہ یہ ہے کہ باوجود حالات مخالف ہونے کے انھوں نے تعلیم اسلام کو جاری رکھا ان میں سے ہر ایک کا دروازہ ہدایت کے لیے کھلا رہتا تھا اور وہ مرجع خلائق تھے۔ اِس علانیہ دلیرانہ تعلیم اسلام کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر ایک بادشاہ ان سے خائف رہتا تھا اور ان کا مخالف تھا۔ ان میں سے کوئی اپنی موت نہیں مرا۔ ہر ایک کو بادشاہِ وقت نے کسی نہ کسی طرح قتل کیا۔ انھوں نے قتل وقید خانہ کے مصائب برداشت کیے لیکن تعلیم رسول کو نہ چھوڑا۔ جو ہدایت کا درجہ جناب رسول خداؐ ان کے لیے مقرر کرگئے تھے۔ اس پر قائم رہے۔ اپنی جگہ کو نہ چھوڑا کیا کہیں اور ایسی مثالیں مل سکتی ہیں؟ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ اس طریقے کو چھوڑ کر بادشاہِ وقت کے دسترخوان پر جا پہنچتے اور اس کے مصاحب بن جاتے۔ وہ بھی وظیفہ مقرر کرکے ان کو نہایت خوشی کے ساتھ اپنا غلام بنا لیتا۔ وہ اپنی سلطنت کی طرف سے مطمئن ہوجاتا اور یہ اپنے جان ومال و آزادی کی طرف سے۔ دنیاوی ثروت وعروج کا زمانہ تھا بہت مزے سے زندگی گزرتی لیکن انھوں نے جانشینیٔ رسولؐ کو مصاحبتِ بادشاہ پر اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دے کر ثابت کردیا کہ جو پیغام ان کے جد بزرگوار لائے تھے وہ واقعی حق پر مبنی تھا۔ اور یہ

اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی جو حضرت آدم سے شروع ہو کر حضرت شیثؑ و نوحؑ و ابراہیمؑ و موسیٰؑ سے ہوتا ہوا اب تک حضرت عیسیٰ تک پہنچا تھا۔ ورنہ ایک شخص کا اتفاقاً صاحبِ قابلیت ہونا اور خدا کی طرف رجحان رکھنا ایک طویل سلسلے کو نہیں ثابت کرتا۔

یہ تعلیم مکمل نہ ہوتی اگر اس سلسلے میں کوئی عورت نہ ہوتی۔ کیونکہ مرد اور عورت کے فرائض میں ذرا سا اختلاف ہے۔ جناب رسول خداؐ نے مباہلے کے دن اپنے ساتھ اپنی دختر جناب فاطمہؑ کو ساتھ لے کر دنیا کو یہ بتا دیا کہ ان کی عترت میں عورتیں بھی ہادی ہوتی ہیں۔ اب تک عورتوں میں صرف حضرت مریم ہی کا ذکر آیا تھا۔ لیکن ان کے سوانح حیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بچے کو پالنے اور عبادتِ الٰہی کرنے کے علاوہ انھیں کسی اور فرض کے ادا کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی امت مغالطہ میں پڑ گئی اور انھوں نے دنیا کو تعلیم دینی شروع کر دی کہ عورت میں روح نہیں ہوتی۔ یہ جنت میں جانے کے قابل نہیں۔ یہ ابلیسی سانپ کی ساتھی ہے۔ بدی مجسم ہے۔ اس میں خود نیکی نہیں۔ اور جو اس سے تعلق رکھے وہ بھی نیکی سے دور ہو جاتا ہے۔ عبادت کے لیے سمِ قاتل ہے۔ غرض کہ جو جو صفات و خصائل بد انھوں نے شیطان کی طرف منسوب کیے وہ ہی عورت کی طرف منسوب کر دیے۔ یقیناً یہ تعلیم خداوند تعالیٰ کی حکمت و صنعت خلاقی کے اوپر ایک الزام عائد کرتی تھی کہ اس نے ایسی بری شئے پیدا کرنے میں معاذ اللہ غلطی کی۔ اسلام کا فرض ہوا کہ وہ اس خیال کی تردید کرے۔ اور جناب رسول خداؐ نے بتایا کہ یہی نہیں کہ عورت نیکی کا فرشتہ بن سکتی ہے بلکہ کارِ نبوت میں شرکت کر سکتی ہے اور امت کے لیے ہادی ہو سکتی ہے۔

ان ہادیانِ دین کے سوانح حیات انسان کے لیے مکمل درسِ ہدایت پیش کرتے ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ جناب فاطمۃ الزہرا صلوات اللہ علیہا کے سوانح حیات سے ہم کیا سبق لے سکتے ہیں۔ آپ کو مصائب و آلام دنیا سے حصہ وافر ملا۔ چنانچہ آپ خود فرماتی ہیں کہ ؎

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّهَا
صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

اب غور سے دیکھیے کہ ایسے مصائب و آلام کے اندر جناب فاطمہؑ نے اپنی زندگی کس طرح گزاری۔ ان کی طرزِ رہائش کو ایک مسلمان عورت کے مندرجہ ذیل فرائض کی نسبت سے دیکھا جائے گا۔

(ا) عورت کے حقوق۔
(ب) عورت کے فرائض۔
(ج) عورت کا تعلق امورِ خانہ داری سے۔
(د) اس کا طرزِ عمل خاوند سے۔
(ھ) اس کا طرزِ عمل اولاد سے۔
(و) حقوق اللہ کی ادائیگی
(ز) حقوق العباد کی نگہداشت۔

اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ موجودہ مسلمان عورت کا طرزِ رہائش کیا ہے اور جناب فاطمہ کے طرزِ رہائش کو مدِ نظر رکھ کر اسے کہاں کہاں اصلاح کی ضرورت ہے۔

(ا) عورت کے حقوق (ب) عورت کے فرائض۔

عورت کے علیحدہ حقوق و فرائض اس کی ازدواجی زندگی سے شروع ہوتے ہیں۔ جب تک وہ اپنے والدین کے گھر میں رہتی ہے اس کے وہی حقوق و فرائض ہوتے ہیں جو اولادِ نرینہ کے ہوتے ہیں۔ فقہ اسلام میں حقوق و فرائض وابستہ ہیں۔ کوئی حق نہیں جس کے ساتھ فرض نہ لگا ہو۔ اور کوئی فرض نہیں جس کے لیے حق نہ ہو۔ یہاں تک کہ جب رسول کو اجازت دی گئی کہ تم لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرو۔ تو اُن پر یہ فرض بھی عائد کیا گیا کہ تم ان کے لیے دعا مانگو تاکہ تمھاری دعا سے یہ فائدہ اٹھائیں خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۹ : ۱۰۳ عقل کا بھی یہی تقاضا ہے کہ فرائض و حقوق وابستہ ہوں۔ محبت دائمی کے لیے بھی یہ ضروری ہے۔ ورنہ سارے حقوق

ایک طرف ہوں اور سارے فرائض دوسری طرف تو جس کے ذمہ تمام فرائض ہیں وہ اس سے کبھی محبت نہ کرے گا۔ جو اپنے حقوق ہی لینا جانتا ہے اور اپنے فرائض کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ دو فریقین میں جو کمزور ہے پہلے اس کا حق ادا کیا جائے گا اس کے بعد اس سے اس کی فرض کی ادائیگی کا تقاضا کیا جائیگا عورت کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے جسم کو اپنے خاوند کے لیے پیش کرے لیکن فقہ اسلام نے اس کے لیے یہ شرط رکھی ہے کہ پہلے اس کا حق یعنی مہر ادا کردو تب اس سے اس فرض کی ادائیگی کا مطالبہ کرو۔

ازدواجی زندگی میں سب سے پہلا حق عورت کا یہ ہے کہ اس کا خاوند اسکے لیے گھر مہیا کرے جس گھر کی وہ مالکہ مطلق ہوئے۔ سوائے خاوند کے اس گھر میں اس کا کوئی حاکم نہیں ہے اگر اس گھر میں اس کا کوئی حاکم ہوا جس کے زیر دست وہ رکھی جاتی ہے تو اس سے تین نہایت بڑی خرابیاں پیدا ہوں گی۔ اوّل تو یہ کہ وہ اولاد کی تربیت اچھی طرح نہ کر سکے گی۔ اولاد کی تربیت کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کو تادیب کرنے والے کے اوپر دوسرا حاکم نہ ہو۔ ورنہ اولاد میں نافرمانی کا جذبہ پیدا ہو جائے گا۔ تادیب میں سختی کا ہونا ضروری ہے۔ اور بچے اس سختی کے خلاف اپنی والدہ کے حکمرانوں کی طرف رجوع کریں گے اور ماں کو بھی ڈر رہیگا کہ اگر میں نے سختی کی تو ان بچوں کی محبت مجھ سے منقطع ہو کر ان کی دادی اور پھپھی کی طرف چلی جائے گی۔ اور وہ بچوں کو اپنا کر لیں گی۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ اس عورت کو اس گھر سے نہ محبت ہوگی اور نہ دلچسپی۔ جب گھر میں وہ اپنے تئیں آزاد نہیں پاتی، جانتی ہے کہ یہاں ہر وقت مجھ پر نکتہ چینی ہوتی رہتی ہے میری برائیاں نکالنے کے سب درپے ہیں۔ میری حسن تدبیر و حسن انتظام کی تعریف کرنے والا کوئی نہیں، نہ میں اپنی مرضی کا کھا سکتی ہوں، نہ میں اپنی مرضی کا پہن سکتی ہوں، ہمیشہ یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ خاوند کے دل کو مجھ سے پھیرنے والے بہت ہیں میرے ہنروں کو چھپاتے ہیں۔ اور میرے عیبوں کو دس گنا اضافہ کر کے میرے خاوند سے بیان کرتے ہیں۔ اگر خاوند نے ذرا سی بات بھی غصہ کی کی تو وہ قدرتاً یہی سمجھے گی کہ یہ میری ساس نندوں کے لگانے کا اثر ہے۔ ایسے گھر کو اگر وہ قید خانہ نہ سمجھے

تو کیا سمجھے اور ایسے گھر سے محبت ہوتی تو بالکل ہی ناممکن ہے مسلمانوں میں یہ خرابی ہندوؤں کے خاندان مشترک کی تقلید سے آئی۔ پرانے زمانے کے بنے ہوئے گیت جو لڑکیاں برسات میں جھولا جھولتے ہوئے گاتی ہیں وہ ان کی طرز رہائش پر اچھی روشنی ڈالتے ہیں۔ اکثر گیتوں میں ساس اور نندوں کے ظلموں کا ذکر ہوتا ہے اور ان سے نجات پانے کی تمنا۔ جن ظالموں کے ظلم کی یہ انتہا ہے کہ خاوند کے مرتے ہی عورت کو زندہ جلا دو۔ نہ اس کی اولاد کا خیال کرو اور نہ اس کی زندگی کا ان کے اس انتہا سے پہلے کے ظلم کا قیاس بھی اس ہی پر کر لو خاوند کی زندگی ہی میں وہ کیا اس کو آرام دیتے ہوں گے۔ تیسری برائی اس طرز رہائش میں یہ ہے کہ عورت ہمیشہ رنجیدہ رہے گی۔ دل جلتا رہے گا۔ ساس نندوں کے طعنے سنتے سنتے زندگی سے بیزار ہو جائے گی ع آزردہ دل آزردہ کند انجمنے را۔ ایسی عورت اپنے خاوند کو کیونکر خوش رکھ سکتی ہے۔ خاوند باہر سے آئے گا اس امر کا متمنی ہوگا کہ گھر میں مجھے ایک ہنستا ہوا پھول نظر آئے جو میری دن بھر کی کوفت کو زائل کر دے۔ لیکن جب وہ گھر میں آتا ہے تو سب سے پہلے ماں بہنوں کی شکایتیں سنتا ہے۔ عورت کو دیکھتا ہے کہ کونے میں بیٹھی ہوئی رو رہی ہے اس کو اپنی زندگی وبال جان نظر آتی ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں نے یہ سبق بہت جلدی یاد کر لیا۔ اور اپنے رسول کی تعلیم کو بھول گئے حضرت علی نے جب خواستگاری فاطمہ کی تو اس کو قبول کرنے کے بعد پہلی بات جو رسولخدا نے کہی وہ یہ تھی کہ اے علی تم فاطمہ کے لیے علیحدہ مکان لے لو چنانچہ حضرت علی نے علیحدہ مکان لے لیا اس وقت فاطمہ بنت اسد مادر حضرت علی زندہ تھیں۔ ان کا انتقال سنہ ۴ھ کے آخر میں ہوا ہے[۱۶۵] اس کے بعد آنحضرت نے فرمایا کہ فاطمہ کا مہر ادا کرو۔ چنانچہ آنحضرت کے ارشاد کے مطابق حضرت علی نے اپنی زرہ فروخت کر کے مہر ادا کیا۔ ادائیگی مہر کی اتنی تاکید ہے۔ آج کل لڑکیوں کے والدین ہزاروں روپئے کا مہر بندھوا لیتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ یہ عورت کی قیمت ہے جتنی قیمت زیادہ ہوگی اتنی ہی عورت کی قدر ہوگی۔

فقہ اسلام کی یہ تاکید اشد ہے کہ عورت کے لیے خاوند ویسا ہی ماحول پیدا

---

[۱۶۵] اسوۃ الرسول جلد دوم ص۵۲۱ بحوالہ اسد الغابہ ابن الاثیر۔

کرے جس کی وہ اپنے میکے میں عادی رہ چکی ہے۔ جس آسائش کے ساتھ وہ اپنے والدین کے گھر میں رہتی تھی وہی آسائش خاوند اس کے لیے اپنے گھر میں پیدا کرے یہ نہیں کہ میکے میں تو لڑکی کے پاس خادم و باورچی تھے جو گھر کا سب کام کرتے تھے اور یہاں خاوند نے دس سیر آٹا آگے رکھدیا کہ جون جولائی کی گرمیوں میں چولھے کے آگے بیٹھ کر پکائے۔ پھر لڑکی جھاڑو دے۔ گھر کی چیزیں صاف کرے وقت بچے تو کپڑے دھوئے۔ یہ ظلم محض ہے اگر عورت اپنی خوشی سے یہ کام کرتی ہے تو اس کا احسان ہے کہ جس کی قدر خاوند کو کرنی چاہیئے۔ لیکن اگر وہ نہ کرے تو اس سے جبراً یہ کام نہیں لیا جاسکتا۔ اگر وہ نہیں کرسکتی تو خاوند کو یہ حق نہیں ہے کہ اس وجہ سے اس سے ناراض ہوجائے اگر وہ غریب ہے۔ اس خرچ کی برداشت نہیں ہے تو امیر گھرانے کی لڑکی لانے کی تمنا کو اپنے دل سے نکال دے۔ چنانچہ جناب رسولِ خدا نے حضرتؑ علیؑ سے فرمایا کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ محبت و شفقت کے ساتھ پلی ہے تم بھی اس کی دلجوئی میں تقصیر نہ کرنا۔

یہ حقوق تھے زوجہ کے۔ اس کے بعد فرائض شروع ہوتے ہیں۔ جنابِ فاطمہ کو مخاطب کرکے آں حضرتؐ نے فرمایا کہ اپنے خاوند سے محبت کرنا۔ اس کے ہر ایک حکم کی اطاعت کرنا۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ علی کبھی تمھاری شکایت کریں۔ ان سے ایسی بات کی فرمائش نہ کرنا جو وہ نہ کرسکتے ہوں۔ اپنے دُکھ درد سُنا کر ان کے دل کو رنجیدہ نہ کرنا۔ سادہ زندگی بسر کرنے کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ رنگین پردہ اور چاندی کے کنگن دیکھ کر ناراض ہوگئے۔ بعض موقعوں پر دورانِ گفتگو میں یہ بھی فرمایا کہ اگر میں خدا کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو زوجہ سے کہتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ فرائض کی بھی انتہا ہوگئی۔ عورت کو چاہیے کہ خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے۔ یہ ہمیشہ مدنظر رکھے کہ خاوند کی زندگی و صحت کے ساتھ اس کی خوشی وابستہ ہے۔ کبھی گھر کی عسرت و غربت کی شکایت خاوند سے نہ کرے۔ اور نہ کسی اور سے کرے۔ اپنا وقت بے فائدہ کے لہو و لعب میں نہ گزارے۔ آپس میں بیٹھ کر عورتوں کی یا محلہ والوں کی عیب جوئی کرنا بہت بُرا ہے۔ دیکھو جناب فاطمہ نے چکّی پیسی، پانی بھرا، جھاڑو دی لیکن کسی سے شکایت نہ کی۔

اور حضرت علیؑ نے بھی ان کی اس صفات کی بہت قدر کی۔ خاوند کے جائز احکام کی اطاعت کرنا عورت کا فرض ہے لیکن خاوند کو بھی چاہیے کہ ایسے احکام صادر نہ کرے جو عورت کی طاقت و وسعت برداشت سے باہر ہوں۔ جب خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم کسی انسان کو اس کی قدرت و وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے تو خاوند کو کب جائز ہے کہ وہ ایسے احکام صادر کرے۔

جہاں تک نکاح کا تعلق ہے مسلمانوں نے ہندوؤں کی تقلید کرکے اپنی حالت کو تباہ کرلیا ہے۔ خاندان مشترکہ کی خرابی کا ذکر ہم کرچکے ہیں۔ اس کے علاوہ جو اور ازدواجی زندگی کو تلخ کرنے والے امور ہیں۔ وہ جہیز، مہر، بری ہیں۔ جہیز لڑکی والے مہیا کرتے ہیں۔ مہر خاوند ادا کرتا ہے یا اس کو ادا کرنا چاہیے۔ بری وہ تحائف ہیں جو خاوند اپنی نئی عروس کو دیتا ہے۔

مہر:۔ حد سے زیادہ مہر مقرر کرنا گناہ بے لذت ہے۔ زیادہ مہر دو وجوہات سے مقرر کیا جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ کم مہر والی لڑکی کی قدر نہیں ہوتی۔ مہر کو قیمت تصور کرلیا گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ زیادہ مہر خاوند کے اوپر ایک قسم کا دباؤ رکھتا ہے۔ ورنہ اگر کم مہر ہوگا تو جب جی چاہے گا عورت کو طلاق دے کر علیحدہ کردے گا۔ یہ دونوں وجوہات غلط ہیں اور ان سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جس کے لیے یہ مقرر کیا گیا ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ مہر تمھاری لڑکی کی قیمت ہے۔ تمھاری لڑکی کی قیمت تو کئی کروڑ بلکہ کئی ارب روپیہ دیا جائے تب بھی ادا نہیں ہوگی۔ اولاد قیمت پر فروخت نہیں کی جاتی۔ اس خیال کو دل سے نکال دو۔ اگر تم نے اپنی لڑکی کی قیمت ایک لاکھ یا دو لاکھ روپیہ رکھی ہے تو تم اس کو بہت ارزاں فروخت کر رہے ہو۔ دوسرے خیال میں بظاہر کچھ منطق ہے لیکن وہ بھی غلط ہے۔ اگر تمھاری اور تمھاری لڑکی کی قسمت ایسی بُری ہے کہ اُسے نہایت بدطینت خاوند ملا ہے۔ تو وہ اس کو اتنا تنگ کرے گا کہ وہ لڑکی اس کو بہت غنیمت سمجھے گی کہ وہ مہر چھوڑ دے اور خاوند اس کو چھوڑ دے۔ اگر معاملہ عدالت میں گیا اور لڑکے کی حیثیت کم ہے تو جج صاحب لاکھوں کے مہر کو سیکڑوں پر لے آئیں گے رسولِ خداؐ کی لڑکی سے زیادہ تو کسی کی قدر و قیمت نہیں ہوسکتی۔ انھوں نے خاوند کی مالی حالت کے تناسب سے مہر مقرر کیا۔ اور فوراً ادا کرالیا۔ کاش مسلمانوں کو بھی اپنے

رسولؐ کی پیروی کی توفیق ہو جائے تو کیا اچھا ہو۔ خاوند کی مالی حالت کے مطابق مہر مقرر کیا جائے۔ اور وہ پھر فوراً لڑکی کو ادا کر دیا جائے۔ یہ بھی خیال رہے کہ لڑکی کو ادا کر دیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے والدین یا دیگر رشتہ دار ان لے لیں۔ جناب رسول خداؐ نے سارا مہر لڑکی پر خرچ کرا لیا۔ ایسا بھی نہ ہونا چاہیے کہ پھر خاوند ہی بیوی کو بہلا پھسلا کر وہ مہر کا روپیہ واپس لے لے۔ دونوں طرف سے ایمانداری کی ضرورت ہے۔

جہیز:۔ یہ وہ لعنت ہے جو مسلمانوں نے ہندوؤں سے لی ہے۔ ہندو تو لڑکی کو زیادہ جہیز دینے میں حق بجانب تھے۔ ان کے یہاں لڑکی کو ورثہ نہیں ملتا اس خیال سے کہ ان کی اولاد ہمیشہ کے لیے اُن سے جُدا ہو رہی ہے۔ اور اب اس کا کوئی حصہ ان کے مال میں نہیں ہے انھوں نے لڑکی کو زیادہ جہیز دیدیا تو کچھ حرج نہیں مسلمانوں میں تو لڑکی کو ورثہ ملتا ہے۔ انھیں کیا ضرورت ہے کہ اپنی دیگر اولاد کے حقوق میں کمی کر کے لڑکی کو دیں۔ ہم نے اکثر خاندان جہیز کی فراہمی میں برباد ہوتے دیکھے ہیں۔ قرض لیتے ہیں اور اتنا قرض لیتے ہیں کہ کئی پشتوں تک وہ ادا نہیں ہو سکتا۔ رسول خداؐ نے اپنی مالی حالت کے مطابق جہیز دیا۔ اور اس کے لیے کسی سے قرض نہیں لیا۔ اس حماقت کے محرک دو خیال ہیں۔ ایک تو یہ کہ کم جہیز سے ہم چشموں میں ہیٹی ہو گی۔ جب اوروں نے زیادہ جہیز دیا ہے تو ہم کیوں نہ دیں دوسرا خیال یہ ہے کہ سسرال میں زیادہ جہیز سے قدر ہو گی۔ یہ دونوں خیال غلط منطق پر مبنی ہیں۔ اس کا خیال نہ کرو کہ دوسرے لوگ کیا کہیں گے بلکہ یہ دیکھو کہ یہ فعل جو ہم کر رہے ہیں وہ عاقلانہ ہے یا احمقانہ۔ نیک ہے یا بد ہے۔ باعث ثواب ہے یا موجب گناہ ہے۔ اپنی حیثیت کے مطابق جہیز دینا اور اس کے لیے مقروض نہ ہونا یقیناً ایک عاقلانہ فعل باعث ثواب ہے۔ یہاں رائے تو نہیں لی جاتی۔ یک صد احمق ایک عاقل سے تو زیادہ نہیں ہو جاتے۔ یہ خیال کرنا کہ یک صد احمق کیا کہیں گے فضول ہے۔ اور پھر ہم تو ساری سوسائٹی کا تذکرہ کر رہے ہیں جب سب ہی اس طرح کرنے لگیں گے تو ہم چشموں میں گرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ رہا دوسرا خیال کہ سسرال میں قدر ہو گی۔ تو یہ تو وہی پرانا قسمت کا پھیر ہے جب تک کہ

تمھاری سوسائٹی کا رسم و رواج و طرز رہائش یہی رہے گا جواب ہے اور جب تک لڑکی کے نکاح کرنے کا طریقہ وہی رہے گا جو اب ہے۔ اس وقت تک تم اور تمھاری لڑکی سسرال کے ظلم سے نہیں بچ سکتی۔ خواہ کروڑوں روپیہ کا جہیز دے دو۔ تمھارا نکاح کرنے کا طریقہ تو یہ ہے جو لاٹری نکالنے کا ہوتا ہے ایک بڑا تاریک تھیلا ہے۔ اس میں کھرے اور کھوٹے روپے پڑے ہیں۔ ہاتھ ڈال کر آنکھوں پہ پٹی باندھ کر نکالا کھرا نکلا تمھاری لڑکی کی قسمت اچھی ہے۔ کھوٹا نکلا عمر بھر کے لیے اسے جہنم مل گیا۔ اگر کھوٹا ہے تو اسکی ھل من مزید جاری ہی رہے گی خواہ کروڑوں روپے کا جہیز دے دو۔ جتنا زیادہ دوگے اس کی حرص بڑھے گی۔ سمجھے گا یہ گھر مالدار ہے اس کو خوب نوچو۔ ہمارے پاس ایک مقدمہ تھا جس کے واقعات یہ تھے کہ خاوند لڑکی کو مجبور کرتا رہتا تھا کہ اپنے والدینؑ کے یہاں سے روپیہ لائے۔ اور وہ دے دیتے تھے۔ پھر ایسا ہوا کہ ان کے پاس روپیہ نہ رہا۔ شوہر نے بدستور سابق لڑکی کو مجبور کیا۔ وہ جانتی تھی کہ اب میرے ماں باپ کے پاس روپیہ نہیں۔ جاکر ان سے کیا کہوں۔ لڑکی نے انکار کر دیا اس کے خاوند نے اور خاوند کی ماں نے بہت کچھ ظلم و تعدی کی۔ لوہے کی سلاخیں گرم کر کے اس کے بدن کو داغ دیئے جب اس پر بھی وہ اپنے باپ سے روپیہ مانگنے نہ گئی تو اس کی بوٹیاں کر کے قتل کر دیا حالانکہ یہ لڑکی بہت جہیز لائی تھی۔ اور نکاح کے بعد بھی والدین کے یہاں سے لاتی رہی۔ امیر خاندان تھا نیک عادت کی لڑکی تھی۔ بہت حسین تھی لیکن اس کا یہ حشر ہوا۔ اگر قسمت سے نیک لڑکا ملا ہے تو وہ جہیز کی پرواہ ہی نہ کرے گا وہ کہے گا کہ مال اور عزت وہ ہے جو اپنے زور بازو سے حاصل کی جائے اور اگر بُرا لڑکا ملا ہے تو وہ جہیز بھی بیچ کر کھا جائے گا۔

پاکستان و ہندوستان کے مسلمانوں میں لڑکی کے نکاح کرنے کا طریقہ ہی غلط ہے۔ لڑکی کو ایک بے زبان جانور سمجھا جاتا ہے۔ کبھی عزت کے خیال سے کفو تلاش کیا جاتا ہے۔ کبھی دولت کے خیال سے۔ کبھی سیاسی اغراض سے اس بے زبان کو دوسرے کے حوالے کیا جاتا ہے۔ لڑکی کی خوشی اور جذبات کا کوئی خیال ہی نہیں کرتا۔ دیکھو جناب رسولؐ خدا نے فرمایا تھا کہ میں فاطمہ کا نکاح علی سے بحکم خداوندی کر رہا ہوں اور خدا نے عرش پر ان کا نکاح کر دیا ہے لیکن پھر بھی

جناب فاطمہ کی رضامندی حاصل کی گئی۔ اور اس رضامندی کے بعد نکاح ہوا آج کل مسلمانوں میں تو یہ ہے کہ لڑکی کی باضابطہ رضامندی محفل نکاح میں سے اٹھ کر صرف مولوی صاحب ہی لینے آتے ہیں۔ اگر لڑکی کے دل کے خلاف بھی ہے تو وہ ایسے آخری موقع پر کیا کرے۔ بعض دفعہ دل کڑا کر کے خاموش رہتی ہے تو اس کی ماں اور سہیلیاں مجبور کرتی ہیں کہ مولوی صاحب کھڑے ہیں جلدی سے ہاں کر دے۔ اور اگر اس پر بھی خاموش رہی تو ان میں سے کوئی بول اٹھتی ہے کہ ہاں اور سب کہنے لگتے ہیں کہ لو مولوی صاحب لڑکی نے ہاں کر دی مولوی صاحب بیچارے کو اگر شبہہ بھی ہو گیا ہے تو انہیں کون جرح کرنے دیتا ہے۔ اور پھر انھیں جرح کرنے کی غرض بھی کیا ہے۔ جو شال دوشالہ ملتا وہ بھی نہ ملے گا۔ لوگ وہمی کہنے لگیں گے سو الگ۔ اور پھر کوئی نکاح پڑھوانے کے لیے انھیں کیوں بلائے گا۔ اتنی بڑی سزا۔ اتنی خفیف سی ضمیر کی آواز۔ اور بیسویں صدی کا مولوی۔ بس اس قصے کو جانے ہی دو۔

(ج) امور خانہ داری۔

اپنے گھر کا خود کام کرنے میں نہ جناب فاطمہ کو کبھی شرم آئی۔ اور نہ حضرت علی کو انھوں نے اپنے گھر کا کام کیا۔ اور شوق سے کیا۔ دل سے کیا۔ اس میں خوشی محسوس کی۔ اپنا فرض سمجھ کر کیا۔ اور اس کو موجب ثواب اور باعث رضائے الٰہی سمجھا۔

تقسیم کار یہ تھی کہ باہر کا کام حضرت علی کرتے تھے۔ صبح کی نماز پڑھتے ہی تلاش معاش میں باہر چلے جاتے تھے۔ شام کو جو کچھ ہو سکا لائے۔ اور حضرت فاطمہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ گھر کا سارا کام حضرت فاطمہ کرتی تھیں۔ بچوں کو نہلانا دھلانا تربیت دینا کھانا پکانا۔ گھر کے کنویں سے پانی بھرنا۔ گھر کی صفائی کرنی یہ سب ان کے ذمہ تھا عسرت سے گذرتی تھی۔ لیکن کبھی خاوند سے تنگی یا اپنی تکلیف کی شکایت نہیں کی جب علی باہر سے تشریف لاتے تھے یہ خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کرتی تھیں خواہ کئی روز سے کھانا نہ ملا ہو۔ خاوند کو خوش رکھنا اور اس کے آرام کی ہر طرح سے خبر گیری کرنا آپ کا کام تھا حضرت علی نے بھی ان کو گھر کی مالکہ کاملہ بنا دیا تھا۔ ان کے کام میں نہ خود دخل دیتے تھے نہ کوئی اور دخل دیتا تھا۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ چکی کی مشقت میں حضرت علی نے امداد کر دی ہے۔ ازدواجی راحت

اطمینان کا یہ گھر نمونہ تھا۔

یہ وہ امور ہیں جو حضرت فاطمہ کی عظمت و عزت ہماری نظروں میں بڑھانے کے علاوہ رسالت محمدیہ کی تصدیق و توثیق کرتے ہیں۔ جو شخص محض دنیا کی ثروت و عزت کے لیے جھوٹی رسالت لوگوں کے سامنے پیش کر کے ان کا سردار و بادشاہ بننا چاہے گا وہ اپنی اولاد کو عسرت و فاقہ کی زندگی گذارتے ہوئے نہیں دیکھے گا خصوصاً جبکہ اس کو دنیاوی بادشاہت حاصل ہو چکی ہے اور بغیر شبہہ پیدا کئے۔ وہ اتنا روپیہ تو اپنی اولاد کو دے سکتا ہے کہ وہ خوشحالی سے بسر کریں۔ اور اس کی اولاد ہی اسے کب چین لینے دیتی۔ وہ تو یہ کہتے کہ تمھارا مقصد حیات حاصل ہو چکا ہے اس میں سے ہمیں بھی حصہ دلاؤ۔ یہاں تو بہت عرصہ کے بعد اپنی آخری عمر میں فتح خیبر کے بعد ایک لونڈی فضہ دی تو اس پر بھی یہ شرط لگا دی کہ ایک دن گھر کا سارا کام فضہ کرے اور ایک دن تم کرو جیسا تم کھاؤ اس کو کھلاؤ جیسا تم پہنو اس کو پہناؤ کہاں ہیں وہ مدبران سلطنت و مشیران اصول معاشرت جو باوجود اپنی انتھک کوششوں کے مزدور اور اجرت کا مسئلہ ابھی تک طے نہیں کر سکے ہیں کبھی کوریا میں کارزار ہوتا ہے۔ کبھی جرمنی میں جنگ ہوتی ہے۔ دنیا بےچین ہے اور یہ مسئلہ نہ حل کر سکی۔ تمھاری زندگی کا سہارا ہے۔ تمھاری آمدنی کا وسیلہ ہے۔ اس کی محنت نہ ہو تو تم نہ تو کپڑا حاصل کر سکتے ہو اور نہ آلات بنا سکتے ہو تمھاری ساری ملیں اور فیکٹریاں بےکار ہو جائیں گی۔ اگر مزدور اپنی محنت اس میں نہ لگائیں۔ تمام مزدوروں کو اپنے نفع میں حصہ دار بنا لو۔ اور پھر دیکھو کتنی ترقی ہوتی ہے۔ رسول عربی نے تمھیں راستہ تو دکھا دیا ہے۔ اگر تم اس پر نہ چلو تو یہ دوسری بات ہے۔ بسا اوقات تم اپنے فیکٹری کے منیجر یا کارکن کو حصہ دار بنا ہی لیتے ہو، حالانکہ وہ کچھ سرمایہ نہیں لگاتا۔ صرف اسکی محنت کے صلے میں اسے حصے دار بنا لیتے ہو۔ اس کی محنت مزدور و کاریگر کی محنت سے بارہا کمتر ہوتی ہے۔ اگر تم مزدور کاریگر کو حصہ دار بنا لو تو قرین انصاف بھی ہے اور باعث اطمینان بھی ہوگا۔ اور مزدور کاریگر اپنی دگنی اور چوگنی محنت لگانے لگا جناب رسول خدا کی یہی تعلیم تھی کہ اپنے ملازم کو اپنے گھر کا ایک ممبر سمجھو۔ یہ مضمون بہت اہم ہے یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ مفصل بحث ہماری کتاب "فقہ اسلام" میں دیکھو۔

(د) طرزِ عمل خاوند سے

اس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔

(ہ) طرزِ عمل اولاد سے

انسان کی زندگی میں اس کی ابتدائی تعلیم کا بہت اثر ہوتا ہے۔ اور اس کی یہ تعلیم اول تو ماں کے پیٹ ہی میں شروع ہو جاتی ہے۔ اور اگر کوئی شخص اتنی دور تک نہیں سوچ سکتا تو یہ ظاہر ہے کہ پیدا ہوتے ہی یہ تعلیم شروع ہو جاتی ہے انسان کے خیالات کا اثر اس کے جسم کے ہر حصّہ پر ہوتا ہے اور سب سے پہلے اس بچہ پر ہوتا ہے کہ جو رحم کے اندر ہے جس طرح کہ وہ ماں کے جسم میں سے غذا حاصل کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح طرزِ تخیل و عادات لیتا رہتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ کسی نے آپ کو گالی دی یا بُرا بھلا کہا تو فوراً آپ کے چہرے کی ساخت میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ فوراً ایک آدمی کا چہرہ دیکھ کر آپ بتا سکتے ہیں کہ اس وقت اس کو غصہ آ رہا ہے یا خوش ہے یا یہ رنجیدہ ہے یا کسی سوچ میں ہے۔ سوچ رہا ہے تو اچھی بات سوچ رہا ہے یا خطرناک تدبیروں پر غور کر رہا ہے۔ خوف کے وقت اور ہی حالت ہوتی ہے اور خوف کی بھی دو قسمیں ہیں، جان کے خوف میں اور کیفیت ہوتی ہے۔ عزت و آبرو کا ڈر ہو تو چہرہ کی حالت اور ہوتی ہے حرکات سکنات میں فرق ہو جاتا ہے۔ جان کے خوف میں بھی فرق ہوتا ہے۔ آپ کے نوکر کی جان کو خطرہ ہے تو حالت اور ہوگی۔ عزیز بیٹے کی جان کو خطرہ ہے تو صورت ہی کچھ اور ہوگی۔ اپنی جان کو خطرہ ہے تو اور حالت ہوگی یہ کیا باتیں ہیں محض خیال۔ خیال کا اثر انسان کے اعصاب پر براہ راست پڑتا ہے۔ ماں کے خیال کا اثر بچے پر پڑنا لازمی ہے۔ اگر عورت میں جذباتی تحریکات زیادہ ہیں تو ویسا ہی اثر بچے پر پڑے گا۔ اگر عورت ہر وقت خدا کے خیال میں اور عبادت کی فکر میں رہتی ہے تو اس کا اثر بچہ پر پڑے گا۔ گویا بچہ کی پیدائش سے پہلے اس کی تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔ حاملہ عورت کے کمرہ میں خوب صورت اور نفیس چیزیں رکھنے کی تاکید ہے تاکہ بچہ خوب صورت ہو۔ سائنس کی تحقیقات کا نتیجہ ہے کہ اگر چاہتے ہو کہ لڑکا پیدا ہو تو شروع حمل ہی سے لڑکوں کی تصویریں ماں کے کمرہ میں لگا دو۔ اور اس کو تاکید کر دو کہ وہ لڑکے ہی کا تصوّر کرتی رہے۔

پیدا ہونے کے بعد اس تعلیم کا دوسرا طریقہ ہوتا ہے۔ یہ تعلیم بھی محض ماں کی ہوتی ہے اور اس کا اثر بھی بہت گہرا ہوتا ہے۔ دوسرے کو تعلیم دینے کی پہلی شرط یہ ہے کہ خود بھی اس تعلیم کا ماہر ہو اور عامل ہو۔ جس آدمی کو ہم روزانہ جھوٹ بولتے ہوئے دیکھتے ہیں وہ اگر منبر پر جا کر وعظ کرے گا بھائیو سچ بولا کرو تو اس کا کیا اثر ہو گا۔ بچہ کو نیک بنانے کے لیے ماں کو خود مجسم نیکی بننا پڑے گا۔ بچہ کو خداشناس و عابد بنانا ہے تو ماں کو عبادت مجسّم بننا پڑے گا۔ بچہ بہادر نہیں ہو سکتا سخی نہیں ہو سکتا جب تک ماں میں بھی یہ جذبات بدرجہ اتم موجود نہ ہوں۔

اس طرح عورت کو خیالات و مقاصد نیک نظر کے سامنے رکھنے اور عمل نیک کرنے کی دوہری وجہ ہوگی۔ ایک تو خود بھی انسان کا فرض ہے کہ جب خیال کرے نیک کرے اور جو اپنے سامنے مقصد رکھے وہ نیک ہو۔ دوسرے بچہ کی تعلیم و تربیت کے لیے بھی اپنے تئیں نیکی مجسّم بنانا پڑتا ہے۔

جناب فاطمہ زہرا نے یہ فرض کس خوبی سے اور کس کامیابی کے ساتھ ادا کیا۔ کربلا کے میدانوں، کوفہ کے بازاروں اور دمشق کے درباروں سے پوچھو۔

(و) حقوق اللہ

جناب فاطمہ زہراؑ کی عبادت کا حال ہم ان کے سوانح حیات میں پڑھ چکے ہیں جب ہم ان کی عبادت کی طرف دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو سوائے عبادت کے اور کچھ کام نہیں۔

(ز) حقوق العباد۔

آپ کی ساری عمر مظلومیت میں گزری۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جناب فاطمہ نے کسی پر ظلم کیا۔ خادمہ لونڈی تک یہ حال تھا کہ ایک دن خود کام کرتی تھیں اور ایک دن خادمہ آرام کرتی تھی۔

آئیے غور کریں کہ اب ہندوستان میں مسلمان عورت کا کردار و معمول [illegible] کیا ہے اور اسے کہاں کہاں اصلاح کی ضرورت ہے۔ ہندوستان سے ہمارا مطلب موجودہ ہندوستان و پاکستان ہے۔

ہندوستان کی مسلمان کے لیے اصلاح کا لفظ صحیح نہیں ہے۔ اسے تو

اب انقلاب کی ضرورت ہے۔ اگر جناب فاطمہ زہرؑا کے زمانے کی مسلمان عورت
اس وقت زندہ ہوکر کراچی کے کسی سینما ہاؤس میں جائے۔ اور وہاں مسلمان نوجوان
لڑکیوں کو دیکھے کہ چلتی پھرتی، بولتی ہوئی تصویروں کا آپس میں عشق بازی کرنا اور
بوسہ بازی کے مزے لینا کس شوق سے دیکھ رہی ہیں اور وہ بھی اپنے بھائیوں
اور ماں باپ کے ہمراہ۔ اور ان کی نظر کے سامنے کسی فیشن ایبل ہوٹل میں
چلی جائے اور وہاں مسلمان جوان لڑکیوں کو غیر مردوں کے ساتھ ناچتا ہوا دیکھے،
شراب پیتا ہوا دیکھے اور پھر اس جہل مرکب کا بھی معائنہ کرے کہ یہ بیحیا لڑکیاں
اور ان کے بے حیا اور احمق والدین ان کی اس زندگی کو ترقی یافتہ زندگی کا
خطاب دیتے ہیں۔ اور وہ عورتیں جو اب تک اس بیسویں صدی کے ترقی کے
زمانے میں پردے میں بیٹھی ہیں ان کو جاہل چار دیواری کے قیدیوں کا خطاب
دے کر اپنے دل کو خوش اور اپنے گناہوں کو محو کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اور
وہ یہ بھی دیکھے کہ اس قوم کے ارباب حل و عقد اس بات پر تُلے ہوئے ہیں کہ
کسی نہ کسی طرح ان پردے میں بیٹھنے والی عورتوں کو بھی سینما اور رقص خانوں
کی عادت ڈال کر تعلیم یافتہ کہلوائیں۔ اور یورپ کے ممالک میں ان کو رقاصی
و موسیقی سکھا کر بھیجیں اور یورپ والوں سے ان کے حسن و رقص و موسیقی کی
داد لیں۔ اور پھر یہ سب تماشے دیکھ کر وہ شام کو واپس ہوتے ہوئے کسی سے
پوچھ کر یہ بھی معلوم کرے کہ یہ مسلمانوں کا مُلک ہے اور اس کو پاکستان کہتے ہیں۔
تو ہمیں یقین ہے کہ وہ اپنے دوبارہ زندہ ہونے کو عذاب اور اپنی دوبارہ موت کو
نجات سمجھے گی۔ اپنے ہی ملک میں جس کو وہ اسلامی ملک کہتے ہیں، اپنے ہی
نظام حکومت کے اندر جس کو وہ اسلامی نظام کہتے ہیں اس طرح اسلامی زندگی کو
چھوڑ کر اور غیر اسلامی طرز رہائش و طرز تخیل یعنی ذہنیت کو اختیار کر کے جس طرح
مسلمان اپنے طرز عمل سے کفر کی تصدیق اور اسلام کی تحقیر کر رہے ہیں وہ
انسانی حماقت کی بدترین مثال ہے۔

عورتوں پر کیا منحصر ہے مردوں کا بھی کردار و عمل اسلام سے بہت دور
ہو گیا ہے اگر ان تمام اسباب کا ذکر کریں جن کی وجہ سے مسلمان اسلام سے

دُور جا پڑے ہیں۔ تو بہت طوالت ہو گی۔ ہم اپنے بیان کو صرف عورتوں کے
کردار پر منحصر کرتے ہیں۔ اور وہ بھی بہت اختصار کے ساتھ۔

پردہ اور بے پردگی یعنی قید و آزادی
یا
دقیانوسی جہالت و ترقی موجودہ

ہندو رسموں کے شیدا پُرانے زمانے کے مولویوں نے جس طرح عورت کو
رکھنے کی تعلیم دی اور جس طرح ان لوگوں نے ان کو اپنے گھروں میں رکھا اس کا
ذکر بہت اختصار کے ساتھ ہم کر چکے ہیں۔ داستان تو بہت طویل ہے لیکن
چونکہ آج کل کے ہر ایک مسلمان کو اس سے آگاہی ہے لہذا طوالت دینے کی
ضرورت نہیں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم نے جو یہ قصہ بیان کیا ہے۔ یہ غریب خاندان کا
ہے۔ امیروں کے یہاں تو ملازم و باورچی ہوتے ہیں وہاں یہ باتیں نہ ہوں گی۔
ہم ظلم کا واقعہ بیان کر رہے تھے۔ اس کی شکل و صورت امیروں غریبوں
کے یہاں ہی نہیں بلکہ ہر گھر میں مختلف ہو گی اور بہر صورت ساس اور نندوں کا
لگانا بجھانا اور طعن و تشنیع ایک مستقل مد ہے۔ اپنے اپنے گھر کے حالات کے
مطابق ان کی یہ تجویز رنگ اختیار کرتی ہے۔ امیروں کے گھر کا حال سُنیے۔
ہمیں ایک گھر کا حال معلوم ہے۔ بیوی یعنی نئی دولھن کو میاں کے پاس بیٹھنے
ہی کی ممانعت تھی۔ اور رات کو بھی خاوند کے کمرے میں اس کی بہنیں جا کر
سو جاتی تھیں اور بھائی کی پٹی سے پٹی ملی رہتی تھی۔ گھر میں ملازم ہے لیکن
کمرے کی جھاڑو دُلہن ہی دے۔ کوئی لباس نہیں پہن سکتی تھی جب تک ساس
اجازت نہ دے۔ حرکات و سکنات پر پابندی تھی۔ ایک اور نہایت ہی امیر
خاندان کا ذکر سُنیے۔ نہایت اعلیٰ سرکاری ملازم کا ذکر ہے۔ بیوی نہایت حسین
نہایت مطیع۔ دونوں میں محبت از حد۔ نندوں سے یہ بات نہ دیکھی گئی۔ جب
گھر میں بھائی آتا تو سب سے پہلے جو اس سے بات کرتیں وہ اس کی بیوی کی
نکتہ چینی ہوتی۔ اتنا اسے لگایا کہ اسے یقین ہو گیا کہ میری بیوی بدچلن ہے۔
حالانکہ بدچلن ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ بیوی کو اس نے طلاق دینے کا ارادہ کیا۔

اس نے اپنے باپ کو لکھا۔ والدین آئے۔ اس عورت نے اور اس کے والدین نے اس شخص کے آگے ہاتھ جوڑے، منت کی کہ طلاق نہ دے۔ یوں ہی چھوڑ دے نان و نفقہ طلب نہ کریں گے۔ کیونکہ ان کے یہاں طلاق کو بہت ذلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ چونکہ بیوی کو رنج دینا تھا اس نے طلاق دے دی۔ بیوی یہ ذلت برداشت نہ کر سکی اپنے گھر جاکر زہر کھا کر مر گئی۔ اور اس کے رنج میں اس کا باپ بھی مر گیا۔ ہم یہ حالات اس وجہ سے لکھ رہے ہیں کہ لوگوں کی آنکھیں کھلیں اور وہ اصلاح کی طرف مائل ہوں۔ خاوند کے کتنے ہی حقوق ہوں فقہ اسلامی ظلم کی اجازت نہیں دیتا۔

اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ کچھ عرصہ سے اسلامی سوسائٹی میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی ہے جو بالکل راستہ کے دوسرے سرے پر چلی گئی ہے۔ بالکل پردہ اٹھا دینا تو معمولی بات تھی۔ سینما میں جانا۔ غیر مردوں کے ساتھ ناچنا۔ خاوند کے والدین اور دیگر رشتہ داروں کی پرواہ نہ کرنا۔ بلکہ خاوند کی بھی پرواہ نہ کرنا۔ لاہور کے مال روڈ پر شام کو ضرور چکر لگانا۔ لارنس باغ میں مرد دوستوں کی صحبت میں رہنا، وہاں کے تنہائی کے گوشوں سے فائدہ اٹھانا، گھر کا کام نوکر ہو تو وہ کرے۔ ورنہ خاوند کھانا پکالے۔ یہ بھی ایک مسلمان عورتوں کی قسم ہے۔

پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا۔ مولوی صاحبان کا تو جواب صاف ہے۔ انگریزوں کی تعلیم اور ہندوؤں کی صحبت کا یہ اثر ہے۔ ہم نے جو غور کیا تو ہمیں تو یہ معلوم ہوا کہ اس کی پہلی اور اصل وجہ ان ہی مولویوں کا سلوک ہے۔ جس کے خلاف بغاوت ہوئی اور بغاوت نے یہ صورت اختیار کر لی۔ انگریزی تعلیم و ہندوؤں کی صحبت تو وجہ ثانوی ہے۔ یہ بغاوت تو ہونی تھی۔ اگر انگریزوں کی تعلیم نہ ہوتی تو کوئی اور صورت پیدا ہو جاتی۔ مولوی کے اثر یا یوں کہو کہ خود مسلمانوں کی تنگ نظری کی وجہ سے جو عورتوں کے ساتھ سلوک ہوتا تھا وہ کب تک برداشت کیا جاتا۔ اس سے پہلے یہ طریقے رائج تھے کہ دوسرا مذہب اختیار کر لیتی تھیں یا دوسرے مذہب کا بہانہ کر لیتی تھیں تا کہ اس قید سے آزادی ملے گھر سے نکل جاتی تھیں، دوسرے یار پیدا کر لیتی تھیں۔ زہر کھا لیتی تھیں۔ دق لگ کر مر جاتی تھیں۔ جان جاتی تھی یا عزت۔ جب باہر کی ہوا لگی ۔ انگریزوں کی

معاشرت کا علم ہوا۔ دوسرے اسلامی ملک کے حالات معلوم ہوئے۔ اخبار پڑھے۔ اب انھوں نے کہا کہ ہم جان کیوں ضائع کریں۔ عزت کو کیوں بٹہ لگائیں۔ وہ صورت کیوں نہ اختیار کریں جو ہم اپنی نظر کے سامنے دیکھتے ہیں۔ اور دنیا میں رائج ہے۔ زندگی راحت سے گزرے گی اور عزت قائم رہے گی۔ مرد بھی اس خاندان مشترکہ کے ظلموں سے عاجز آگیا تھا۔ زندگی کا مزا نہ جوانی کا مزا۔ ہر وقت دوسروں کے زیر دست رہنا۔ اس نے بھی کہا کہ یہ اچھا بہانہ ہے۔ انگریزوں کے طرز معاشرت پر چلنے لگا۔ انگریزوں کی سوسائٹی میں بھی عزت ہوئی۔ انقلابات کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نیا دور یا طرز معاشرت محض اپنی خوبی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں جگہ نہیں پاتا۔ بلکہ پرانے دور یا طرز رہائش کی برائیاں ایسی عیاں ہو جاتی ہیں اور سطح پر آجاتی ہیں کہ انسان محض ان سے بچنے کے لیے جدید تہذیب کو اختیار کر لیتا ہے۔ بغیر دیکھے ہوئے کہ اس جدید تہذیب میں تو ایسے عنوانات نہیں ہیں جو آگے چل کر مہیب و خطرناک صورت اختیار کر لیں؟ پردہ بذات خود بری چیز نہیں ہے۔ اور ہر قوم میں ہوتا آیا ہے۔ رومیوں اور ایرانیوں میں بڑا زبردست پردہ تھا۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں نے مسلمانوں سے پردہ لیا۔ یہ قطعاً غلط ہے۔ ہندوؤں نے پردے کا تخیل اول تو اس پرانی دنیا سے لیا۔ جس میں وہ آباد تھے۔ اور اس کے بعد پردہ براہ راست یونانیوں سے آیا۔ یونانی سکندر اعظم کے ساتھ آئے تھے۔ اس کے علاوہ یوں بھی ہندوستان میں اور یونان میں تعلقات تھے۔ سکندر اعظم کے مرنے کے بعد ہندوستان کے شمال مغرب میں یونانی سلطنتیں قائم ہو گئیں اور پردہ وہیں سے آیا۔ لیکن اب چونکہ پردے کے تخیل کے ساتھ اس ظلم و جور کا تخیل قائم ہو گیا ہے ایک نام سے دوسرا یاد آجاتا تھا۔ لہذا پردہ اس ظلم و جور کی وجہ سے برا لگنے لگا۔ ورنہ ہندو مسلمان عورت حیا مجسم ہوتی ہے۔ اگر پردے میں یہ ظلم نہ ہوتا۔ تو وہ اس کو کبھی نہ چھوڑتیں۔ آج کل جو مسلمان عورتیں بے پردہ ہو کر بے حیائی کی زندگی بسر کر رہی ہیں اس کے سبب اول وہ ہی مسلمان ہیں جنھوں نے ہندوؤں کے اطوار کی پیروی میں اپنی عورتوں کی ازدواجی زندگی کو لعنت مجسم بنا دیا تھا۔

انگریزی تعلیم اس کا سبب اول نہیں ہے۔ یہ تو محض اپنے اوپر سے الزام ہٹانے کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ خرابی انگریزی تعلیم کی ہے۔

بے پردگی کے حامی کہتے ہیں کہ پردہ کا تعلق مذہب سے نہیں۔ یہ ایک قسم کی طرز رہائش ہے۔ مذہب نہیں۔ دوسری بحث ان کی یہ ہے کہ عرب میں جناب رسالت مآب کے زمانے میں اتنا پردہ نہ تھا۔ عورتیں باہر پھرتی تھیں سودا خریدتی تھیں۔ لوگوں سے بات چیت کرتی تھیں اب ان کو اس سختی سے اندر کیوں بند کر دیا گیا ہے۔

پردے کا حکم قرآن شریف میں ہے۔ سورۃ نور کی آیات ۳۰ اور ۳۱ پڑھ جاؤ معلوم ہو جائے گا۔ ہم تو قرآن کے حکم کو مذہب ہی سمجھتے ہیں۔ رہا ایسا پردہ اور ویسا پردہ۔ یہاں اصول سے بحث ہے۔ جب پردے کا اصول مان لیا گیا تو جس طرح کا پردہ حالات کے مطابق ہو ویسا ہی مناسب ہوگا۔ اول تو یہ ٹھیک طرح سے نہیں کہا جا سکتا کہ عرب میں کیسا پردہ تھا جو تواریخ وغیرہ میں دیکھتے ہیں اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں گھر میں یا خیمہ میں رہتی تھیں۔ قضاء حاجت کے لیے یا لکڑیاں چننے کے لیے یا اونٹ چرانے کے لیے خیمہ کی عورتیں باہر بھی جاتی تھیں لیکن ان میں بھی شرفا کی عورتیں برقع اور مقنعہ اوڑھ کر۔ عرب کے تو مرد بھی منہ پر نقاب ڈالے رہتے تھے۔ تو عورتوں کا کیا کہنا۔ باد سموم ایسی چلتی تھی کہ منہ اور پیچھے کی طرف کی گردن کھول نہیں سکتے تھے۔ پھر یہ بھی ضرور ہے کہ آبادی ہمیشہ کئی اقسام پر مشتمل ہوتی ہے۔ صدیوں سے یہی ہے کہ ہر ایک آبادی میں، شرفا، ارذال، امراء، غربا، محنت والے لوگ اور دوسروں سے محنت لینے والے لوگ موجود ہوتے ہیں ان کی عورتوں کی طرز رہائش مختلف ہوتی ہے۔ پھر شہری و بدوی کا فرق ہوتا ہے۔ جنگل میں رہنے والے لوگ نہ زیادہ پردہ کر سکیں اور نہ انھیں پردے کی ضرورت۔ محنتی لوگ پردہ کریں تو کس طرح کمائیں۔ لیکن بہر صورت اسلام کے بعد پردے کا اصول سب مانتے تھے۔ اور جب اصول مان لیا تو کسی نہ کسی قسم کا پردہ ضرور کریں گی اگر کھیت میں جا کر محنت کرنی ہے یا جنگل سے لکڑیاں لانی ہیں تو اس طرح کام کریں گی کہ

پردہ قائم رہے۔ عورتیں سب ساتھ رہیں۔ ایسے راستہ سے جائیں گی جہاں مرد نہ ہوں، اکیلی نہ ہوں۔ اور مقنعہ و برقعہ ہمیشہ ساتھ ہوگا۔ عرب و ہندوستان میں پردے کی سخت نہ ہونے کی وجہ یہ بھی کہ ان کے یہاں یہ اصول مانا ہوا تھا کہ ایک قبیلہ ایک ہی شخص کی اولاد ہے اور قبیلے قبیلے علیحدہ رہتے تھے۔ مثلاً محلہ بنو ہاشم محلہ بنو امیہ، محلہ بنو تمیم، محلہ والوں کو رشتہ دار سمجھ کر ذرا پردے میں کمی ہو گئی ہو گی معلوم نہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ عرب میں ایسا پردہ نہ تھا۔ انھوں نے کس قبیلہ یا پیشہ کی عورت کے حالات پڑھ کر یہ نتیجہ نکالا ہے۔ بہر صورت ہم تو جناب فاطمہؑ کی طرز رہائش کو اپنا نمونہ قرار دیتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا ہے کہ عورت کی سب سے بہتر خصلت یہ ہے کہ وہ نہ کسی مرد غیر کو دیکھے اور نہ کوئی مرد غیر اُسے دیکھے۔ عرب میں جناب فاطمہؑ کے زمانے میں ایسا پردہ بہترین پردہ سمجھا جاتا تھا ہم نے کسی زمانے میں نہیں دیکھا کہ حضرت فاطمہ یا جناب عائشہ یا ام سلمہ بازار میں سودا خریدنے گئی ہوں۔ اور ہم کو دوسری عورتوں سے غرض نہیں جو باہر بازار میں جاتی ہوں۔ عرب کی عورتیں خود ہی کھانا پکاتی تھیں۔ پانی بھرتی تھیں۔ گھر کی صفائی کرتی تھیں۔ اور چونکہ ان کے یہاں پردہ تھا۔ لہذا ان کے تقریباً ہر گھر میں کنواں ہوا کرتا تھا۔ ہم نے کسی روایت میں نہیں دیکھا کہ عورتوں کی انجمنیں قائم تھیں جہاں وہ جا کر لکچر دیا کرتی تھیں۔ اگرچہ لکچر دینا زمانہ حال کی ایجاد نہیں ہے۔ اس زمانے میں مردوں کا لکچر دینا، تقریر کرنا عام تھا۔ اچھا ساری بحث کو جانے دو۔ ایسا پردہ تھا یا نہیں تھا۔ یا کیسا پردہ تھا۔ یہ تو مسلمہ امر ہے کہ غیر مردوں کے ساتھ مل کر عورتیں ناچا نہیں کرتی تھیں۔ بغیر ضرورت مجمع عام میں نکل کر اپنے حسن کا مظاہرہ تو نہیں کیا کرتی تھیں۔ بغیر ضرورت محض تماشا کے خاطر بازار میں تو نہیں پھرا کرتی تھیں۔ اگر اس زمانے میں ایسا پردہ نہ تھا تو ایسی بے پردگی بھی تو نہ تھی۔ دوسرے ملکوں میں جا کر اپنی موسیقی اور اپنے رقص کے ہنر تو نہیں دکھایا کرتی تھیں۔ اور پھر بے پردگی بے پردگی میں بھی فرق ہوتا ہے۔ اس زمانے کا پردہ ایسا نہ تھا تو اس زمانے کی بے پردگی بھی تو ایسی نہ تھی۔ آج کل کی باہر کی فضا میں ہر قسم کی بے حیائی اور بے دینی

پھیلی ہوئی ہے۔ اور پردے سے باہر آن کر عورت ان تمام بے حیائی کی تحریکات سے دوچار ہو جاتی ہے۔ کہیں سینما ہے، کہیں رقص ہے، کہیں شراب کے دور جاری دیکھتی ہے۔ ہوٹلوں میں مردوں سے آنکھیں لڑتی ہیں۔ سینماؤں میں آن کر ہاتھ بھی لڑنے لگتے ہیں۔ فضا میں ہر قسم کی بے دینی کی لہریں دوڑ رہی ہیں۔ اور وہ ان سب سے اثر لیتی ہے۔ خدا کا نام لینا فیشن کے خلاف اور نماز پڑھنے کو پرانے زمانے کی جہالت سمجھنے لگتی ہے۔ دیکھیے ایک بے پردگی کتنی مرکب بن گئی۔ اس زمانے میں محض ایک بے پردگی تھی۔ اگر ہو گی۔ گھر میں بھی خدا کا نام سنتی تھی باہر بھی خدا ہی خدا کو لوگ پکارتے تھے۔ نماز پڑھنا فیشن میں داخل تھا۔ اس بے پردگی کے ساتھ کوئی اور گناہ نہ تھا۔ ہم جناب رسول خداؐ کے زمانے کی عورتوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانے کی عورتوں کا ذکر نہیں کرتے۔ اُن سے تو خدا بچائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بے پردگی کے حامی حضرات کی نظروں میں بنو امیہ و بنو عباس کے زمانے کی عورتیں ہیں۔ ان کے کردار کی ہم پیروی نہیں کرتے۔ اور نہ وہ ہمارے لیے قابل پابندگی ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ اگر جناب فاطمہؑ کی طرز رہائش و کردار و عمل کی پیروی کرنی ہے تو بے پردگی کو چھوڑ دو۔ سینما اور رقص خانوں کو خیرباد کہو۔ شراب کو منہ سے نہ لگاؤ۔ غیر مردوں کا خیال نہ کرو۔ تمہارا دائرۂ عمل فقط گھر ہے۔ اگر اس کو جنت کا نمونہ بنا دو گی تو بس تمہارا فرض ادا ہو گیا۔ اور وہاں بھی تمہارے لیے اتنا کام ہے کہ باہر کی فرصت ہی نہ رہتی۔

وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ عورتوں کو پردے میں بٹھانے سے نصف بنی نوع انسان کو بیکار کر دینا ہے ان کو باہر نکالو تاکہ خاوندوں کے دوش بدوش ہو کر وہ روپیہ کمائیں اور گھر میں فراغت حاصل ہو۔ اس مسئلہ پر اس کے ہر پہلو سے نظر نہیں ڈالتے یہ لوگ انسانی زندگی کو تو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ یعنی پرائیوٹ زندگی اور پبلک زندگی۔ لیکن گھر کی زندگی کا خیال نہیں کرتے۔ اگر گھر سے عورت کو نکال کر پبلک میں ڈال دیں گے تو گھر کا کیا انتظام کیا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ انسان کی رنج و راحت، خوشی و غم، تعلیم و تربیت، ترقی و تنزل کا انحصار اس کے گھر پر ہے۔

اگر خود منسٹر، بیوی ڈپٹی منسٹر تو بس گھر سکریٹریٹ قصہ ختم ہوا۔ بنی نوع انسان کو قدرت نے دو جداگانہ مخلوق میں تقسیم کر کے بتا دیا کہ ان کا دائرۂ عمل علیحدہ علیحدہ ہے۔

قرآن شریف میں عورت کی ہستی کا مقصد بہت واضح کرا دیا ہے۔ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ، ۱۸: مرد کو باہر کی دنیا میں بہت لڑائیاں لڑنی پڑتی ہیں۔ عورت کا صرف یہ فرض ہے کہ مرد کے لیے گھر ایسا بنا دے کہ اسے اس میں تسکین ہو اور جب باہر سے آئے تو ساری کوفت بھول جائے۔ اور پھر دوسرے دن کی لڑائی کے لیے از سرِ نو تازہ ہو جائے۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ چھوٹا سا کام ہے۔ یہ بہت بڑا کام ہے۔ اس کے لیے عورت کو دیکھیے کتنی محنت کرنی پڑے گی۔ اول تو گھر کو ایسے سلیقہ سے رکھے کہ مرد کے لیے جاذبِ نظر ہو۔ اگر وہ تعلیم یافتہ اور مذاق صحیح رکھنے والا ہے تو اس فرض پر زیادہ زور دینا پڑے گا۔ گھر کے کھانے پکانے کا انتظام۔ اگر نوکر ہیں تو ان سے صحیح طریقے سے کام لینا کہ وہ خیانت و بد دیانتی نہ کر سکیں۔ حساب کھنا۔ کھانے کو دیکھنا کہ خراب نہ پکے۔ یہ نہیں کہ خادمہ پر ڈال دیا۔ اور خود آزاد ہو گئے۔ بچوں کی تعلیم کا بہت بڑا کام ہے۔ اس پر ان کی آیندہ زندگی کا دار و مدار ہے۔ آج کل آپ دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ بچے پتنگ اُڑاتے ہیں یا آوارہ پھرتے ہیں یا بُری عادتوں میں پڑ جاتے ہیں ان کو صحیح راستے پر لگائے رکھنا عورت کا مشکل ترین کام ہے۔ ان کی روزانہ پڑھائی دیکھنا باپ کے سامنے ضروری باتوں کی موقع و مناسب وقت دیکھ کر رپورٹ کرنا۔ سولہ برس کی عمر تک وہ ماں کے زیر اثر رہتے ہیں۔ اور ان ہی ۱۶ برس میں ان کی زندگی بنتی یا بگڑتی ہے۔ انسان کا مقصد حیات روپیہ کمانا نہیں ہے اور نہ خوشی کو دولت سے کچھ نسبت ہے۔ تم نے اتنی بڑی ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے۔ کہ کئی انسانوں کو تم عدم سے منصہ شہود پر لاتے ہو۔ اگر ان کی زندگی بگڑ گئی تو کیا تم نہ پکڑے جاؤ گے۔ یاد رکھو کہ خدا بھی ہے۔ حساب کتاب بھی ہے۔ میزان بھی ہے۔ اور حشر و نشر بھی ہے۔ اور عاقبت کی عقوبت بہت سخت ہوتی ہے۔ اس کے بعد عورت کا یہ بھی کام ہے کہ

اپنے حرکات و سکنات اور اپنی گفتگو سے اپنے خاوند کو اتنا محو کرے کہ پھر وہ خرافات ولغویات کی طرف نظر نہ ڈالے۔ اپنی آرائش کرنی عورت کا سب سے بڑا فرض ہے لیکن وہ آرائش خاوند کے لیے ہے۔ لاہور کے مال روڈ یا کراچی کے کلفٹن کے لیے نہیں ہے۔ اس آرائش کی تاکید احادیث رسولؐ میں ہے جب خاوند باہر سے آئے تو سب سے پہلے عورت کا فرض ہے کہ وہ ہنستے ہوئے چہرے سے اس کا استقبال کرے۔ اس کو اپنے گلے سے لگائے اور اس کی پیشانی پہ بوسہ دے کر اس کے دن بھر کے رنج و الم کو دور کرے۔ شام کو کھانے پر سب بچوں کو بلائے۔ ان کی دن بھر کی باتیں سنا کر اس کا دل بہلائے۔ یہ بھی عورت کا فرض ہے کہ کوئی کام یا کوئی بات ایسی نہ کرے جس سے اس کے خاوند کی عزت پر حرف آئے۔ گھر کو اپنی شان و عزت کے لائق آراستہ رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ کہیں کہ اس کے خاوند نے عورت کے انتخاب میں غلطی کی۔ لیکن یہ سب امور اس وقت ممکن ہیں کہ خاوند بھی عورت کے لیے ایسا ماحول پیدا کردے کہ اس کا دل خوشی سے لبریز ہے۔ تب ہی تو اس کا چہرہ گلاب کی طرح کھلے گا۔ ورنہ میری یہ ساری تحریر پڑھ کر وہ کہے گی کہ اس شخص نے اتنا بڑا تو لکھ دیدیا۔ اس کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ خوشی بناوٹ سے نہیں بنائی جاتی۔ دل سے ابلتی ہے۔ میں تو اتنی تکلیف میں ہوں کہ میرا خدا ہی جانتا ہے۔ یہ شخص کہتا ہے کہ بچوں کو تعلیم بھی دو۔ گھر کو سلیقہ سے رکھو۔ اور دل کو دونوں ہاتھ سے مسوس کر جب خاوند آئے تو ہنستے ہوئے چہرے سے استقبال بھی کرو۔ اور اسے خوش کرو۔ میرا تو دل رو رہا ہے میں اس کو خوش کروں میں نے خوش بھی کیا تو ابھی ساس نندیں آن کر سب کچھ ملیا میٹ کر دیں گی۔ بھاڑ میں جائے گھر اور بھاڑ میں جائے بچوں کی تعلیم۔

یہ یاد رکھو کہ اگر تمھیں اپنے گھر میں خوشی نہ ملی تو پھر کہیں نہیں ملے گی۔ باہر تو تنازع للبقا ہے۔ وزیر بن جاؤ۔ گورنر بن جاؤ۔ لوگ تمھارے آگے پیچھے پھریں گے لیکن اصلی خوشی کا ایک قطرہ بھی نہ دے سکیں گے۔ تمھارا عہدہ تمھیں تکلیف دے گا۔ خوشی نہ دے گا۔

لِیَسۡکُنَ اِلَیۡھَا کی وہ تفسیر ہے جو ہم نے اوپر بیان کی۔ عورت کو گھر میں بہت کام ہیں۔ اگر تم نے اسے باہر نکال کر سکریٹری بنالیا یا کسی انتخاب میں لڑالیا تو گھر کی خوشی معدوم ہو جائے گی۔ وہ ہر وقت اس خیال میں رہے گی کہ میں انتخاب کیونکر لڑوں۔ ناچنے کا کون سا لباس پہنوں۔ خدا کرے آج ناچ کا ساتھی مسٹر .... مل جائے۔ بڑا خوبصورت جوان ہے۔ خوب ناچتا ہے اور مجھے اس طرح اٹھا کر ہال میں چکر دلاتا ہے کہ مزہ آجاتا ہے۔ جنت تو وہ ہے جب میرا سینہ اس کے سینے سے ملتا ہے۔ شاید بعض حضرات اس فیشن کے دلدادہ کہیں کہ ممکن ہے کہ یہ خیال جاہل عورتوں کے دل میں گزرتے ہوں گے میری عورت اس سے بالا تر ہے جس طرح جولیس سیزر نے کہا تھا کہ سیزر کی بیوی شبہ سے بالا تر ہے۔ جس طرح وہ شبہ سے بالا تر ہوئی تاریخ جانتی ہے۔ واقعی یہ ٹھیک ہے Where ignorance is bliss it is folly to be wise جب عقل سے تکلیف پہنچے تو جاہل ہی رہنا اچھا ہے۔ اور ہم کب کہتے ہیں کہ کسی شریف زادی پر شبہ کیا جائے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اس کو ایسے ماحول میں کیوں ڈالتے ہو کہ شبہ کی گنجائش ہو سکے۔ جہاں تک عورتوں کی طرز رہائش اور زندگی کا تعلق ہے ہندوستان میں جس میں پاکستان شامل ہے۔ مسلم سوسائٹی دو حصوں پر تقسیم ہو گئی ہے۔ ایک تو وہ جس میں عورتوں پر وہ ظلم ہوتے ہیں جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ اور دوسرے وہ جو اس سے بغاوت کر کے بنی ہے اور جس میں عورتیں ایسی آزاد ہیں جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ دونوں طریقے درست نہیں ہیں۔

قصہ مختصر یہ کہ اگر جناب فاطمہؑ کے کردار و عمل کی پیروی کرنی ہے تو بے پردگی کو چھوڑو۔ سینما و رقص خانوں کو خیرباد کہو۔ شراب کو منہ سے نہ لگاؤ۔ غیر مردوں کا خیال نہ کرو۔ تمھارا دائرہ عمل فقط گھر ہے۔ اور اس کو اگر تم اپنے خاوند اور بچوں کے لیے خوشی کا محل بنادو گی تو بس تمھارا فرض ادا ہو گیا۔ یہ نہ خیال کرو کہ تمھارے خاوند کو گھر کے علاوہ کہیں اور خوشی ملتی ہے

یا مل سکتی ہے۔ اگر غیر عورتوں میں بھی جاتا ہے، شراب پیتا ہے، برج کھیلتا ہے تو اس کو خوشی نہیں ملتی۔ وہ تو ان باتوں سے غم غلط کرتا ہے لیکن غم بھی غلط نہیں ہوتا۔ غالب نے ٹھیک کہا ہے ؎

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو
جو مے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہیں

میرا کام اس منزل کا ختم ہوا۔ حافظ کا یہ شعر پڑھ کر دل کو تسلی دیتا ہوں ؎

حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن است و بس
در بند آں مباش کہ نشنید یا شنید

محمد سلطان مرزا
سنی سائیڈ بلڈنگ۔ اے، ایم ۳۰
کراچی

کلمات ناشر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَہَّارِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْمُخْتَارِ وَعَلٰی اٰلِہِ الْاَطْہَارِ سِیَّمَا عَلَی الْبَتُوْلِ الطَّاہِرَۃِ الصِّدِّیْقَۃِ الْمَعْصُوْمَۃِ النَّقِیَّۃِ النَّقِیَّۃِ الرَّضِیَّۃِ الْمَرْضِیَّۃِ الزَّکِیَّۃِ الرَّشِیْدَۃِ الْمَظْلُوْمَۃِ الْمَقْہُوْرَۃِ الْمَغْصُوْبَۃِ حَقُّہَا الْمَمْنُوْعَۃِ اِرْثُہَا الْمَکْسُوْرَۃِ ضِلْعُہَا الْمَظْلُوْمِ بَعْلُہَا الْمَقْتُوْلِ وَلَدُہَا فَاطِمَۃَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَبِضْعَتِہٖ - اَمَّا بَعْدُ۔

فاطمہ زہرا صلواۃ اللہ علیہا کائنات کی محترم ترین خاتون اور دنیائے اسلام کی معتبر ترین شخصیت تھیں۔ آپ کے ذاتی کارناموں سے تاریخ اسلام پُر ہے۔ بیت نبوی میں آپ کا انداز حیات بیت مرتضوی میں آپ کا طرز معاشرت میدان مباہلہ میں حمایت حق میں آپ کا وجود اور دربار خلافت میں آپ کی صدق گفتاری ایسے واقعات نہیں ہیں جنھیں فراموش کر کے عظمت اسلام کی تاریخ مرتب کر لی جائے۔

مورخ جب حیات نبوی کے مختلف گوشوں پر قلم فرسائی کرے گا تو اسے دیانت داری مجبور کرے گی کہ وہ واقعۂ کساء کو تحریر کرے جس میں کساء کے نیچے موجود افراد میں صرف ایک خاتون یعنی معصومۂ کونین ملیں گی (مستدرک صحیحین حاکم) مفسّر جب نزول آیۂ تطہیر کا ذکر کرے گا تو اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کے مصداق پنجتنؑ میں فقط معصومۂ کونین بھی تھی (تفسیر کبیر) نزول آیۂ تطہیر کے بعد روزانہ پیغمبرؐ کا سیّدہ کے بیت الشرف تک جانا اور سلام کرنا (ابن مردویہ) معمولی بات نہ تھی اور نہ یہ معمولی بات تھی کہ جب آپ اپنے بابا جان کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں تو آنحضرت سروقد کھڑے ہو جایا کرتے تھے (مناقب ابن شہر آشوب) کسی کے جتنے بھی فضائل بیان کئے جائیں وہ اس فضیلت کی ہمسری نہیں کر سکتے کہ آپ رسولؐ کریم کا جز تھیں ارشاد نبوی ہے اِنَّ فاطمۃ بضعۃ منّی فمن اغضبہا اغضبنی (صحیح بخاری) فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے جس نے اسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔ یہ بھی ارشاد فرمایا یوذینی ما اذاھا (صحیح مسلم) اس کی ایذا میری ایذا ہے۔ یہ بھی فرمایا یسری مایسرھا

ویغضبنی ما یغضبھا جو چیز اسے مسرور کرتی ہے وہ مجھے بھی خوش کرتی ہے اور جو چیز اسے غصہ دلاتی ہے وہ مجھے بھی غصہ دلاتی ہے۔ یہ بات صرف نبیؐ ہی تک محدود نہیں بلکہ پیغمبرؐ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ اِنّ اللہ یغضب بغضب فاطمۃ ویرضی لرضاھا (کنز الدقائق) یقیناً خدا غضب فاطمہ سے غضبناک ہوتا ہے اور فاطمہؑ کی رضامندی سے راضی ہوتا ہے۔

ایسی باعظمت مخدومۂ کونین کی حیات و کارناموں سے واقفیت مسلمین و مومنین کا دینی و ایمانی فریضہ ہے تاکہ وہ آپ کے کردار اور نظریات کی روشنی میں دنیا و آخرت کو سنوار سکیں بالخصوص خواتین اپنے اصلاح حال کے لئے سیرت معصومۂ کونینؑ کا گہرائی سے مطالعہ فرمائیں۔ اس موضوع پر آغا محمد سلطان مرزا صاحب دہلوی طاب ثراہ نے بہترین کتاب سیرت فاطمۃ الزہراؑ تالیف فرمائی تھی جو مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ نقوی طاب ثراہ سابق مدیر ماہنامہ اصلاح کھجوہ ضلع سیوان بہار نے بار دوم ۱۹۵۴ء میں شائع فرمائی تھی اور اب معصومۂ عالم صلواۃ اللہ علیہا کی شہادت کو چودہ سو سال مکمل ہونے پر اس کا جدید اڈیشن آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس امید کے ساتھ کہ آپ کا تعاون ادارۂ اصلاح کو مزید خدمات کا موقع فراہم کرے گا۔ حالات اور بروقت اسباب فراہم نہ ہونے پر کتاب کی اشاعت میں کچھ تاخیر ہوئی۔

فقط

والسلام

سیّد محمد جابر جوراسی

مدیر ماہنامہ اصلاح لکھنؤ

۲۸/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ

قطعۂ تاریخ

چہاردہ صد سالہ یادگار وفات و شہادت جناب سیّدہ صلوات اللہ علیہا

نتیجۂ فکر

مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ باقری جوراسی نگران ماہنامہ اصلاح لکھنؤ

تازہ عالم میں غمِ فاطمہ زہرا ہے آج | سوگ پھر دل کے عزا خانوں میں برپا ہے آج
چودہ سو سال (۱۴۰۰) کی مدت ہوئی رحلت کو مگر | ذکر معصومۂ کونین کا زندہ ہے آج
کیسے اُمت نے گرائے تھے مصائب کے پہاڑ | نقش ہر قلب پہ مظلومہ کا نوحہ ہے آج
معترض بعدِ نبیؐ لوگ جو تھے رونے پر | ہر طرف آہ و بُکا گریہ و نالہ ہے آج
قوم نے بعدِ پدر آپ کو جینے نہ دیا | جاں گُسلِ اہل تولّا کو یہ صدمہ ہے آج
مختصر عمر میں یہ درد و الم کا تھا ہجوم | دم بخود جس کے تصور ہی سے دنیا ہے آج
گھر جلانے کیلئے لائے تھے جس کو ناری | قلبِ مومن میں اُسی آگ کا شعلہ ہے آج
شب کے پردے میں کبھی اُن کا جنازہ اُٹھا | باعثِ شرم کنیزوں کو بھی پردہ ہے آج
ظلم سے دل نہ زمانے کا بھرا بعد وفات | مرقدِ پاک پہ قبّہ ہے نہ سایہ ہے آج
شاد فردوس کے گلشن میں بھی رہنے نہ دیا | شرکتِ بزمِ عزا آپ کا شیوہ ہے آج
جس کو دربار خلافت نے کہا تھا ناحق | حق کے دربارِ عدالت میں وہ دعویٰ ہے آج
ابتدا حضرتِ محسن کی شہادت سے ہوئی | بانیٔ کرب و بلا لشکرِ اعدا ہے آج
آپ سے بعد پیمبرؐ تھی علیؑ کو ڈھارس | نفسِ اللہ و نبیؐ بیکس و تنہا ہے آج
فرقِ اولاد سے رخصت ہوا ماں کا سایہ | دھوپ غم کی الم و درد کی ایذا ہے آج

یاد ہے چاردہ (۱۴۰۰) صد سالہ حسینی سن میں
قولِ باقرؔ ہے۔ غمِ سیّدہ زہرا ہے آج

۱۳۵۱ شہادت حسینی

کتاب سیرت حضرت فاطمۃ الزہرا صلواۃ اللہ علیہا کی اشاعت

منجانب

رابطۃ اہل البیتؑ الاسلامیۃ العالمیہ

و

المجلس الاعلیٰ للعلماء و خطباء الہند

بتوسط نمائندہ مرجع المسلمین

حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ آقائی السید ابوالقاسم الموسوی الخوئی دام ظلہ الشریف

حجۃ الاسلام والمسلمین

آقائی السید محمد الموسوی مدظلہ العالی

نجفی ہاؤس ۱۵۹ انشان پاڑہ روڈ۔ بمبئی

۴۰۰۰۰۹